من کی دُنیا
ڈاکٹر غلام جیلانی برق
urdukutabkhanapk.blogspot

عقل و دل و نگاہ کا مُرشدِ اوّلین ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرع و دیں بُت کدۂ تصوّرات
اقبالؔ

من کی دُنیا

ڈاکٹر غلام جیلانی برقؔ

الفیصل
ناشران و تاجرانِ کُتب
غزنی سٹریٹ اُردو بازار لاہور

فہرس

ابتدائیہ

ڈاکٹر غلام جیلانی برق کی تصانیف و تعارف

ڈاکٹر غلام جیلانی برق 1901ء میں لسبال (ضلع اٹک) میں پیدا ہوئے اور 12 مارچ 1985ء کو اس دار فانی سے کوچ فرما گئے۔ آپ کے والد علاقے کے دینی اور مذہبی عالم تھے۔ ان کا نام محمد قاسم شاہ تھا اور گاؤں میں ایک مسجد میں امامت کرتے تھے۔ اور پھر اس مسجد کو خود اپنے وسائل سے تعمیر کروایا۔ جو ابھی لسبال میں قائم و دائم ہے اور جناب قاسم شاہ صاحب اور انکی اہلیہ اسی مسجد کے احاطے میں مدفون ہیں۔ ڈاکٹر صاحب نسل در نسل ایک مذہبی و دینی خانوادے سے تعلق رکھتے تھے۔ ابتدائی تعلیم دینی مدرسوں میں حاصل کی جس میں مولوی فاضل، منشی فاضل، ادیب فاضل وغیرہ شامل ہیں۔ پھر بائیس سال کی عمر میں میٹرک کیا اور انگریزی تعلیم کی طرف راغب ہوئے۔ عربی میں گولڈ میڈل لیا۔ ایم اے فارسی کیا اور 1940ء میں پی ایچ ڈی کیا۔ اس وقت آپ 37 سال کے تھے۔ اور تھیسس انگلش زبان میں امام ابن تیمیہ لکھا۔ اس کی تصحیح مولانا مودودی سے کروائی۔ پہلے مولوی تھے مسجد میں نماز پڑھاتے تھے پھر 1920ء سے 1933ء تک اسکول ٹیچر رہے پھر 1934ء سے 1957ء تک کالج میں عربی کے پروفیسر رہے۔ آپ کے PHD کا تھیسس HARVARD اور OXFORD یونیورسٹیوں سے پاس ہوا۔ اور یوں آپ مولوی غلام جیلانی سے ڈاکٹر غلام جیلانی برق بن گئے۔ آپ کی پیدائش سے پہلے آپ کی والدہ نے خواب دیکھا کہ آسمانوں میں پرندے اُڑ رہے ہیں اور ان کی چونچوں میں تختیاں ہیں۔ ایک پر ڈاکٹر صاحب کا نام سنہری حروف میں لکھا ہوا ہے۔ اور باقی دوسرے بھائیوں کا نام عام حروف میں لکھا ہے۔

آپ کے بڑے بھائی غلام ربانی عزیز بھی پچیس اسلامی کتب کے مصنف تھے اور گورنمنٹ سروس کے آخر میں قصور کالج سے بطور پرنسپل ریٹائرڈ ہوئے۔ آپ نے کئی کتب کا عربی سے اُردو میں ترجمہ کیا۔ اسلام پر تحقیقی کتب لکھیں جس میں اسلام کا طول و عرض، حکمائے عالم مشہور ہیں۔ آپ کے سب سے بڑے بھائی نور الحق علوی تھے۔ جو عربی کے بہت بڑے عالم تھے۔ آپ اورینٹل کالج لاہور میں پروفیسر تھے۔ (1915ء تا 1944ء) اور عربی گرائمر پر مستند عالم سمجھے جاتے تھے۔ علامہ اقبال آپ سے عربی گرائمر اور

عربی تاریخ ادب پر اکثر تبادلہ خیال کرتے اور مشورہ لیتے۔ (میری داستان حیات۔ ڈاکٹر برق) اس کا ذکر ڈاکٹر برق صاحب نے اپنی خودنوشت داستان حیات میں کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے رشتہ دار بھی اسلامی رنگ میں رنگے ہوئے تھے۔

جناب غلام ربانی عزیز کو 1982ء میں سیرت طیبہ لکھنے پر آدم جی ایوارڈ بھی ملا تھا۔ سیرت طیبہ پر آپ نے دو کتب تحریر کی تھیں۔ برصغیر میں تین بھائی اور تینوں اسلامی علوم کے عالم۔ یہ جناب قاسم شاہ صاحب اور انکی اولاد کے لئے پاک و ہند میں ایک منفرد اعزاز تھا۔ ڈاکٹر صاحب کے چھوٹے بھائی غلام یحییٰ صاحب بھی تعلیم و تدریس کے شعبہ سے تعلق رکھتے تھے۔ ڈاکٹر صاحب اک ہمہ جہت شخصیت اور ایک ادارہ تھے۔ دلکش شخصیت کے مالک اور آنکھوں سے ذہانت عکس ریز تھی۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

آپ کا حلقہ احباب وسیع تھا۔ ان میں مولانا مودودی، ڈاکٹر باقر، ڈاکٹر عبداللہ، شورش کاشمیری، پروفیسر اشفاق علی خان، جنرل عبدالعلی ملک (شاگرد) ڈاکٹر فضل الٰہی (جید عالم) مولانا زاہد الحسینی، مولوی غلام جیلانی، پروفیسر ڈاکٹر اجمل، ڈاکٹر حمید اللہ، پروفیسر سعادت علی خان، عنایت الٰہی ملک، (مصنف و مولف) میاں محمد اکرم ایڈووکیٹ، مولانا عبدالماجد دریا آبادی، حفیظ جالندھری، طفیل ہوشیار پوری، جنرل شیریں دل خان نیازی، پروفیسر سعد اللہ کلیم صاحب (مصنف)، کیپٹن عبداللہ خان (مصنف و مولف) صوفی غلام مصطفٰے تبسم، شیخ عبدالحکیم، شیخ محمد افضل صاحب سردار امیر اکبر خان (مشہور ایڈووکیٹ) کرنل محمد خان، جنرل شوکت، جنرل شفیق الرحمان، احمد ندیم قاسمی، جسٹس کیانی شامل تھے۔

الفیصل ناشران و تاجران کتب کو یہ اعزاز حاصل ہوگا کہ ڈاکٹر صاحب کی کتب کو اعلیٰ درجے کی طباعت، کاغذ، متناسب سائز، دیدہ زیب سرورق اور خوب صورت آرٹ و مصوری سے مزین کریں اور قارئین کو پیش کریں۔ ڈاکٹر صاحب کو خوبصورتی، حسن کائنات، جمال، موسیقیت، فنون لطیفہ سے عشق تھا کیوں کہ بقول ان کے اللہ تعالیٰ جمیل ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے۔ ڈاکٹر برق اک عہد ساز انسان تھے اور مستقبل پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ ہم ان کی اس خواہش کو پورا کرنے کی حد درجہ کوشش کر رہے ہیں اُمید ہے ہمارا معیار اشاعت و طباعت قاری کے ذوق سلیم کے مطابق ہوگا۔ کتاب قاری اور مصنف کے درمیان پل کا کام کرتی ہے۔ اس لئے یہ پل یہ رابطہ حسین سے حسین تر کی جانب سفر کرتا رہے گا۔ (انشاءاللہ)

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

ناشر: محمد فیصل

حروفِ اوّل

بچہ جب تک ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے، یہی سمجھتا ہے کہ کائنات صرف ایک فٹ لمبی اور چھ انچ چوڑی ہے، اس میں کہیں روشنی موجود نہیں، اور کہ وہ اس کائنات میں تنہا ہے۔ باہر آتا ہے تو اسے بے شمار انسان، پرندے، حیوان اور درخت نظر آتے ہیں، نیز ایک ایسی دنیا جو زمین سے آسمان تک، اور افق سے افق تک پھیلی ہوئی ہے۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ زندگی ایک قدم اور آگے بڑھ کر ایک ایسی دنیا میں پہنچ جائے، جس کی بے کراں وسعتوں کے سامنے یہ دنیا رحمِ مادر کی حیثیت رکھتی ہو۔

تمام فلسفوں اور مذہبوں کی بنیاد اس نظریہ پر ڈالی گئی ہے کہ حیات میں تسلسل ہے۔ انسان پیدا تو ہوتا ہے لیکن مرتا نہیں۔ جب یہ جسمِ خاکی بیکار ہو جاتا ہے تو حیات جسمِ لطیف میں منتقل ہو جاتی ہے اور اعمال کے مطابق مقام حاصل کرتی ہے۔

تسلسلِ حیات اور مکافاتِ عمل کا عقیدہ نسلِ انسانی کا بہت بڑا سہارا ہے۔ ہم اس زندگی میں کتنی ہی دشواریاں، ناکامیاں اور رسوائیاں اس امید پر گوارا کر لیتے ہیں کہ اگلی زندگی میں ان کی تلافی ہو جائے گی۔ اگر آج اس عقیدہ کو ہم کسی طرح ختم کر دیں تو ہر طرف قنوطیت چھا جائے۔ شدتِ اضطراب میں کروڑوں نفوس خودکشی کر لیں، بھوکے دولت مندوں کے کپڑے نوچ لیں، بوالہوس حسن کو اچک لے جائیں۔ امنِ عالم برہم ہو جائے، اور تمام اخلاقی و روحانی اقدار کا جنازہ نکل جائے۔

آپ نے سنا ہوگا کہ دنیا کا فلسفیِ اعظم یعنی سقراط اونٹ کے بالوں کا کرتہ پہنتا، باسی ٹکڑے کھاتا اور ایک ٹوٹے مٹکے میں رہتا تھا۔ یہ بھی سنا ہوگا کہ ایک بلند مقصد کی خاطر ابراہیمؑ

آگ میں کود پڑے تھے۔ مسیحؑ نے صلیب قبول کر لی تھی اور حسینؓ نے اپنا سارا خاندان کربلا کے میدان میں کٹوا دیا تھا اور یہ بھی کہ سرورِ عالم ﷺ کی کل کائنات ایک اونٹنی، ایک گھوڑا، کھدر کا ایک جوڑا اور بان کی ایک چار پائی تھی۔ سات سات دن بھوکے رہتے تھے، بعثت سے رحلت تک چین کا ایک لمحہ بھی نصیب نہ ہوا۔ رات کو عبادت، دن کو سیاسی، تبلیغی اور انتظامی مصروفیات، سال میں دو دو تین تین جنگوں کی تیاری اور استغنا و بے نوائی کا یہ عالم کہ انتقال سے پہلے حضرت عائشہؓ سے فرمایا:

> ''عائشہ! میری بالین کے نیچے دو دینار رکھے ہیں، انہیں اللہ کی راہ میں دے ڈالو، مبادا کہ ربِّ محمد، محمد سے بدگماں ہو کر ملے''۔

سوال یہ ہے کہ:

ان دانایانِ رازِ فطرت، ان ہادیانِ نسل انسانی اور عظیم مقتدایانِ کائنات نے یہ رویّہ کیوں اختیار فرمایا؟

کیا انہیں حسین محلات، دل نواز جنّات اور آسودگی ہائے حیات سے خدا واسطے کا بیر تھا؟

کہیں اس کی وجہ یہ تو نہیں کہ وہ اس زندگی کی دل فریبیوں میں الجھ کر اپنی حقیقی منزل سے غافل نہیں ہونا چاہتے تھے؟

اور انہیں یقین تھا کہ یہاں اللہ کی راہ میں اٹھائی ہوئی ہر مصیبت وہاں جنّت میں بدل جائے گی۔

اسی دنیا میں وہ لوگ بھی موجود ہیں جو اللہ سے لاکھوں میل دور اور نشۂ دولت میں چور ہیں۔ اقدارِ عالیہ سے غافل، جزا و سزا کے منکر، مصائب انسان سے بے خبر، بدمست، مغرور اور متکبر ہیں۔ اگر موت کو انجام حیات سمجھا جائے تو قدرتاً سوال پیدا ہو گا کہ ان بدمستوں میں کیا خوبی تھی کہ اللہ نے انہیں اتنا نوازا اور مسیحؑ و خلیلؑ نے کیا قصور کیا تھا کہ انہیں جگر دوز مصائب کا ہدف بنایا؟ اس سوال کا جواب ایک ہی ہو سکتا ہے کہ دنیائیں دو (۲) ہیں۔

یہ دنیا جس کی بقا "یک شرر بیش نہیں......"

اور وہ دنیا، جس کا کوئی کنارہ نہیں۔

کوئی دانش مند چند روزہ عیش کے لیے کروڑوں سال کی زندگی کو تباہ نہیں کر سکتا، اور دانایانِ رازِ فطرت نے ہمیشہ یہی کیا کہ اُس زندگی کے مفاد کو مقدم رکھا۔

اُس سائنسدان سے، جو علّت کو معلول سے، اسباب کو نتائج سے اور ایکشن کو ری ایکشن سے الگ فرض ہی نہیں کر سکتا، ہم یہ پوچھنے کا حق رکھتے ہیں کہ جن لوگوں نے دفاعِ وطن، قیامِ صداقت اور بقائے انسان کے لیے ظالم و سنگدل حکمرانوں، ڈاکوؤں اور چوروں کے خلاف جہاد کیا، گھر بار لٹایا، سینوں میں برچھیاں کھائیں اور صحراؤں میں تڑپ تڑپ کر جان دی، ان کا صلہ کہاں ہے؟ جس ہلاکو خان نے صرف بغداد میں اٹھارہ لاکھ نفوس کو قتل کیا، ہمارے اسلاف کی دو کروڑ کتابیں دجلہ میں پھینک دیں، اسے کیا سزا ملی؟

خود اپنے ہاں ہم آئے دن دیکھتے ہیں کہ بے نوا و بے سفارش لوگ ہر مقابلے میں ناکام رہ جاتے ہیں، اور نا اہل سفارشی اونچی کرسیوں پہ جا بیٹھتے ہیں، کیا ان تمام ناانصافیوں کو ختم کرنے کے لیے اس زندگی کا خاتمہ اور اک نئی زندگی کا وجود ضروری نہیں؟

فلسفے کو چھوڑیے اور روح کی بات سنیے۔ روح کی گہرائیوں سے دمادم یہ صدا اٹھ رہی ہے کہ میں لازوال ہوں، ابدی و سرمدی ہوں، زمان و مکان میں میرا قیام عارضی ہے۔ اور میرا اصلی مسکن دنیائے اثیر ہے۔ یہ صدا ہے جس کی تائید ایک کروڑ مساجد، ساٹھ کروڑ گرجوں اور لاتعداد مندروں سے ہو رہی ہے اور یہ وہ حقیقت ہے جس کی تصدیق سوا لاکھ انبیاء نے کی اور جس پر آج کم از کم اڑھائی ارب انسان ایمان رکھتے ہیں۔

مقصدِ کتاب

میں نے اس کتاب میں مندرجہ ذیل حقائق کو واضح کیا:

۱۔ کہ حیات مسلسل ہے۔

۲۔ کہ حسین اعمال سے روح عظیم و توانا بن جاتی ہے۔

۳۔ کہ انسان کا جلال، شوکت سنجر و سلیم ہے اور جمال وہ نیاز و گداز، جو عبادت سے پیدا ہوتا ہے۔

۴۔ کہ مسلم جمال و جلال کا حسین امتزاج ہے۔

۵۔ کہ عبادت سے شخصیت میں مقناطیسی کشش پیدا ہو جاتی ہے۔

۶۔ کہ تمام مسرتوں اور توانائیوں کا سرچشمہ اللہ ہے اور جو شخص اس ذات سے رابطہ قائم کر لیتا ہے، اس کی ہستی عمیق اطمینان و سکون کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

۷۔ کہ اللہ سے رابطہ قائم نہ ہو تو پرسنلٹی کھوکھلی ہو جاتی ہے اور صورت بگڑ جاتی ہے۔

۸۔ کہ اثیر میں لاتعداد طاقتیں رہتی ہیں جو اللہ کے بندوں کو ہر الم، ناکامی اور افتاد سے بچاتی ہیں، نیز ان کی ہر جائز خواہش کو پورا کرنے کے لیے اسباب کی غیر مرئی کڑیاں فراہم کرتی ہیں۔

۹۔ کہ کائنات میں اثیری لہروں کا ایک حیرت انگیز سلسلہ قائم ہے، جن کی وساطت سے ہماری آہیں اور دعائیں حضور باری تعالیٰ تک جاتی اور وہاں سے قبولیت و سکوں لے کر واپس آتی ہیں۔

۱۰۔ کہ جسم لطیف ہوا میں اڑ سکتا اور ماضیہ و مستقبل کو برابر برابر دیکھ سکتا ہے۔

۱۱۔ کہ گناہ بے چینی، مفلسی اور بیماری میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

۱۲۔ کہ الہامی الفاظ توانائی کے طاقت ور یونٹ ہیں، جن کی مدد سے امراض کا بھی علاج کیا جا سکتا ہے۔

میرے مخاطب

میرے مخاطب وہ لوگ ہیں جنہوں نے یونیورسٹیوں سے تعلیم حاصل کی، اور جو انگریز مصنفین سے مرعوب ہیں۔ میں نے ان لوگوں کی خاطر صرف مغربی حکماء کے انکشافات پیش کیے ہیں اور اپنے اسلاف کا کہیں حوالہ نہیں دیا۔ البتہ قرآنِ حکیم کو بکثرت استعمال کیا ہے تاکہ ان پر واضح ہو جائے کہ جن حقائق کی تلاش میں آج علمائے مغرب ٹھوکر کھا رہے ہیں، قرآن انہیں چودہ

سو برس پہلے بیان کر چکا تھا۔

بالآخر مجھے اتنا ہی کہنا ہے کہ:

دنیا میں لاکھ گھومیے،

ہزار اسباب عیش مہیا فرمایئے،

محل بنایئے،

کاریں خریدیے،

کچھ کیجئے،

سکون کبھی حاصل نہیں ہوگا۔

یہ نعمتِ عظمیٰ صرف ایک مقام سے مل سکتی ہے۔

اور وہ مقام ہے:

''مَن کی دنیا''

آغازِ کتاب: ۲۰ جون ۱۹۶۰ء
تکمیل کتاب: ۲۸ جولائی ۱۹۶۰ء

برق
کیمبل پور

باب نمبر ۱

رُوح

اسرارِ کائنات میں سے روح سب سے بڑا راز ہے، جس کے ادراک سے انسانی عقل ہمیشہ قاصر رہی۔ فلاسفہ نے تو کہنا ہی کیا تھا، انبیاء علیہم السلام بھی صرف اتنا کہہ کر خاموش ہو گئے کہ روح امرالٰہی ہے اور اس طرح عقلِ واماندہ کو واماندہ تر بنا گئے۔

آغازِ تجسس

آج سے کئی ہزار سال پہلے قدیم مصریوں کے دماغ میں یہ سوالات ابھرے کہ انسان کیا ہے؟ کہاں سے آیا اور کہاں جا رہا ہے؟ جب انہوں نے دیکھا کہ ہر سال بہار میں پھول کھلتے، پھر جھڑ جاتے اور اگلی بہار میں دوبارہ نمودار ہو جاتے ہیں، تو انہیں خیال آیا کہ شاید حیات غیر فانی ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے سوچنا، پوچھنا اور ڈھونڈنا شروع کر دیا، جو کچھ انہیں معلوم ہوا، وہ یا تو پتھروں پر لکھ گئے اور یا یہ راز سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے رہے۔ مصریوں کی اس تلاش کو تین آدمیوں نے قلم بند کیا ہے۔ سرای۔ اے۔ ویلیس، لارڈ لٹن اور مشہور ڈراما نویس ڈومہ نے، ان کی تحریرات مختلف رسائل میں شائع ہو چکی ہیں۔ چند اور ممالک مثلاً یونان، رومہ، ہند اور بابل میں بھی یہ تلاش جاری رہی، لیکن سلاطین وقت نے ہمیشہ اس طلب کو ناکام بنانے کی کوشش کی، کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ دنیائے دل میں شیخ و برہمن اور تاج و تخت کا گزر نہیں ہو سکتا اور صاحب دل کسی چنگیز و اسکندر کا آلۂ کار نہیں بن سکتا۔

یورپ میں کاپرنیکی پہلا مفکر ہے، جس نے ۱۵۴۳ء میں انسان کو ایک روحانی حقیقت ثابت کرنے کی کوشش کی۔ کیپلر، گلیلیو، نیوٹن اور ڈارون نے بھی اس مسئلے پر کچھ نہ کچھ لکھا۔ انیسویں صدی میں اس موضوع کی طرف زیادہ توجہ ہونے لگی۔ چنانچہ ۱۸۷۴ء میں سر ولیم کرکس نے ایک کتاب (Research in the Phenomena of Spiritualism) کے نام سے شائع کی جسے بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ فرانس کے فزیالوجسٹ Richet نے اپنی

کتاب (Thirty Years of Physical Research) میں عالم روح و اثیر (Astral World) کے وجود کا اعلان کیا۔ سر ولیم بیرٹ نے (On the Threshold of the Unseen) لکھ کر لاتعداد لوگوں کو متاثر کیا۔

وائس ایڈمرل Usborne Moor نے غیبی آوازوں پر "The Voices" لکھی۔

امریکہ کے ایک وکیل ای۔ ای۔ رینڈل نے بائیس سال کی تلاش کے بعد اپنے مشاہدات و تجربات "The Dead have never died" میں منضبط کیے۔ اسی موضوع پر مسٹر F.W.H. Myers کی کتاب Human Personality and its Survival of Bodily Death سات سو صفحات کی ایک محققانہ تحریر ہے۔

کہتے ہیں کہ مصیبت میں خدا یاد آتا ہے۔ پچھلی دو عالمگیر جنگوں میں جو کچھ یورپ پہ بیتی اس سے آپ آگاہ ہیں۔ مرگ و تباہی کے ان زلزلوں اور اشک وخوں کے ان مہیب سیلابوں نے لاتعداد دلوں کو لرزا دیا اور دیکھتے ہی دیکھتے روح، جسم لطیف، دعا، کاسمک ورلڈ، حیات بعد الموت، تعلق باللہ، حقیقی مسرت اور دیگر متعلقہ مسائل پر سینکڑوں نہیں، بلکہ ہزاروں کتابیں نکل آئیں۔ یہ لکھنے والے وہم پرست عوام سے تعلق نہیں رکھتے تھے، بلکہ ان کی کثرت سائنس کے ڈاکٹروں، پروفیسروں اور فلسفیوں پر مشتمل تھی، مثلاً:

1. Mystic Gleams, by Dr. F. R. Wheeler Ph.D.
2. A Yogi in the Himalayas, by Dr. Paul Brunton, Ph.D.
3. Invisible World, by Dr. H. Corrington, Ph.D.
4. Exploring the Ultra Perceptive Faculty, by Dr. J. Hettiger, Ph.D.
5. Heaven Lies Within Us, by Dr. Theos Bernard,

Ph.D.

6. The Invisible Influence, by Dr. Alexander Canon, M.D. , D.P.M., Ph.D.

7. The Mystery of Death, by Dr. J. Oldfield, D.LItt,; D.E.L.

8. Invisible Helpers, by Rt. Rev. C. W. Leadbeater.

9. Variety or Religious Experience, by Prof. William James.

10. The Mind and its place in Nature, by Dr. Broad, M.A., D. Litt; Professor, Cambridge University.

11. Science and Personality, by Dr. William Brown, Ph.D., D.Sc., Professor, Oxford University.

اس فن کی بیشتر تصانیف لندن کا ایک ادارہ .Ride & Co شائع کر رہا ہے۔ اس ادارہ کی فہرست مطبوعات سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ وہاں کے علماء اور عوام روحانیت سے کتنی دلچسپی رکھتے ہیں۔ اسی ادارہ نے آرتھر فنڈ لے کی ایک کتاب "On the Edge of the Etheric." شائع کی تھی۔ جس کے پورے ستائیس ایڈیشن صرف سات ماہ میں نکل گئے۔ ہر ایڈیشن کئی کئی ہزار نسخوں پر مشتمل تھا۔ یورپ گزشتہ ڈیڑھ سو برس سے دنیا کو علوم وفنون کا درس دے رہا ہے، اور اب اس امر کے آثار پیدا ہو گئے ہیں کہ شاید روحانیت میں بھی مغرب دنیا کی رہنمائی کرنے لگے۔ اس وقت یورپ میں روحانی تجربات کے سلسلے میں بیسیوں تجربہ گاہیں (لیبارٹریز) موجود ہیں۔ جن میں بڑے بڑے صوفی، پروفیسر اور فلاسفہ مصروف کار ہیں۔ ان کی تحقیقات سے زندگی کے بہت سے پوشیدہ پہلو سامنے آ گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ آپ کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔

جسمِ لطیف

یہ حقیقت اب تسلیم کی جا چکی ہے کہ ہمارے اس جسم خاکی کے اندر ایک اور جسم داخل ہے جو بخاراتِ آبی سے زیادہ لطیف ہے۔ حقیقی انسان وہی ہے۔ یہ جسم خاکی فانی ہے اور وہ غیر فانی۔ جب ہم سو جاتے ہیں تو یہ جسم لطیف، خاکی جسم سے نکل کر ادھر ادھر گھومنے چلا جاتا ہے۔ یہ دونوں جسم ایک لطیف بندھن سے باہم بندھے ہوئے ہیں اور جب کسی حادثے یا بیماری سے یہ بندھن کٹ جاتا ہے تو موت واقع ہو جاتی ہے ورنہ نیند کے بعد جسم لطیف، جسم خاکی میں واپس آ جاتا ہے۔

اس حقیقت کو قرآن حکیم یوں بیان کرتا ہے:

اَللّٰہُ یَتَوَفَّی الْاَنْفُسَ حِیْنَ مَوْتِہَا وَالَّتِیْ لَمْ تَمُتْ فِیْ مَنَامِہَا فَیُمْسِکُ الَّتِیْ قَضٰی عَلَیْہَا الْمَوْتَ وَ یُرْسِلُ الْاُخْرٰیٓ اِلٰٓی اَجَلٍ مُّسَمًّی ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَ o

(الزمر: ب ۴۲)

ترجمہ: ''اللہ وہ ہے جو دو طرح روحوں کو قبض کرتا ہے، موت کے وقت اور نیند میں، وہ مرنے والوں کی روحوں کو اپنے ہاں روک لیتا ہے، لیکن باقی ارواح کو ایک خاص میعاد کے لیے ان کے اجسام میں دوبارہ بھیج دیتا ہے۔ اس حقیقت میں اہل فکر کے لیے کچھ اسباق موجود ہیں''۔

اسی روح کو اہل فن جسم لطیف یا آسٹرل باڈی کہتے ہیں۔ یہ مستقل اور غیر فانی ہے اور جسم خاکی اس کی عارضی قیام گاہ ہے۔

پادری لیڈ بیٹر لکھتا ہے:

"You are not your body. You inhabit your body. Bodies are mere shells which we cast aside like a suit

of clothing." (Invisible Helpers, p. 70)

ترجمہ: ''تم جسم نہیں ہو، یہ جسم تمہاری قیام گاہ ہے، اجسام محض خول ہیں، جنہیں ہم موت کے وقت یوں پرے پھینک دیتے ہیں جس طرح کہ کپڑے اتار دیے جائیں۔

ڈاکٹر الیکسز کیرل کا قول ہے:

"Man overflows and is greater than the organism which he inhabits."

ترجمہ: ''انسان اپنے جسم سے عظیم تر ایک چیز ہے اور اس پیمانۂ خاکی سے باہر چھلک رہا ہے''۔

اَورا

مغربی صوفیوں کا خیال ہے کہ انسان کے جسم سے مختلف رنگ کی شعاعیں نکلتی ہیں جو جسم کے اردگرد ایک ہالہ سا بناتی ہیں۔ یہ شعاعیں ہر آدمی خارج کرتا ہے خواہ وہ نیک ہو یا بد، فرق یہ ہے کہ نیک و بد کی شعاعوں کا رنگ حسبِ کردار مختلف ہوتا ہے۔ موت سے عین پہلے یہ اورا نیلگوں مائل بہ سیاہی ہو جاتا ہے۔ ایک اور نظریہ یہ ہے کہ ہر انسان اپنے اعمال کے مطابق ایک ماحول یا Atmosphere اپنے اردگرد بنالیتا ہے۔ بدکار کا ماحول دیوار کی طرح سخت ہوتا ہے جس سے نہ کوئی فریاد یا دعا باہر جا سکتی ہے اور نہ کاسمک ورلڈ کے عمدہ اثرات اندر آ سکتے ہیں۔ ایسا آدمی خفیہ طاقتوں کی امداد سے محروم ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ قرآن حکیم کے حجاب، غشاوہ (پردہ)، سد (دیوار)، اور غلف (غلاف) سے مراد یہی ماحول ہو۔ ڈاکٹر کرنگٹن کا خیال یہ ہے:

"Aura is an invisible magnetic radiation from the human body which either attracts or reples."

ترجمہ: ''اَورا وہ غیر مرئی مقناطیسی روشنی ہے جو انسانی جسم سے خارج ہوتی ہے۔ یہ یا تو دوسروں کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور یا پرے دھکیل دیتی ہے''۔

اس قسم کی شعاعوں سے انکار ناممکن ہے کیونکہ بعض افراد کی طرف کھنچنا اور بعض سے دور بھاگنا ہمارا روزانہ کا تجربہ ہے۔ یہ شعاعیں جسم خاکی اور جسم لطیف دونوں سے خارج ہوتی ہیں۔ نیک کردار لوگ پرسنلٹی یعنی جسم لطیف کی شعاعوں سے دنیا کو کھینچتے ہیں اور دنیا عقیدت، ایمان اور تعظیم کے تحائف لے کر ان کے ہاں جاتی ہے۔ دوسری طرف جسمانی شعاعیں بعض سفلی جذبات میں تو ہیجان پیدا کر سکتی ہیں لیکن اس سے زیادہ کچھ نہیں کر سکتیں۔

کاسمک ورلڈ

کاسمک ورلڈ سے مراد ایتھر یا اثیر ہے۔ روحیں اسی دنیا سے آئی اور واپس جاتی ہیں، جن اور فرشتے یہیں رہتے ہیں۔ اس کے تین طبقے بتائے جاتے ہیں۔ نچلے طبقے میں گناہ گار اپنے اعمال کی سزا بھگت رہے ہیں۔ دوسرے طبقے میں متوسط درجے کے اچھے لوگ آباد ہیں۔ تیسرے طبقے میں بلند مرتبہ فلاسفہ، اولیا اور انبیاء رہتے ہیں۔

فلسفۂ دُعا و عبادت

دعا و عبادت کی حقیقت کو سمجھنے کے لیے دو چیزوں کی تشریح ضروری ہے۔

اول: الفاظ:

ماہرین روحانیت کے ہاں ہر حرف کا ایک خاص رنگ اور اس میں ایک خاص طاقت ہوتی ہے۔ غیب بینوں (Clairvoyants) نے حروف کو لکھ کر "تیسری آنکھ" سے دیکھا تو انہیں الف کا رنگ سرخ، ب کا نیلا، د کا سبز، اور س کا رنگ زرد نظر آیا۔ پھر ان کے اثرات کا جائزہ لیا تو بعض الفاظ کے پڑھنے سے بیماریاں جاتی رہیں۔ بعض سے بچھو کے ڈنک کی تکلیف غائب ہو گئی اور بعض سے سانپ تک پکڑ لیے گئے۔ اولیا و انبیاء کی روحانی قوت بہت زیادہ ہوتی ہے۔ ان کے کلمات میں حیرت انگیز طاقت پائی جاتی ہے، اتنی طاقت کہ ایک صاحب دل ان سے خطرناک امراض و آلام تک دور کر سکتا ہے۔ آسمانوں میں خدا کے بعد سب سے بڑی طاقت حضرت جبریل علیہ السلام ہیں۔ وحی جبریل کا کلام ہے اور اسی لیے صحائف الہامی کا ہر لفظ قوت کا ایک خزانہ ہوتا

ہے، یوں کہہ لیجیے کہ الہامی الفاظ Highly energised ہیں۔

تعویذ کی طاقت کا راز بھی یہی ہے۔

پادری لیڈ بیٹر لکھتا ہے:

"A talisman or an amulet strongly charged with magnetism for a particular purpose by some one who possesses strong magnetic power may be of invaluable help."

ترجمہ: ''ایک تعویذ یا ٹوٹکہ، جس میں کوئی زبردست مقناطیسی شخصیت کسی خاص مقصد کے لیے مقناطیسی طاقت بھر دے، بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔''

پادری لیڈ بیٹر یورپ کے مشہور صوفیا میں سے تھے۔ ان کی وفات غالباً ۱۹۳۵ء میں ہوئی۔ یہ جسم لطیف میں دور دور تک پرواز کرتے اور مخفی اشیاء کو دیکھ سکتے تھے، وہ اپنی کتاب The Masters and the Path میں لکھتے ہیں:

"Each word as it is uttered makes a little form in etheric matter. The world "hate", for instance, produces a horrible form, so much so, that having seen its shape I never use the word. When I saw the form it gave me a feeling of acute discomfort." (p. 136).

ترجمہ: ''ہر لفظ ایتھر میں ایک خاص شکل اختیار کر لیتا ہے مثلاً لفظ ''نفرت'' اس قدر بھیانک صورت میں بدل جاتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے یہ صورت دیکھ لی، اور اس کے بعد مجھے یہ لفظ استعمال کرنے کی کبھی جرأت نہ ہوئی۔ اس منظر سے مجھے انتہائی ذہنی کوفت ہوئی تھی۔

اس کتاب میں اسی قسم کے دو اور واقعات بھی درج ہیں:

۱۔ ایک محفل میں چند احباب گفتگو میں مصروف تھے اور میں ذرا دور بیٹھ کر ان کے اجسام لطیفہ کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ ایک نے کسی بات پر زور سے قہقہہ لگایا، ساتھ ہی کوئی پھبتی کس دی اور معاً اس کے جسم لطیف پر گہرے نسواری رنگ کا ایک ایسا جالا تن گیا، جسے دیکھ کرانتہائی کراہت پیدا ہوئی۔

۲۔ پادری لیڈ بیٹر نے ایک آدمی کے جسم لطیف پر بے شمار پھوڑے اور ناسور دیکھے جن سے پیپ کے چشمے رواں تھے۔ پادری اس آدمی کو اپنے ہاں لے گیا۔ زبور کی چند آیات اسے پڑھنے کو دیں اور تقریباً دو ماہ کے بعد اس کا جسم لطیف بالکل صاف ہو گیا۔

الہامی الفاظ اور اسمائے الٰہی میں اتنی طاقت ہے کہ ان کے ورد سے ہماری پریشانیاں اور بیماریاں دور ہو جاتی ہیں۔ مسلمان اس لحاظ سے خوش قسمت ہیں کہ ان کے پاس اللہ کے ننانوے صفاتی نام، مثلاً رحیم، کریم، غفور، خبیر وغیرہ موجود ہیں، جنہیں حسب حاجت پکارا جا سکتا ہے۔ لیکن یہ سہولت دیگر مذاہب میں موجود نہیں۔ عیسائیوں کے پاس صرف ''گاڈ'' ہے اور ہندوؤں کے پاس صرف ''اوم''۔۔۔ الفاظ کی یہ طاقت اصل حروف میں ہوتی ہے۔ اگر کسی لفظ کا ترجمہ کر دیا جائے تو وہ بات نہیں رہتی اور اثر بدل جاتا ہے۔ جو طاقت ''یا رحیم'' میں ہے وہ ''یا مہربان'' میں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ میں ذاتی طور پر نماز کو اردو میں پڑھنے کے خلاف ہوں کیونکہ قوت کا جو خزانہ الہامی الفاظ اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجویز کردہ دعاؤں میں ہے، وہ ہمارے الفاظ میں نہیں ہو سکتا۔

ہر لفظ ایک یونٹ یا ایٹم ہے جسے اندرونی جذبات کی بجلیاں برقاتی ہیں اور اس کے اثرات اس عالم خاکی اور عالم لطیف (کاسمک یا آسٹرل ورلڈ) دونوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ اس کی ہلکی سی ایک مثال گالی ہے۔ گالی کسی تلوار یا توپ کا نام نہیں بلکہ یہ چند الفاظ کا مجموعہ ہے لیکن منہ سے نکلتے ہی مخاطب کے تن بدن میں آگ لگا دیتی ہے، یہ آگ کہاں سے آتی ہے؟ الفاظ کے اس مجموعہ سے۔

اس کی ایک اور مثال وہ کراہ یا چیخ ہے، جو کسی دکھیا کے منہ سے نکل کر، تمام ماحول کو بے چین کر دیتی ہے، یا وہ تقریر ہے جو کوئی آتش بیان جرنیل، بے ہمت فوج کے سامنے جھاڑتا ہے اور ہر سپاہی میں اس قدر آگ بھر دیتا ہے کہ وہ موت کے سیلابوں اور طوفانوں سے بھی نہیں بجھ سکتی۔

بائبل میں درج ہے:

"By the World of the Lord were the heavens made."

ترجمہ: ''خدا کے ایک لفظ سے آسمان پیدا ہوئے''۔

بائبل میں آغازِ آفرینش کا بیان یوں درج ہے:

''شروع میں اللہ نے زمین و آسمان پیدا کیے، اس وقت زمین ویران اور سنسان تھی، سمندروں پہ اندھیرا چھایا ہوا تھا اور اللہ کا تخت پانیوں پر تیر رہا تھا، پھر

"God said let there be light and there was light."

خدا نے کہا کہ اجالا ہو جائے اور فوراً اجالا ہو گیا''۔ (پیدائش ۱:۳)

تو یہ تھے اللہ کے وہ الفاظ جن سے کروڑوں آفتاب و ماہتاب وجود میں آئے اور کائنات کے در و دیوار تجلیوں سے چمک اٹھے۔

دوم: امواجِ اثیر

فلسفۂ عبادت کے سلسلے میں دوسری توضیح طلب چیز ''کاسمک وائبریشنز'' یا امواجِ اثیر ہیں۔ اب یہ بات ایک سائنسی حقیقت بن چکی ہے کہ ایتھر ایک نہایت حساس چیز ہے جس میں نہ صرف بجلیوں کی کڑک، طیارے کی پرواز اور ٹرین کی حرکت ہی سے لہریں اٹھتی ہیں۔ بلکہ ایک ہلکی سی آواز اور تارِ رباب کی جنبش سے بھی وہاں ہیجان پیدا ہو جاتا ہے۔ ماہرین روح کی تازہ تحقیق یہ ہے کہ آواز تو رہی ایک طرف، وہاں ارادہ و خیال سے بھی لہریں اٹھنے لگتی ہیں۔ کاسمک ورلڈ میں تین قسم کی مخلوق آباد ہے۔ جن، فرشتے اور مرے ہوئے لوگوں کے اجسام لطیفہ۔ اس مخلوق اور

ساکنانِ زمین کے درمیان نامہ و پیام یا مدد امداد کا سلسلہ ان کا سمک وائبریشنز کی وساطت سے ہوتا ہے۔ ہم جب کسی مصیبت میں مبتلا ہونے کے بعد نیاز و گداز میں ڈوب کر دُعا کے لیے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو ہمارے اندرونی جذبات کی قوت (ایموشنل انرجی) کا سمک ورلڈ میں زبردست لہریں پیدا کرتی ہے۔ جب یہ لہریں فیض رساں طاقتوں سے ٹکراتی ہیں تو انہیں بے چین کر دیتی ہیں، وہ یا تو خود ہماری مدد کو دوڑتی اور راستے کی ہر رکاوٹ کو ہٹاتی ہیں اور یا خیال کی کوئی لہر وہاں سے چھوڑتی ہیں۔ جو ہمارے دماغ سے ٹکرا کر ایک ایسی تجویز کی شکل اختیار کر لیتی ہے، جس پر عمل پیرا ہونے سے ہماری تکلیف دور ہو جاتی ہے۔

یہ یاد رہے کہ بعض امراض و مصائب ہماری بدکاری کا نتیجہ ہیں جن سے چھٹکارا صرف اسی صورت میں ممکن ہے کہ پہلے ہم گناہ کو چھوڑیں اور اس کے بعد مخفی طاقتوں کو آواز دیں۔ یہ طاقتیں اللہ کی اجازت کے بغیر حرکت میں نہیں آتیں۔ گناہ اللہ سے بغاوت ہے اور ایک باغی کو جب تک کہ وہ باغی ہے اللہ سے رحم کی امید نہیں رکھنی چاہیے۔

دُعا کے متعلق چند یورپی صوفیوں کے اقوال ملاحظہ ہوں:

۱۔ لیڈ بیٹر لکھتا ہے:

"Prayer is a great outpouring of force in higher Plane, a great mental and emotional effort; and in a world which is governed by law, there can be no effort made which does not produce some kind of results, because action and reaction are inextricably woven together."

(Invisible Helpers, p. 4)

ترجمہ: ''دُعا کیا ہے؟ کا سمک ورلڈ میں قوت کے خزانوں کا منہ کھول دینا، یہ ایک زبردست ذہنی و جذباتی جدوجہد ہے اور اس دنیا میں، جو ایک نظام

کے تحت چل رہی ہے، ہر کوشش کا کوئی نہ کوئی صلہ ہوتا ہے، یہاں نتائج اعمال سے یوں بندھے ہوئے ہیں کہ انہیں جدا کرنا ممکن نہیں"۔

یہی صوفی ایک اور مقام پر کہتا ہے:

"Any strong thought of devotion brings an instant response. The universe would be dead if it did not.... The appeal and the answer are like the obverse and the reverse of a coin. The answer is only the other side of the requst, just as effect is the other side of the cause." (The Master and the Path, p. 231)

ترجمہ: "گداز میں ڈوبی ہوئی ہر آواز کا جواب فوراً آتا ہے، اگر ایسا نہ ہوتو لوگ کائنات کو مُردہ سمجھنے لگیں۔ دُعا اور قبولیت ایک سکے کے دو رخ ہیں، قبولیت اسی طرح دُعا کا دوسرا رخ ہے جس طرح نتیجہ سبب کا۔

R. W. Trine کا قول ہے:

"Every thought is a froce that goes out and comes back laden with its kind." (In Tune with the Infinite, p. 81)

ترجمہ: "ہر خیال ایک لہر ہے جو دماغ سے نکلنے کے بعد موزوں صلہ لے کر واپس آتی ہے"۔

قبولیت دُعا کے لیے دو چیزوں کا ہونا ضروری ہے:

۱۔ اگر تکلیف گناہ کا نتیجہ ہو، تو اعتراف گناہ اور توبہ۔

۲۔ نیاز، گداز اور اضطراب، کہ دُعا انہی شہپروں سے عالم بالا کی مسافتوں کو طے کرتی ہے۔ اگر موٹر میں تیل نہ ہو تو وہ چلے گی کیا۔ اگر دُعا کے ساتھ گداز و اضطراب کی

طاقت شامل نہ ہو تو وہ اڑے گی کیسے! اللہ نے قرآن میں اسی دُعا کو قبول کرنے کا وعدہ کیا ہے جس کے ساتھ اضطراب شامل ہو:

اَمَّنْ یُّجِیْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ (نمل۔ ۶۲)

ترجمہ: "(ہمارے سوا) وہ کون ہے جو بے قرار کی پکار کا جواب دے"!

کسی دانا کا مقولہ ہے کہ کائنات کی طاقتوں کو مسخر کرنے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ ان کے سامنے جھک جاؤ اور ان کے ہر اشارے کی تعمیل کرو:

By yielding to Nature we conquer it.

جادو اور عبادت

آغاز میں انسان بعض ریاضتوں سے قوتِ ارادی کو مضبوط بنا کر چند مخفی طاقتوں کو قابو میں کر لیتا تھا اور الہ دین کی طرح قوی ارادہ کے چراغ سے کسی جن کو اپنا خدمت گار بنا لیتا تھا۔ ارادے کو یوں مضبوط کر کے مخفی طاقتوں کو جھکانا ہر کہ ومہ کا کام نہیں تھا۔ اس لیے مجبوراً انسان خود ان طاقتوں کے سامنے جھک گیا اور گڑگڑا کر ان سے مرادیں مانگنے لگا۔ اسی گڑگڑاہٹ کا نام عبادت ہے۔

خیالات کا اثر جسم پر

ہم عرض کر چکے ہیں کہ ہر لفظ توانائی کا ایک یونٹ ہے، ہمارا ہر جملہ قوت کا ایک ذخیرہ لیے ہمارے منہ سے نکلتا اور دوسروں کو متاثر کرتا ہے۔ ہماری داد ایک شاعر کے چہرے کو چمکا دیتی ہے۔ ہماری شاباش سے ایک طالب علم کا حوصلہ بلند ہو جاتا ہے۔ جب ہم ایک بیمار کے سرہانے بیٹھ کر چند کلمات تسکین کہتے ہیں تو اسے افاقہ سا محسوس ہونے لگتا ہے اور بعض اوقات ایک مریض بول اٹھتا ہے:

"آپ کے آنے سے میری تکلیف کم ہو گئی ہے"۔

الفاظ خیالات کی تصویریں ہیں اور خیالات وہ لہریں ہیں جو دماغ سے اٹھتی ہیں۔ ان

لہروں کی دو قسمیں ہیں:

ایک وہ جو خوف، ناامید، بے ہمتی، غصہ، حسد، جلن، انتقام، بےچینی اور سراسیمگی پیدا کرتی ہیں۔

دوسری وہ جن سے محبت، رحم، فیاضی، سخاوت، شجاعت، نیکی اور تقویٰ کے اثرات مترتب ہوتے ہیں۔

جب کوئی آدمی خیانت یا چوری کرتا ہے، رشوت لیتا یا ناونوش میں پڑ جاتا ہے، تو دماغ ایسی لہریں خارج کرتا ہے جو خوف اور بےچینی میں تبدیل ہو جاتی ہیں اور کتنے ہی ایسے امراض ہیں جو بےچینی سے پیدا ہوتے ہیں۔ بعض اوقات شدید بےچینی دیوانگی یا موت کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔

مسٹر آر۔ ڈبلیو ٹرائن نے ایک عورت کی کہانی درج کی ہے کہ کسی بات پر اسے اتنا غصہ آیا کہ اس کے دودھ میں زہر بھر گیا اور اس کا دودھ پیتا بچہ مر گیا۔

ایک امریکی ڈاکٹر کا نظریہ یہ ہے کہ بیماری پہلے جسم لطیف کو لگتی ہے اور پھر جسم خاکی میں منتقل ہو جاتی ہے۔

چنانچہ وہ لکھتا ہے:

"The mind is the natural protector of the body. Vice of all sorts produces leprosy and other diseases in the astral body (soul) which reproduces them in the physical body. Anger changes the chemical properties of the saliva to a poison dangerous to life. Sudden and violent emontions not only weaken the heart but sometimes cause insanity and death." (In Tune with the Infinite, p. 39)

ترجمہ: ''دماغ جسم کا فطری محافظ ہے۔ ہر قسم کا گناہ جسم لطیف میں برص اور دیگر امراض پیدا کرتا ہے اور پھر یہی امراض جسم خاکی میں منتقل ہو جاتے ہیں۔ غصے سے تھوک کے اجزائے ترکیبی ایک خطرناک زہر میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔ فوری اور شدید اشتعال سے نہ صرف دل کمزور ہو جاتا ہے بلکہ دیوانگی اور موت تک کا خطرہ ہو سکتا ہے''۔

میرے ایک شناسا مشرقی پاکستان کے مشہور جنگل سندر بن میں شکار کھیل رہے تھے کہ اچانک سامنے سے شیر آ گیا، یہ بے ہوش ہو کر گر پڑے اور شیر واپس چلا گیا۔ ہوش آنے کے بعد اٹھے اور گرتے پڑتے اپنے خیمے تک پہنچے اور دوسری صبح آئینہ میں نگاہ ڈالی تو کیا دیکھتے ہیں کہ سر کے تمام بال سفید ہو چکے ہیں۔

یہ ہے اثر جذبات کا جسم پر۔

دوسری طرف محبت، رحم، مروت، خوش خلقی، اللہ کی عبادت، گداز اور نیاز سے جسم میں ایسی رطوبتیں پیدا ہوتی ہیں جو بیماری کے اثر کو زائل کر دیتی ہیں۔ یہ کہانی اسی امریکی ڈاکٹر کی زبانی سنیئے:

"On the other hand love, good-will, benevolence and kindliness tend to stimulate a healthy, purifying and life-giving flow fo bodily secretions, and these froces set into a bounding activity will counteract the disease-giving of the vices."

ترجمہ: ''دوسری طرف محبت، نیک نیتی، مروت اور ہمدردی سے ایسی صحت بخش، پاک ساز اور حیات افروز رطوبتیں پیدا ہوتی ہیں، جو گناہ کے بیمار کن اثرات کو زائل کر دیتی ہیں''۔

حضرت مسیح علیہ السلام خیر و شر کے اثرات سے پوری طرح باخبر تھے۔ انہیں یقین تھا

کہ بیماری گناہ کا نتیجہ ہے۔ چنانچہ جب کوئی مریض ان کے ہاں آتا، تو پہلا سوال یہ ہوتا:

"Do you believe?"

ترجمہ: ''کیا تم مجھے اور میرے پیغام کو مانتے ہو؟''

اور علاج یہ بتاتے:

"Go and sin no more."

ترجمہ: ''جاؤ اور آئندہ گناہ سے بچو''۔

ایک فلسفی کا قول ہے:

"Suffering is designed to continue only so long as sin continues. The moment the violation ceases, the cause of the suffering is gone."

ترجمہ: ''دکھ اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک گناہ باقی رہے۔ گناہ کو چھوڑتے ہی دکھ کا سلسلہ ختم ہو جاتا ہے''۔

یہ ممکن ہے کہ گزشتہ گناہوں کا اثر کچھ دیر تک باقی رہے۔ لیکن تائب ہوتے ہی صحت و مسرت کا عمل شروع ہو جاتا ہے۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"My words are life to them that find them and health to all their flesh."

ترجمہ: ''میرا پیغام میرے ماننے والوں کو زندگی دے گا اور ان کے اجسام کو صحت بخشے گا۔

قرآن حکیم میں مذکور ہے:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ. (انعام۔ ۸۲)

ترجمہ: ''وہ ایمان دار جو اپنے ایمان میں گناہ کو داخل نہیں ہونے دیتے وہ امن وسکون اور ہدایت کی نعمت سے بہرہ ور ہوں گے''۔

گیتا میں لکھا ہے:

''جو شخص حواس اور عقل کو ضبط میں لانے کے بعد خواہشات کو ترک کر دیتا ہے، وہ تمام دکھوں سے رہائی پالیتا ہے''۔ (گیتا ۲۸/۵)

مہاتما بدھ کا اشاد ہے:

''تندرستی نیکی کا نام ہے، جب لالچ، نفرت اور فریب کی آگ بجھ جاتی ہے تو مکمل چین اور سکون (نروان) مل جاتا ہے''۔ (بدھ مت)

دماغ خالق ہے

دماغ صرف صحت ومرض اور مسرت والم ہی کا خالق نہیں بلکہ وہ ہر چیز کا خالق ہے، یہ مصوری کے شاہکار، بت تراشی کے عمدہ نمونے، یہ اشعار اور یہ عمارت وہ لہریں ہیں جو پہلے دماغ میں پیدا ہوئیں، اور پھر انہوں نے کہیں نغمہ، کہیں حسن، کہیں اہرام مصر اور کہیں تاج محل کی صورت اختیار کر لی۔ یہ کائنات تخیل کی ایک لہر ہے، جو کبھی خالق کے دماغ میں پیدا ہوئی تھی، ذہنی تصورات اصل ہیں اور مادی اشیا ان کی نقل۔ حقائق کے قلعے پہلے دماغ میں اور پھر زمین پر تعمیر ہوتے ہیں۔ کائنات میں لاتعداد دماغ موجود ہیں، جن سے نکلی ہوئی لہریں ہر طرف رواں دواں ہیں۔ یہ ہر دماغ سے ٹکراتی اور اس پر اثر انداز ہوتی ہیں۔ دنیا میں کروڑوں ایسے آدمی موجود ہیں جو تمام نسل انسانی کی نجات وفلاح کے لیے دُعائیں مانگتے رہتے ہیں اور کچھ ایسے بھی ہیں جو گناہ کے عادی ہیں اور ہر شخص کو اپنے جیسا دیکھنا چاہتے ہیں۔ ان دونوں طبقوں کی چھوڑی ہوئی ''ایموشنل انرجی'' اپنا کام کر رہی ہے اور لوگ جوق در جوق گناہ وصواب کی راہوں پر بڑھے جارہے ہیں۔

اثراتِ اثیر

''کاسمک ورلڈ'' یعنی اثیر میں خیر وشر ہر دو کی طاقتیں موجود ہیں۔ اللہ کے سامنے جھک

جانے کے بعد ہمارا رشتہ قوائے خیر سے قائم ہو جاتا ہے اور بدی ہمیں شیطان سے منسلک کر دیتی ہے۔ یہ طاقتیں اپنے اثرات، اثیری لہروں یعنی "کاسمک وائبریشنز" کی وساطت سے ہم تک پہنچاتی ہیں۔ شیاطین کی بھیجی ہوئی لہریں بُری خواہشات' افکار اور تباہ کن تجاویز کی شکل اختیار کر لیتی ہیں اور دوسری قسم کی لہریں نیک ارادوں، عمدہ تجویزوں، بلند خواہشات اور اعلیٰ جذبات میں بدل جاتی ہیں۔ ہر نئی تجویز "کاسمک ریجن" سے آتی ہے۔ اگر صاحب تجویز اللہ کا نیک بندہ ہو تو تجویز کا منبع کوئی فرشتہ ہوتا ہے اور اس کا نتیجہ ہمیشہ عمدہ ہوتا ہے۔ اگر تجویز شیاطین کی طرف سے ہو تو اس کا انجام ہمیشہ برا ہوگا۔ اس نظریہ کی تصدیق قرآن سے یوں ہوتی ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا وَاَبْشِرُوْا بِالْجَنَّةِ الَّتِيْ كُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ ○ نَحْنُ اَوْلِيٰٓؤُكُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَفِي الْاٰخِرَةِ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَدَّعُوْنَ ○ (حٰم سجدہ۔ ۳۰)

ترجمہ: "جو لوگ اللہ کو اپنا آقا تسلیم کرنے کے بعد اس راہ پر جم جاتے ہیں۔ ان پر فرشتے اترتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ڈرو مت، نہ غم کھاؤ اور اپنی موجودہ جنت کے حصول پر خوشیاں مناؤ ہم اس زندگی، نیز اگلی میں تمہارے دوست رہیں گے اور جو چاہو گے وہاں مل جائے گا"۔

هَلْ اُنَبِّئُكُمْ عَلٰى مَنْ تَنَزَّلُ الشَّيٰطِيْنُ ○ تَنَزَّلُ عَلٰى كُلِّ اَفَّاكٍ اَثِيْمٍ ○ يُّلْقُوْنَ السَّمْعَ وَاَكْثَرُهُمْ كٰذِبُوْنَ ○

(شعراء: ۲۲۱۔ ۲۲۳)

ترجمہ: "کیا میں تمہیں بتاؤں کہ شیاطین کن لوگوں پر اترتے ہیں؟ یہ ہر جھوٹے اور بدکار انسان پر نازل ہوتے ہیں۔ فرشتوں سے کوئی سنی سنائی

بات انہیں بتا دیتے ہیں اور ان کی بیشتر باتیں جھوٹی ہوتی ہیں“۔

اَلشَّیْطٰنُ یَعِدُکُمُ الْفَقْرَ وَ یَاْمُرُکُمْ بِالْفَحْشَآءِ۔ (بقرہ۔ ۲۶۸)

ترجمہ: ”شیطان تم کو (جب اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کا وقت آئے تو) تنگدستی سے ڈراتا اور برے کام کرنے کا حکم دیتا ہے“۔

شیاطین کی یہ ترغیب بدکاری اور فرشتوں کی وہ حوصلہ افزائی ”کاسمک وائبریشنز“ کے ذریعے ہوتی ہے۔

خواہشات کا چکر

یہ بات بارہا ہمارے تجربے میں آئی ہے کہ کبھی کسی چیز کا شوق بڑھ جاتا ہے اور کبھی گھٹ جاتا ہے، ایک نمازی کو اس نشیب و فراز سے بارہا واسطہ پڑتا ہے کہ کبھی تو وہ رات کے تہجد تک قضا نہیں کرتا اور کبھی فجر کی دو رکعتیں بھی اسے گراں گزرتی ہیں۔ اس شوق و بدشوقی کا تعلق اثیری لہروں سے ہے۔ کاسمک ورلڈ میں شیاطین و ملائکہ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کے لیے سدا مصروف عمل رہتے ہیں اور ہر طاقت کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ وہ دوسری طاقت کے پیروکاروں کو زیادہ سے زیادہ تعداد میں ورغلائے، اور اس مقصد کے لیے دونوں طاقتیں لہروں کا ایک سلسلہ زمین کی طرف بھیجتی رہتی ہیں۔ جب کوئی شخص اللہ کی طرف چلا جاتا ہے تو شیاطین زیادہ طاقت ور لہریں چھوڑتے ہیں، جن سے اس آدمی کا شوق عبادت کم ہو جاتا ہے۔ اس پر فرشتوں کی صف میں بے چینی سی پھیل جاتی ہے، چنانچہ وہ اپنی لہروں میں زیادہ توانائی بھر دیتے ہیں جس سے اس آدمی کے شوق کی آگ دوبارہ بھڑک اٹھتی ہے، اور یہ سلسلہ زندگی بھر جاری رہتا ہے۔

قوت شکل بدلتی ہے

سائنس کا یہ مسلمہ نظریہ ہے کہ ایک ”انرجی“ یعنی طاقت، دوسری انرجی میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ روشنی گرمی میں اور گرمی حرکت میں بدل جاتی ہے۔ ایتھر کی لہریں بھی طاقت سے لبریز ہوتی ہیں۔ یہ طاقت مختلف شکلیں اختیار کرتی ہے، کبھی محبت کا روپ دھار لیتی ہے اور کبھی نفرت کا،

کبھی شوق اور کبھی بے شوقی کا، کبھی شاعرانہ تخیل اور کبھی کسی عمدہ تجویز کا۔

انبیاء انتہا درجے کے حساس ہوتے ہیں، ان کے دماغ میں کوئی ایسا والو لگا ہوتا ہے کہ وہاں پہنچ کر یہ لہریں الفاظ میں تبدیل ہو جاتی ہیں۔

یہی لہریں جب پھول تک پہنچتی ہیں، تو خوشبو میں بدل جاتی ہیں۔ یہ خوشبو پھول کا پیغام یا گیت ہے، جسے ہم آج نہیں سمجھ سکتے، لیکن ممکن ہے کہ انسان آئندہ کوئی ایسا آلہ ایجاد کر لے جو خوشبو کو گیت میں اور نغمۂ بلبل کو بوئے گل میں بدل سکے۔ بو کے لحاظ سے پھولوں کی دو ہی قسمیں ہیں، ایک وہ جن سے خوشبو نکلتی ہے اور دوسرے بدبودار۔ خوشبو کی لہریں کیف و سرور پیدا کرتی ہیں اور بدبو سے طبیعت منغض ہو جاتی ہے۔

انسان بھی پھولوں کی طرح ہیں، بعض سے محبت، رحم اور گداز کی ایسی خوشبو نکلتی ہے کہ سارا ماحول مہک اٹھتا ہے اور بعض کے کردار سے وہ گھن آتی ہے کہ دماغ چکرا جاتا ہے۔

ڈاکٹر الیگزینڈر کانن لکھتا ہے:

"Like the earth, man also has magnetic vibrations which porduce different impressions in different cases. The vibrations thrown out by a person having purity in thoughts and actions will produce the effect of love and affection. This explains why certain persons are loved and others are despised."

(Invisible Influence).

ترجمہ: ''زمین کی طرح انسان کی ہستی سے بھی مقناطیسی لہریں خارج ہوتی ہیں، جن کا اثر مختلف حالات میں مختلف ہوتا ہے۔ اگر یہ لہریں ایک ایسے آدمی سے نکلیں جس کے اعمال و خیالات میں پاکیزگی ہے تو وہ دوسروں میں محبت پیدا کریں گے۔ یہ مسئلہ کہ لوگ بعض آدمیوں سے محبت یا نفرت

کیوں کرتے ہیں، یہیں سے حل ہو جاتا ہے''۔

علمائے روحانیت لکھتے ہیں کہ جب کوئی بلند روح کہیں نازل ہوتی ہے تو ماحول خوشبو سے مہک اٹھتا ہے۔ ایک عبادت گزار کو اس قسم کے تجربے کبھی نہ کبھی ہوتے رہتے ہیں۔ صحیح احادیث میں وارد ہے کہ جب حضور ﷺ پر روح القدس کا نزول ہوتا تھا تو ہر سو خوشبو پھیل جاتی تھی۔ یہ مقدس روح ایسی لہریں خارج کرتی تھی، جن میں سے بعض الفاظ میں اور بعض مہک میں تبدیل ہو جاتی تھیں۔

ہر شے سے لہریں نکلتی ہیں

یہ لہریں کائنات کی ہر شے سے نکلتی اور مختلف اثرات پیدا کرتی ہیں۔ جب گرمیوں میں بادل چھا جائیں اور بوندیں برسنے لگیں تو ہر شخص کے دماغ میں یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کچھ آم لے کر دریا کو نکل جائے۔ یہ خیال کہاں سے آیا؟ گھٹاؤں کی خارج کردہ لہریں اس خیال میں تبدیل ہو گئیں۔ چاندنی رات رومان خیز، اور فصل بہار جنون انگیز ہوتی ہے، کچھ ایسے اثرات بھی ہیں جو مہ و انجم کی دنیا سے آتے ہیں۔ پہلے زمانے میں منجم بادشاہوں کے ہر اقدام کے لیے زائچے بناتے تھے۔ آج تبت میں یہ فن ایک سائنس بن چکا ہے۔ یہ لوگ کسی بچے کی پیدائش پر مختلف ستاروں کا مقام و اثر معین کرنے کے بعد ایسی جنم پتری تیار کرتے ہیں، جس کے بیشتر واقعات صحیح ہوتے ہیں۔

ایک عجیب پیش گوئی

۱۹۴۱ء کا ذکر ہے کہ گورنمنٹ کالج کیمبل پور کا سارا اسٹاف دریائے اٹک پر پکنک منا رہا تھا۔ حساب کے ایک پروفیسر مسٹر ہانڈا جوتش میں بڑی مہارت رکھتے تھے، میں اور وہ ریت پر لیٹے ہوئے تھے کہ پاس سے سنسکرت کے پروفیسر گزرے۔ ہانڈا کہنے لگا کہ آج ان کے ہاں بچی پیدا ہوئی ہے، اگر اس کی پیدائش کا صحیح وقت معلوم ہو جائے تو ابھی جنم پتری بنا ڈالوں۔ میں نے پنڈت جی کو آواز دی اور وقت پوچھ لیا۔ اس کے بعد ہانڈا نے ریت پہ زائچہ کھینچا اور میرے کان

میں کہنے لگا:

''بچی بڑی منحوس ہے، آج سورج غروب ہونے سے پہلے پنڈت جی کی بیوی مرجائے گی''۔

مجھے اس پیش گوئی سے بڑی دلچسپی پیدا ہوگئی۔ دریا سے شام کے تین بجے لوٹے۔ سیدھا پنڈت جی کے گھر پہنچا۔ وہاں ہر طرح سے خیریت تھی۔ ساڑھے چار بجے دوبارہ پتہ کیا، پھر بھی خیریت نکلی۔ پانچ بجنے کو تھے کہ کالج کا چپڑاسی یہ اطلاع لے کر آیا کہ پنڈت جی کی بیوی فوت ہوگئی ہے۔

واقعہ یوں ہوا کہ:

وہ پانی کا لوٹا لے کر چھت پر چڑھ رہی تھی کہ آخری سیڑھی پر چکرا آ گیا۔ سر کے بل فرش پر گری اور چند لمحوں میں ختم ہوگئی۔

ارادہ

ہپناٹزم کے ماہرین، عمل کے لیے ایک موزوں لڑکی کا انتخاب کرتے ہیں اور اس پر کچھ اس طرح کی لہریں ڈالتے ہیں کہ وہ نیم خوابی کی حالت میں چلی جاتی ہے اور اس پر اپنا ارادہ یوں مسلط کر دیتے ہیں کہ وہ بے اختیار وہی کچھ کرتی اور کہتی ہے جو یہ چاہتے ہیں۔ اگر ایک عامل اپنے معمول کو حکم دے دے کہ بیدار ہونے کے بعد شام کے تین بجے تم نے بجلی کا بلب جلانا ہے تو ٹھیک تین بجے بجلی جلانے کا زبردست ارادہ اس کے دماغ میں خود بخود پیدا ہو جائے گا۔

Suggestion کی یہ ادنیٰ سی مثال ہے۔

اس سلسلے میں ''کا سمک ریجن'' کی مہیب طاقتیں انسانی دماغوں کو کس حد تک متاثر کرتی ہوں گی، خود ہی اندازہ فرمالیجیے۔

رحم کا جواب رحم

جب ہم کسی دکھیا کی مدد کرتے ہیں تو اس کے دل سے ایسی دعائیں نکلتی ہیں جن میں

''ایموشنل انرجی'' کی بجلی بھری ہوئی ہوتی ہے۔ یہ بجلی اثیر میں لہریں اٹھاتی ہے جو ملکوتی طاقتوں سے جاٹکراتی ہیں، جواباً یہ طاقتیں ایسی لہریں چھوڑتی ہیں جو ہر دل میں رحم کرنے والے کے متعلق جذباتِ رحم ومحبت بھر دیتی ہیں۔ اسی قانون کے تحت ظالم ظلم کا شکار بنتا ہے۔

ٹرائن لکھتا ہے:

"Give the world the best you have and the best will come back to you."

ترجمہ: ''دنیا کو بہترین چیز دو، اور جواباً تمہیں بہترین چیز ملے گی''۔

کسی اور دانشور کا مقولہ ہے:

"Those who live by hate die by hate and those who live by sword die by sowrd."

ترجمہ: ''جو لوگ زندگی کی بنیاد نفرت پر رکھتے ہیں وہ نفرت ہی سے ہلاک ہوتے ہیں، اسی طرح تلوار کے زور سے زندگی بسر کرنے والے تلوار ہی سے مرتے ہیں''۔

حضرت مسیح علیہ السلام کا ارشاد ہے:

"Do good to those who hate you."

ترجمہ: ''جو لوگ تم سے نفرت کرتے ہیں، ان سے بھلا کرو''۔

نیکی کی بدولت ہم کائنات کی ان طاقتوں سے رابطہ پیدا کر لیتے ہیں جو رحم و احسان کا سرچشمہ ہیں اور بدی سے ہم تباہ کن طاقتوں کو گھر میں آنے کی دعوت دیتے ہیں۔

ایمان ایک زبردست ''انرجی'' (طاقت) ہے، جب ہم اس طاقت کو ایتھر میں چھوڑتے ہیں تو تمام فیض رساں طاقتیں ہماری طرف متوجہ ہو جاتی ہیں اور ہماری امداد کرتی ہیں۔

میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ ہر نیک دل اور پاکیزہ کردار انسان کے اردگرد قوائے خیر یعنی فرشتوں کے پہرے لگا دیے جاتے ہیں، جو ہر مصیبت سے اسے بچاتے ہیں اور ہر الجھن میں

اسے راہ دکھاتے ہیں۔

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ ۔

(رعد:۱۱)

ترجمہ: ''اللہ نے انسان کے آگے اور پیچھے چند نگران مقرر کر رکھے ہیں جو خدائی اشارہ پا کر اس کی حفاظت کرتے ہیں''۔

قرآن میں ایسی بیسیوں اقوام کا ذکر آیا ہے، جن پر آسمان سے آگ یا پتھر برسے۔ بد سب کے سب ہلاک ہو گئے لیکن نیکوکار تمام کے تمام بچ گئے۔ کائنات کے مخفی کارندے ہمیں ہر جگہ مصروف عمل نظر آتے ہیں۔ گھٹاؤں کو برسنے اور تھمنے کا حکم کون دیتا ہے؟ پھولوں میں رنگ و بو کون بھرتا ہے؟ مکھی کو شہد بنانے کا فن کس نے سکھایا؟ ہمارے دل کی مشین کون چلا رہا ہے؟ ماں کے رحم میں بچے کی تشکیل کون کر رہا ہے؟ اور پھلوں میں لذت و خوشبو کون بھر رہا ہے؟

جواب ایک ہی ہے کہ:

فطرت کا مخفی ہاتھ۔۔۔۔ اس ہاتھ کو بڑھ کر تھام لیجیے۔

"By yielding to Nature we learn to command it."

(The Masters and the Path)

ترجمہ: ''جب ہم فطرت کے سامنے جھک جاتے ہیں، تو اسے مسخر کر لیتے ہیں''۔

میرا ایمان ہے کہ نیک لوگوں کو تباہی کی کسی طاقت سے کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا، نہ دشمن سے نہ رہزن سے، نہ آگ سے نہ سانپ سے۔ کیونکہ دکھ گناہ کا نتیجہ ہے، اور جہاں گناہ کا وجود ہی نہ ہو، وہاں دکھ کا کیا کام۔

جونہی گناہ انسان کی زندگی میں داخل ہوتا ہے، وہ خفیہ پہرہ دار واپس بلا لیے جاتے ہیں، اور انسان بے شمار مصائب کا شکار ہو جاتا ہے۔

ٹرائن کہتا ہے:

"True Godliness is the same as ture wisdom. The one who is truly wise and who rightly uses the forces and powers with which he is endowed, to him the great Universe opens her treasure-house and the supply is equal to demand."

(In Tune with the Infinite, p. 134).

ترجمہ: ''صحیح خدا پرستی ہی سچی دانش ہے، جس شخص کو یہ دانش حاصل ہے اور وہ خداداد طاقتوں کا صحیح استعمال جانتا ہے، اس پر یہ عظیم کائنات اپنے خزائن کے منہ کھول دیتی ہے، اور وہ حسب طلب پاتا ہے''۔

اسی دانش کا نام آسمان کی بادشاہت ہے جس کی خبر حضرت مسیح علیہ السلام نے یوں دی تھی:

"Know ye not that the Kingdom of Heaven is within three?"

ترجمہ: ''کیا تمہیں علم نہیں کہ آسمان کی بادشاہت تمہارے اندر ہے؟ کچھ اسی قسم کی بات سنسکرت کی اس دُعا میں بھی پائی جاتی ہے:''

"More radiant than the sun, purer than the snow, subtler than the ether is the self. I am that self, that self am I."

ترجمہ: ''میری روح سورج سے زیادہ روشن، برف سے زیادہ پاکیزہ اور ایتھر سے زیادہ لطیف ہے، یہ روح میں ہوں اور میں یہی روح ہوں!''

باب نمبر ۲

دُنیائے اثیر

(کاسمک یا آسٹرل ورلڈ)

گو اثیر نظر نہیں آتا، لیکن یہ ایک بہت بڑی حقیقت اور مکاں سے لامکاں تک ہر جگہ موجود ہے۔ ایک سائنسدان کے ہاں کاسمک ورلڈ، آسٹرل ریجن اور اثیر کچھ الگ الگ چیزیں ہوں گی۔ لیکن میں انہیں مترادف الفاظ قرار دیتا ہوں۔ خواب میں جسم لطیف جسم خاکی سے نکل کر آسٹرل ورلڈ میں چلا جاتا ہے جہاں اسے کبھی خوبصورت باغات، وادیاں، دریا اور سرسبز کوہسار نظر آتے ہیں اور کبھی اپنا گھر جہاں اپنے عزیزوں سے اس کی ملاقات ہوتی ہے۔ بات یہ ہے کہ اس زمین اور اس کے مناظر کی ہو بہو تصاویر و اشکال وہاں بھی موجود ہیں۔ وہ اس طرح کہ اثیر کی وہ لہریں جو روشنی سے پیدا ہوتی ہیں، ایک چیز، مثلاً کتاب، قلم، در، دیوار وغیرہ سے ٹکرا کر اسی چیز کی شکل اختیار کر لیتی ہیں۔ چونکہ اثیری لہروں کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ ہے اس لیے ہر چیز کی اتنی ہی اثیری تصاویر ایک سیکنڈ میں تیار ہوتی ہیں۔ یہ تصاویر آنکھوں کی راہ سے جب دماغ تک پہنچتی ہیں تو دماغ اس چیز کو دیکھنے لگتا ہے یہ تصاویر ہر سمت یعنی دائیں، بائیں، اوپر، نیچے جاتی ہیں۔ آپ کسی زاویہ پر کھڑے ہو جائیں، وہ چیز نظر آئے گی۔ اگر آپ ایک مووی کیمرہ سامنے رکھ دیں اور پوری رفتار سے فلم کو گھمانا شروع کریں تو ایک منٹ میں کئی ہزار تصاویر فلم پر مرتسم ہو جائیں گی۔ یہ تصاویر اثیر میں ہمیشہ موجود رہتی ہیں۔ زمین و آسمان کی ان گنت تصاویر اثیر میں محفوظ ہیں۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کی نظر کہیں آسٹرل ورلڈ پر جا پڑی۔ وہاں بھی قطب مینار اور تاج محل نظر آیا، تو آپ نے حجۃ اللہ البالغہ میں ''عالم مثال'' کے وجود کا اعلان فرما دیا۔ سائنس بھی ''عالم مثال'' کی قائل ہے۔ یہاں ایسی اشیاء کی تصاویر بھی موجود ہیں، جنہیں مٹے ہوئے لاکھوں سال ہو چکے ہیں۔ سورج کی روشنی آٹھ منٹ کے بعد ہم تک پہنچتی ہے۔ فرض کیجیے

کہ صبح کے وقت ہم ایک بلند مقام پر کھڑے ہیں اور طلوع آفتاب کا انتظار کر رہے ہیں۔ مشرقی افق پر ٹھیک سات بجے ہمیں سورج کا بالائی کنارہ نظر آتا ہے۔ مت بھولیے کہ سورج کی یہ حالت پہلے تھی، اسی طرح غروب ہو جانے کے بعد سورج آٹھ منٹ تک ہمیں نظر آتا رہتا ہے۔

فضا میں کچھ ایسی بلندیاں بھی ہیں جہاں زمین کی روشنی ایک سال، دو سال، دس سال، ہزار سال، دس لاکھ سال بلکہ کروڑوں سال بعد پہنچتی ہے۔ اگر ہم ایک ایسی بلندی پر جا بیٹھیں جہاں روشنی کی وہ لہریں جو زمین سے ۶۲۲ء یا ۶۱۷۱ء یا ۱۵۶۰ء یا ۱۹۴۷ء میں روانہ ہوئی تھیں۔ آج پہنچی ہیں تو بصورت اول ہمیں حضور ﷺ مکہ سے مدینہ جاتے ہوئے نظر آئیں گے، بصورتِ ثانی واقعۂ کربلا کا منظر سامنے آ جائے گا، بصورتِ ثالث تختِ دہلی پر جلال الدین اکبر، اور بصورتِ رابع حضرت قائداعظمؒ گورنر جنرل ہاؤس میں دکھائی دیں گے۔ بظاہر یہ بات عجیب سی معلوم ہوتی ہے لیکن دراصل عجیب نہیں کیونکہ اثیر یا عالمِ مثال میں ہر چیز کی لاتعداد تصاویر محفوظ رہتی ہیں۔

نامۂ اعمال

نہ صرف تصاویر بلکہ آواز بھی ہمیشہ کے لیے اثیر میں موجود رہتی ہے، جب کوئی جملہ ہمارے منہ سے نکلتا ہے تو اثیر میں وہ ریکارڈ ہو جاتا ہے۔

ریڈرز ڈائجسٹ (امریکی ایڈیشن) کی اشاعت مئی ۱۹۵۹ء میں یہ واقعہ درج ہے کہ امریکہ میں ایک ٹیلی ویژن کمپنی بنی، وہ اپنے پروگرام نشر کرتی رہی اور ۱۹۴۳ء میں ختم ہو گئی۔ اپریل ۱۹۵۹ء میں ایک روز اسی کمپنی کا کوئی پروگرام جو سترہ برس پہلے نشر ہوا تھا دوبارہ ٹیلی ویژن کے سیٹس (sets) میں آنے لگا اور دنیا کو یقین ہو گیا کہ آواز کبھی فنا نہیں ہوتی۔

مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ. (ق۔ ۱۷)

ترجمہ: "جب آدمی کے منہ سے کوئی بات نکلتی ہے تو ایک چوکس نگران اسے لکھ لیتا ہے"۔

ممکن ہے کہ محشر میں مجھ جیسا کوئی دلائل باز نامۂ اعمال پہ یہ اعتراض کر دے کہ فلاں فلاں الزامات غلط ہیں، فوراً اس کی بے شمار تصاویر اس گناہ میں مصروف اسی طرح دکھائی

جائیں گی، جس طرح سینما کے پردے پر فلم۔ جب ہمارا ہر عمل، ہر لفظ اور ہر ارادہ کاسمک ورلڈ میں محفوظ ہے تو پھر کسی مجرم کے لیے انکار کی گنجائش ہی کہاں رہ جاتی ہے۔ جس طرح برطانیہ اور چند دیگر اقوام نے اپنی لائبریریوں کی تمام کتابوں کی فلمیں تیار کر لی ہیں (یہ فلم بہت چھوٹی سے چیز ہوتی ہے، ایک ہزار صفحات کی کتاب ایک چھٹانک وزنی فلم میں سما جاتی ہے) اسی طرح ہمارے اعمال و الفاظ کی فلمیں بن رہی ہیں جو قیامت کے دن ہمارے ہاتھوں میں دے دی جائیں گی، اور ان کا نام ہوگا ''نامہائے اعمال''۔ اگر کوئی مجرم اعتراض کرے گا تو یہی فلم، پروجیکٹر پر چڑھا دی جائے گی اور وہ شخص سکرین پر بولتا اور چلتا پھرتا دکھائی دے گا۔

اَلْیَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰی اَفْوَاھِھِمْ وَ تُکَلِّمُنَآ اَیْدِیْھِمْ وَ تَشْھَدُ اَرْجُلُھُمْ بِمَا کَانُوْا یَکْسِبُوْنَ. (یٰس. ۶۵)

ترجمہ: ''ہم اس روز ان کے منہ پر مہر لگا دیں گے اور ان کے ہاتھ پاؤں بول بول کر ان کے اعمال پر شہادت دیں گے''۔

اُمُّ الکتاب

ایک انسان سن شعور سے موت تک لاتعداد واقعات دیکھتا اور بے شمار حکایات و کتب سنتا اور پڑھتا ہے۔ یہ سب کی سب اس کے چھوٹے سے دماغ میں مرقوم و محفوظ ہو جاتی ہیں۔ چند مربع انچ دماغ میں لاتعداد مشاہدات، مسموعات اور تحریرات (جو کئی ہزار جلدوں میں بھی نہ سمائیں) کا سما جانا تخلیق کا حیرت انگیز کرشمہ ہے۔ اثیر کائنات کا دماغ ہے جس میں ازل سے ابد تک کی تمام تصاویر، اصوات اور اعمال محفوظ ہیں، غالباً اسی اثیر کو اللہ نے قرآن میں ''کتاب'' کہا ہے:

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ط وَ یَعْلَمُ مَا فِی الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ط وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا یَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِیْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ كِتٰبٍ مُّبِیْنٍ۝

(انعام:۵۹)

ترجمہ: ”غیب کی چابیاں صرف اللہ کے پاس ہیں جنہیں صرف وہی جانتا ہے، اس کا علم بحروبر دونوں پر محیط ہے۔ ہر ٹوٹنے والا پتہ اس کے علم میں ہے۔ زمین کی ظلمتوں میں چھپا ہوا دانہ ہر خشک وتر اللہ کی کھلی کتاب میں محفوظ ہے“۔

وَكُلُّ شَيْءٍ فَعَلُوهُ فِي الزُّبُرِ ○ وَكُلُّ صَغِيرٍ وَّكَبِيرٍ مُّسْتَطَرٌ ○ (قمر: ۵۲. ۵۳)

ترجمہ: ”ان لوگوں کے اعمال کتابوں میں محفوظ ہیں اور ان میں ہر چھوٹی بڑی چیز درج ہے“۔

بھولی ہوئی چیز کا یاد آنا

بار ہا ہمیں کوئی چیز بھول جاتی ہے اور پھر از خود یاد بھی آ جاتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ یہ چیز کہاں سے آتی ہے۔ علمائے نفسیات کا نظریہ یہ ہے کہ ہر دیکھی اور سنی ہوئی چیز تحت الشعور میں محفوظ رہتی ہے اور وہیں سے نکل کر شعور میں آ جاتی ہے۔ کیا اس سے بہتر نظریہ یہ نہیں کہ ہر شے اثیر میں موجود ہے۔ جب ہم کسی شخص کا نام یا کسی شعر کا مصرع ثانی بھول جاتے ہیں تو کچھ بے چین سے ہو جاتے ہیں۔ اسی بے چینی سے کاسمک ورلڈ میں لہریں اٹھتی ہیں جو اثیری طاقتوں سے جا ٹکراتی ہیں، وہ طاقتیں کتاب اثیر سے اس چیز کو تلاش کرنے کے بعد اپنا پیغام لہروں میں بھر دیتی ہیں۔ یہ لہریں ہمارے دماغ تک پہنچتی ہیں تو اس بھولے ہوئے نام یا مصرع کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔

مشق

فرض کیجیے کہ ایک آدمی سائیکل چلانے کی مشق شروع کرتا ہے۔ ابتدا میں بار ہا گرتا ہے کیونکہ توازن قائم نہیں رکھ سکتا، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ گرنے کا خوف اس پر یوں مسلط ہو جاتا ہے کہ اس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی ہوتی ہیں اور جسم متزلزل۔ اس کا شوق ایک ”انرجی“ ہے، جس کی لہریں اثیری طاقتوں کو متاثر کرتی ہیں اور وہ جواب میں ایسی لہریں بھیجتی ہیں، جن سے اس کا خوف

دور ہو جاتا ہے اور یہ سائیکل سوار بن جاتا ہے۔

طبقاتِ اثیر

اثیر میں متعدد طبقات موجود ہیں۔ کوئی ان کی تعداد سات بتاتا ہے اور کوئی سترہ۔
اسلامی صوفیوں کے ہاں اس کے چار طبقے ہیں:

ا۔ عالم ناسوت:

جو زمین کے بالکل قریب ہے۔ گناہ گار روحیں یہیں بھٹکتی اور گلتی سڑتی رہتی ہیں۔
پادری لیڈ بیٹر لکھتا ہے:

> ''موت کے بعد آسٹرل باڈی آسٹرل ورلڈ میں چلی جاتی ہے، اگر مرنے والا بدکار ہو تو وہ زمین کے پاس بھٹکتا رہتا ہے، وہ اپنی وراثت دوسروں کے پاس دیکھ کر کڑھتا اور جلتا ہے، وہ اپنے ساتھیوں کی ترقی اور دشمنوں کی زندگی پر دانت پیستا ہے۔ ذہنی اضطراب کی اس آگ میں صدیوں جلنے کے بعد اسے طبقۂ بالا میں جانے کی اجازت ملتی ہے''۔

(Invisible Helpers, p. 107)

۲۔ عالم جبروت:

جہاں درمیانے درجے کے لوگ (نہ بدکار نہ بہت نیک) جاتے ہیں۔ طبقۂ اسفل کے بدکار بھی میعادِ سزا بھگتنے کے بعد یہیں پہنچ جاتے ہیں اور اس وقت تک رہتے ہیں، جب تک کہ جسم لطیف کے وہ زخم جو گناہ کا نتیجہ تھے، بالکل صاف نہ ہو جائیں۔ قرآن میں ایک طبقے کو ''اعراف'' کہا گیا ہے شاید وہ یہی ہو:

> وَبَیْنَهُمَا حِجَابٌ ج وَعَلَى الْاَعْرَافِ رِجَالٌ یَّعْرِفُوْنَ كُلًّاۢ بِسِیْمٰىهُمْ ج وَنَادَوْا اَصْحٰبَ الْجَنَّةِ اَنْ سَلٰمٌ عَلَیْكُمْ قف لَمْ یَدْخُلُوْهَا وَهُمْ یَطْمَعُوْنَ o وَاِذَا صُرِفَتْ اَبْصَارُهُمْ تِلْقَآءَ

اَصْحٰبِ النَّارِ قَالُوْا رَبَّنَا لَا تَجْعَلْنَا مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ○

(اعراف:۴۶. ۴۷)

ترجمہ: ''اہل جنت اور اصحاب جہنم کے درمیان ایک پردہ حائل ہوگا۔ اعراف میں رہنے والے ایک دوسرے کو چہرے سے پہچان لیں گے، یہ اہل جنت پہ سلام بھیجیں گے۔ گو یہ جنت سے باہر ہوں گے لیکن جنت میں جانے کی امید یقیناً رکھتے ہوں گے۔ جب اصحاب اعراف کی نگاہ اہل دوزخ پر پڑے گی تو کہیں گے، اے رب! ہمیں ظالموں کی رفاقت سے بچا''۔

ایک اور مقام پر انہی تین گروہوں کا ذکر یوں ہوا ہے:

اِذَا رُجَّتِ الْاَرْضُ رَجًّا○ وَّبُسَّتِ الْجِبَالُ بَسًّا○ فَكَانَتْ هَبَآءً مُّنْۢبَثًّا○ وَّكُنْتُمْ اَزْوَاجًا ثَلٰثَةً○ فَاَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَيْمَنَةِ○ وَاَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ مَا اَصْحٰبُ الْمَشْئَمَةِ○ وَالسّٰبِقُوْنَ السّٰبِقُوْنَ○ اُولٰٓئِكَ الْمُقَرَّبُوْنَ○

(واقعہ: ۴. ۱۱)

ترجمہ: ''جب زمین کو زبردست جھٹکا دیا جائے گا، جب پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، یہاں تک کہ غبارِ پریشان بن جائیں گے اس وقت تم تین گروہوں میں بٹ جاؤ گے۔ اول: دائیں طرف والے، جانتے ہو کہ یہ لوگ کیا ہیں؟ دوم: بائیں طرف والے، جانتے ہو کہ یہ لوگ کون ہیں؟ سوم: نیکی و تقویٰ میں سب سے آگے، جو وہاں بھی آگے رہیں گے، انہیں ہمارا قرب حاصل ہوگا''۔

یہ تینوں گروہ الگ الگ طبقات میں رہیں گے۔ ان طبقات کی تفصیل سورۂ ''واقعہ''

میں ملاحظہ فرمایئے۔

۳۔ عالمِ ملکوت:

انبیاء وصالحین کا مقام

۴۔ عالمِ لاہوت:

جہاں اللہ کا تخت بچھا ہوا ہے۔

حساس دماغ

حساس دماغ دو قسم کے ہیں:

ایک وہ، جن کا تعلق اثیر سے کسی قسم کی ریاضت وعبادت کے بغیر قائم ہو جاتا ہے۔ کراچی میں ایک خاتون جس روح کو جس وقت چاہے طلب کر سکتی ہے۔ میں ایک ایسی لڑکی سے بھی آگاہ ہوں جس کے پاس ساکنانِ اثیر بڑی تعداد میں آتے ہیں اور جب بھی وہ کسی کمرے میں تنہا ہوتی ہے تو وہاں اجسام لطیفہ کی ایک محفل جم جاتی ہے اور وہ ان سے باتیں کرتی رہتی ہے۔

اور دوسری قسم وہ، جو برسوں کی عبادت و ریاضت کے بعد اثیر سے ربط پیدا کرتی ہے۔ یہ لوگ کبھی مکینانِ اثیر سے ملتے اور کبھی صرف ان کی آوازیں سنتے ہیں۔

پادری لیڈ بیٹر نے اپنی کتاب "Invisible Helpers" میں ایک عورت مسز پائیر کا ذکر کیا ہے، جو خود بے ہوش ہو کر ارواح کو بلاتی تھی۔ اس کے ان کارناموں کو ہزاروں آدمیوں نے دیکھا اور بچھڑے ہوئے احباب و اقارب سے ملاقات کی۔

لیڈ بیٹر کا خیال یہ ہے کہ ایسا آدمی بے ہوش ہو کر اثیر میں پہنچ جاتا ہے اور وہاں کی ارواح سے رابطہ پیدا کر لیتا ہے۔

دو نظام

مسز گاسکل اپنی کتاب "What is Life" میں لکھتی ہے کہ:

''جسم میں بہ یک وقت دو نظام کارفرما ہیں، ایک جسمانی اور دوسرا اثیری۔ اثیری جسم

مادی جسم کے ذرات (atoms) میں رہتا ہے اور بعد از موت الگ ہو جاتا ہے۔ اصلی و حقیقی جسم اثیری ہے اور مادی جسم محض ایک خول یا سرائے ہے جس میں جسم لطیف کا قیام عارضی ہے"۔

ٹرائن لکھتا ہے:

"Here in this world our bodies are dual, physical and etheric. These two bodies interpenetrate each other but the etheric is permanent. The physical body is only a protective covering for the etheric body during its passage through the earth-life."

ترجمہ: "اس دنیا میں ہم دو جسم لے کر آتے ہیں: مادی اور اثیری۔ یہ اجسام ایک دوسرے میں یوں داخل ہیں (جس طرح چینی، دودھ میں) اثیری جسم مستقل چیز ہے، جو زمین سے گزر کر آگے جا رہا ہے اور مادی جسم اس واقعہ کے لیے محض حفاظتی خول کا کام دیتا ہے"۔

ولسن چیمبر

یورپ کے ایک ماہر روحانیات نے ایک مشین تیار کی تھی جس کے ساتھ شیشے کا ایک صندوق بھی تھا۔ اس صندوق میں ایک زندہ مینڈک رکھ کر ہوا کی خاصی مقدار اس سے نکال لی جاتی، اس کے ساتھ ایک میٹر بھی لگا ہوا تھا کہ جونہی مینڈک کا دم نکلتا تو سوئی D-Death (موت) پر چلی جاتی، اور معاً طاقت ور کیمروں سے مینڈک کی تصاویر لے لی جاتیں۔ بارہا مینڈک کی دو تصاویر بہ یک وقت فلم پہ آئیں، ایک مینڈک کی، اور دوسری اس کے جسم لطیف کی، جو بعد از موت مینڈک سے اندازاً ۶/ ۵ انچ اوپر خلا میں تھا۔ اس جسم کی شکل بالکل مینڈک جیسی، لیکن کہر کی طرح لطیف تھی۔ فزکس کے ایک ماہر ڈاکٹر آر۔ اے۔ واٹرس (R. A. Watters) نے اس مشین پر کافی عرصے تک کام کیا اور اپنی تحقیقات Intra Atomic Quantity کے عنوان سے شائع کیں۔

ڈاکٹر کرنگٹن لکھتا ہے کہ:

''ایک مرتبہ امریکہ کی Society for Physical Research نے ایک سوال شائع کیا کہ کیا کسی مرنے والے نے موت سے پہلے اپنے رشتہ داروں کو بتایا تھا کہ اسے اگلی دنیا کے لوگ یا مناظر نظر آ رہے ہیں؟ تو تیس ہزار آدمیوں نے شہادت دی کہ ان کے مرنے والے رشتہ داروں نے ان غیبی افراد و مناظر کا ذکر کیا تھا''۔(Invisible World, p. 9)

جسم لطیف کی پرواز

بابا گورو نانک کے متعلق مشہور ہے کہ وہ بہ یک وقت لاہور اور کعبہ میں موجود ہوتے تھے، یہ کوئی مبالغہ آمیز داستان نہیں، بلکہ ایک ٹھوس حقیقت ہے۔ اولیاء و انبیاء تو ایک طرف، آج معمولی معمولی لوگ بھی جسم لطیف میں گھومتے اور اڑتے پھرتے ہیں۔ پادری لیڈ بیٹر (Invisible Helpers) میں کئی کہانیاں لکھتا ہے کہ:

''ایک روز میں بحرالکاہل پہ اڑ رہا تھا۔۔۔۔ایک دن میں کوہ ہمالیہ کی فلاں بلندی پر جا پہنچا۔۔۔۔۔۔۔۔'' وغیرہ وغیرہ

۱۹۵۷ء میں انگلستان کے ایک اخبار نے ایک سوال شائع کیا:

''کیا کوئی ایسا شخص موجود ہے، جس نے جسم لطیف میں سفر یا پرواز کی ہو؟''

دو خواتین نے جواباً لکھا کہ انہیں یہ طاقت حاصل ہے۔ ان کے نام تھے:

۱۔ مسز بی۔ ای بلیز اور

۲۔ مسز اے۔ ولیم

یہ سوال و جواب ''پاکستان ٹائمز'' کی اشاعت ۱۲۔ اکتوبر ۱۹۵۷ء میں بھی شائع ہوئے تھے۔ خود میرے ایک دوست (اظہار نام کی اجازت نہیں) جسم لطیف میں ہزار میل تک نکل جاتے ہیں۔

ڈاکٹر کرنگٹن نے اپنی مشہور کتاب The Projection of the Astral

Body میں بیسیوں ایسے اشخاص کا ذکر کیا ہے، جو جسم لطیف میں سفر کیا کرتے تھے۔ جسم لطیف کی پرواز کو قدیم مصری بھی تسلیم کرتے تھے اور اس موضوع پر کسی مصری ہی نے ایک کتاب لکھی تھی۔ عنوان تھا: .The Book of the Dead

اس سے واضح تر کتاب Dr. W. Y. Evans Wents کی "Tibetan Book of Dead" ہے۔

اس موضوع پر چند اور کتابوں کے نام یہ ہیں۔

	کتاب	مصنف
1.	Astral Plane	Lead Be
2.	Man & his Bodies.	Annie Besant
3.	The Etheric Double	Arthur E. Powell
4.	The Mental Body	Arthur E. Powell
5.	Astral Body	Arthur E. Powell
6.	Posthumous Humanity	D. Assier
7.	Little Journeys into the Invisible	Gifford Shine

معراج

جسم لطیف کی پرواز سے مسئلہ معراج اور رفعِ عیسٰی بن مریم پر بھی کچھ روشنی پڑتی ہے۔ جسم لطیف کی رفتار اثیر میں وہی ہوتی ہے جو روشنی کی، یعنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار میل فی سیکنڈ، اگر حضورﷺ کا جسم لطیف عالم لاہوت سے اتنی جلدی واپس آیا تھا کہ آپﷺ کا بستر گرم تھا اور دروازے کی زنجیر بدستور ہل رہی تھی تو قطعاً مقامِ تعجب نہیں۔

جنت و جہنم

جس طرح ایک قوت دوسری میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ روشنی گرمی کا، اور گرمی حرکت کا روپ اختیار کر لیتی ہے اور جس طرح اثیری طاقتوں کی چھوڑی ہوئی لہریں ہم تک پہنچ کر سکون، مسرت، خیال، تجویز یا بے چینی میں بدل جاتی ہیں، اسی طرح انسانی اعمال اثیر میں مختلف صورتیں اختیار کر لیتے ہیں۔ عمدہ اعمال حسین پھولوں، خوشنما محلوں، دل نواز نغموں، گنگناتے ہوئے چشموں اور دلکش حسیناؤں میں تبدیل ہو جاتے ہیں اور مکروہ اعمال پھوڑوں، ناسوروں، کانٹوں، سانپوں اور انگاروں کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ اعمال کے صلے کچھ تو یہاں مل جاتے ہیں لیکن ان کا بہت بڑا حصہ اگلی زندگی کے لیے مخصوص کر دیا جاتا ہے۔ بانگ درا میں "سیرِ فلک" کے عنوان سے ایک نظم ملتی ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اقبال سیرِ افلاک کو گئے اور پھرتے پھراتے جہنم پہ جا نکلے، دیکھا کہ بالکل خالی ہے اس میں ایک چنگاری تک موجود نہیں، فرشتے سے پوچھا کہ یہ کس قسم کا جہنم ہے؟

اس نے جواب دیا۔

اہل دنیا یہاں جو آتے ہیں
اپنے انگار ساتھ لاتے ہیں

قرآن حکیم میں جنت و جہنم کے مختلف مناظر جا بجا ملتے ہیں۔ ایک نظریہ یہ ہے:

لَا يَذُوقُونَ فِيهَا بَرْدًا وَّلَا شَرَابًا ۝ اِلَّا حَمِيمًا وَّ غَسَّاقًا ۝ جَزَآءً وِّفَاقًا ۝ (النبا: ۲۴۔ ۲۶)

ترجمہ: "بدکاروں کو جہنم میں نہ ٹھنڈک نصیب ہوگی نہ پانی، ابلتے ہوئے پانی اور پیپ پہ گزارا ہوگا اور یہ ہوگی ان کے اعمال کی پوری پوری جزا"۔

اِنَّ لِلْمُتَّقِينَ مَفَازًا ۝ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ۝ وَّ كَوَاعِبَ اَتْرَابًا ۝ وَّكَاسًا دِهَاقًا ۝ لَا يَسْمَعُونَ فِيهَا لَغْوًا وَّلَا كِذّٰبًا ۝ جَزَآءً مِّنْ رَّبِّكَ عَطَآءً حِسَابًا ۝ (النبا: ۳۱۔ ۳۶)

ترجمہ: "نیکو کار وہاں کامیاب رہیں گے۔ انہیں باغات اور انگور ملیں گے، نیز ایک ہی عمر کی نوجوان حسینائیں اور لبالب ساغر، وہاں لغویات اور جھوٹ کا گزر نہیں ہوگا اور یہ ہوگی جزائے اعمال، جو بعد از حساب تمہارے رب کی طرف سے ملے گی"۔

بعض اثیری پیغامات سے پتہ چلتا ہے کہ بعد از موت مہذب، پاکیزہ اور ارتقا یافتہ دماغوں کو تخلیق کی طاقت مل جاتی ہے، اس دنیا میں بھی دماغ کا کام تخلیق ہی ہے لیکن وہاں نئی قسم کی تخلیق ہوگی، یہ لوگ چاہیں گے تو اپنے ماحول کو باغات وانہار میں بدل لیں گے یا خوبصورت بلا دو امصار میں جو چیز چاہیں گے خواہش پیدا ہوتے ہی عدم سے وجود میں آجائے گی۔

ایک اثیری روح سے ملاقات

مسٹر فنڈ لے لکھتے ہیں کہ:

میں ۴ دسمبر ۱۹۲۳ء کو اپنی سٹینو گرافر مس ملر کے ہمراہ جے۔ سی سلون (J. C. Sloan) کے ہاں گیا جو ارواح کو اثیر سے بلایا کرتا تھا۔ نشست شروع ہوئی تو سلون بے ہوش ہوگیا اور چھت کی طرف سے ایک آواز آنا شروع ہوئی، جس سے کئی سوالات پوچھے گئے۔ مثلاً:

سوال: کیا آپ کی دنیا حقیقی اور ٹھوس دنیا ہے؟

جواب: بے شک! لیکن یہاں انوکھی بات یہ ہے کہ ہمارے ارادہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے، ہم جو چاہیں اپنے ماحول میں پیدا کر سکتے ہیں۔ اگر کسی شہر کی سیر منظور ہو، مثلاً پیرس یا لندن کی تو وہ اثیر ہی میں فوراً نمودار ہو جاتا ہے۔ دیہات کا خیال آئے تو ہر طرف لہلہاتے ہوئے کھیت نظر آنے لگتے ہیں۔ یہ طاقت صرف اچھے لوگوں کو حاصل ہوتی ہے اور برے لوگ اس طاقت سے محروم ہوتے ہیں۔ یہ لوگ نہایت بھیانک اور تکلیف دہ ماحول میں رہتے ہیں۔ یہاں ہمارے گھر اور دیگر اشیاء ہماری خواہش کی تخلیق ہیں۔

دوسرا سوال: کیا وہاں اچھے اور برے لوگ ایک ہی جگہ رہتے ہیں؟

جواب: نہیں! وہاں مختلف طبقے ہیں۔ برے لوگ سب سے نچلے طبقے میں رہتے ہیں۔ درمیانے درجے کے لوگ بالائی طبقے میں، اور بہترین لوگ بلند ترین منزل پہ سکونت رکھتے ہیں۔ زمین تک صرف وہ روحیں آتی ہیں جو نچلے طبقے میں رہتی ہیں، اگر بالائی طبقہ نے کوئی پیغام بھیجنا ہو تو وہ نچلے طبقہ کی کسی روح کی وساطت سے بھیجتی ہے۔

(On the Edge of the Etheric, p. 120)(ملخص)

اس مکالمہ کی ایک حقیقت (کہ خواہش وہاں خالق بن جاتی ہے) کی تائید قرآن کی متعدد آیات سے ہوتی ہے۔

وَاَمْدَدْنٰهُمْ بِفَاكِهَةٍ وَّلَحْمٍ مِّمَّا يَشْتَهُوْنَ. (طور: ۲۲)

ترجمہ: ''اور ہم اہل جنت کی خواہش کے مطابق گوشت اور پھل سے ان کی مدد کریں گے''۔

وَلَكُمْ فِيْهَا مَا تَشْتَهِيْٓ اَنْفُسُكُمْ. (حٰمٓ سجدہ: ۳۱)

ترجمہ: ''اور ساکنانِ جنت کو ہر وہ چیز ملے گی جس کی وہ خواہش کریں گے''۔

اثیر اور زمانہ

زمانے کا عام تصور یہ ہے کہ یہ لمحات کی نہر رواں ہے۔ لمحۂ حاضر حال ہے جو ایک لمحہ پہلے مستقبل تھا اور ایک لمحہ بعد ماضی بن جائے گا، ہم ماضی کے واقعات کو دیکھ سکتے ہیں لیکن مستقبل ہماری نظروں سے نہاں ہے۔ بعض واہمہ پرست فلسفی کہتے ہیں کہ ماضی و مستقبل موجود نہیں، جو چیز موجود ہے، وہ حال ہے اور وہ صرف ایک لمحہ کا نام ہے۔ زمانے کا یہ بے جان سا تصور انسان کو نہ پر امید بنا سکتا ہے اور نہ اس کی تمناؤں کی تکمیل کے لیے میدان فراہم کر سکتا ہے۔ یہ تسلیم، کہ حال کا ہر لمحہ، جو پہلے مستقبل تھا، ماضی میں تبدیل ہو رہا ہے لیکن ماضی و مستقبل کی یہ تقسیم محض موہومی اور فریب عقل ہے۔ زمانہ لمحات کا ایک مسلسل سلسلہ ہے جس میں تینوں زمانے بہ یک وقت موجود

رہتے ہیں۔فرض کیجیے کہ آپ پشاور سے لاہور جاتے ہیں، راہ میں آپ کوتلغرافی ستون نظر آئیں گے، ہر ستون سامنے آکر غائب ہوتا چلا جائے گا، لیکن فنا نہیں ہوگا۔اگر آپ کے سامنے سے ریل گزر جائے تو وہ صرف آنکھوں سے نہاں ہوگی، مٹ نہیں جائے گی، ہمارا حلقہ نظر بہت محدود ہے۔ ہمیں دس کروڑ میں سے صرف ایک چیز نظر آرہی ہے اور باقی غائب ہیں لیکن دنیا میں موجود ہیں۔

زندگی کو رواں دواں رکھنے کے لیے ضروری ہے کہ بڑے بڑے وقفوں کو زمانہ حال سمجھا جائے۔مثلاً سالِ رواں، قرنِ رواں اور عصر رواں۔عصر، زمانے کا ایک ایسا وقفہ ہے جو کئی صدیوں پر مشتمل ہوسکتا ہے۔پتھر کا زمانہ ہزار ہا سال پر پھیلا ہوا تھا اور لوہے کا زمانہ صدیوں پہلے شروع ہوا تھا اور ابھی جاری ہے۔

دومثالیں

۱۔ فرض کیجیے کہ کسی شہر
میں ایک کوچے کی شکل یوں ہے

۱۔ زید کوچۂ الف سے ج کی طرف جارہا ہے۔حصہ ب پہ پہنچ کر وہ کھڑا ہو جاتا ہے۔اب صورت یہ ہے کہ الف اس کی نگاہ سے غائب ہو چکا ہے اور ج میں وہ داخل ہی نہیں ہوا۔اس لیے یہ بھی اس کی آنکھوں سے نہاں ہے، لیکن اگر کوئی آدمی ایک ایسے مقام پر کھڑا ہو جائے جہاں سے الف اور ج دونوں نظر آتے ہوں تو اس کے لیے پچھلے اور اگلے کوچے کا امتیاز باقی نہیں رہے گا۔

۲۔ فرض کیجیے کہ ایک آدمی ایک میدان میں کھڑا ہے اور دوسرا پاس ہی ایک اونچی پہاڑی پر، میدان والے کی نظر محدود سے دائرے میں کام کرے گی، اور پہاڑی والے کو حدِ نگاہ تک تمام بلند و پست نظر آئیں گے۔

جسمِ خاکی وہ مسافر ہے جو کوچۂ الف سے ج کی طرف جارہا ہے اور جسمِ لطیف وہ آدمی ہے جو دونوں کوچوں کو دیکھ رہا ہے، اگر کوئی شخص کا سمک بلندیوں پر پہنچ جائے تو اسے ماضی و مستقبل کے تمام واقعات اور تمام بلند و پست نظر آنے لگیں گے۔جسمِ لطیف چونکہ اثیری بلندیوں تک پہنچ

سکتا ہے، اس لیے یہ حال و مستقبل کے امتیازات سے بالاتر ہوتا ہے۔

عشق کی تقویم میں عصر رواں کے سوا
اور زمانے بھی ہیں جن کا نہیں کوئی نام

(اقبالؒ)

دنیا میں ایسے لوگ بھی تھے جنہوں نے عبادت، تسلیم اور ریاضت سے ان اثیری بلندیوں تک رسائی حاصل کر لی، اور انہیں تینوں زمانے بہ یک وقت نظر آتے تھے۔

سانچہ

آپ نے دیکھا ہوگا کہ ایک بدکار کے منہ پہ سیاہی، گرد اور ذلت کی ایک غیر مرئی سی تہ جم جاتی ہے۔ اس کے چہرے کے خطوط بھیانک، ہڈیاں بے طرح ابھری ہوئی، آنکھیں بے نور، پیشانی پچکی ہوئی، ناک ٹیڑھی اور گالوں میں جھریاں اور گڑھے ہوتے ہیں۔

دوسری طرف ایک نیک سیرت، عبادت گزار کے خدوخال میں بلا کی چمک اور دل کشی ہوتی ہے،

کیوں؟

اس کی وجہ یہ ہے کہ جس طرح باغ کا کوئی درخت پانی سے سیراب ہونے کے بعد سرسبز، گھنا اور خوشنما بن جاتا ہے اور بیاباں کا درخت قلت آب کی وجہ سے کمزور اور بے برگ سا رہ جاتا ہے۔ اسی طرح نیکی وہ پانی ہے جو جسم لطیف کے شجر کو خوشنما و بارور بنا دیتا ہے اور گناہ وہ بادِ سموم ہے جس سے خیابانِ روح کا ہر پودا سوکھ جاتا ہے جو تازگی، لچک اور چمک ایک ہری شاخ میں ہو سکتی ہے وہ خشک ٹہنی میں نہیں ہوتی۔ خشک ٹہنی ٹیڑھی ہو جاتی ہے اور اس پر بدنما جھریاں پڑ جاتی ہیں۔ جسم لطیف ایک سانچہ ہے جس میں یہ خاکی جسم ڈھلتا ہے۔ اگر سانچہ ہی بدنما، ٹیڑھا اور ترچھا ہو تو جسم خاکی کا حسن و تناسب کبھی قائم نہیں رہ سکتا۔

قصہ آدمؑ و ابلیس سے یہ حقیقت واضح ہے کہ انسان علم کے بغیر حیوان محض ہے اور علم کے ساتھ مسجودِ ملائک، بہ دیگر الفاظ حصول علم ایک بلند عمل ہے، جس سے اولاً جسم لطیف اور پھر یہ

جسم خاکی حسن وتناسب حاصل کرتا ہے اور لاعلمی ایک ایسا گناہ ہے کہ دونوں اجسام کو مسخ کر دیتا ہے۔ جاہل کا بگڑا ہوا چہرہ پکار پکار کر کہہ رہا ہے، کہ

''میں وہ بدبخت ہوں، جس کا جہالت نے پلستر بگاڑ دیا ہے''۔

اور یہی حال راشیوں، ظالموں، حاسدوں، کینہ توزوں، جواریوں اور دیگر سیہ کاروں کا ہے کہ پہلے ان کے اجسام لطیفہ بگڑتے اور بیمار ہوتے ہیں اور پھر یہ اجسام خاکی۔ جس طرح گھڑی وقت کا پتہ دیتی ہے اور انجن کا میٹر حرارت کا درجہ بتاتا ہے، اسی طرح چہرہ باطن کا اشتہار ہے۔ چہرے کی ہر لکیر اور ہر ابھار ایک ایسی تحریر ہے جو خدائی قلم سے نکلتی ہے اور جو کبھی غلط نہیں ہو سکتی۔ بدکار اس حقیقت کو کبھی نظر انداز نہ کریں کہ ان کا چہرہ ایک ایسی کتاب ہے جس پر کاتب قدرت ان کے ہر عمل کو لکھ رہا ہے:

وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ مُّسْفِرَةٌo ضَاحِكَةٌ مُّسْتَبْشِرَةٌ o وَوُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ عَلَيْهَا غَبَرَةٌ o تَرْهَقُهَا قَتَرَةٌo اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكَفَرَةُ الْفَجَرَةُo (عبس: ۳۸۔ ۴۲)

ترجمہ: ''اس روز بعض چہرے روشن، متبسم اور بشاش ہوں گے، اور بعض گرد آلود و تاریک موخر الذکر سیہ کاروں کے چہرے ہوں گے''۔

اِنَّ الْاَبْرَارَ لَفِيْ نَعِيْمٍo عَلَى الْاَرَآئِكِ يَنْظُرُوْنَo تَعْرِفُ فِيْ وُجُوْهِهِمْ نَضْرَةَ النَّعِيْمِo (المطففین ۲۲۔ ۲۴)

ترجمہ: ''نیک سیرت آسائش میں ہوں گے۔ مسہریوں پہ بیٹھے عجائبات کا تماشہ کریں گے اور ان کے چہروں پر آسودگی و اطمینان کی تازگی ہوگی''۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُوْنَ بِسِيْمٰهُمْ .... (رحمن: ۴۱)

ترجمہ: ''بدکار اپنے چہروں ہی سے پہچانے جائیں گے''۔۔۔۔

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ .... تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ط

(بقرہ: ۲۷۳)

ترجمہ: ''خیرات اللہ کے ان فقیروں کو دو جو۔۔۔۔۔۔۔۔۔تم انہیں چہروں ہی سے پہچان لو گے''۔

تلغرافی سلسلہ

ایک رسالہ میں پڑھا تھا کہ فرانس میں خاوند بیوی کا ایک جوڑا رہتا تھا جو ایک دوسرے تک اثیر کی معرفت پیغام بھیجتا تھا۔ خاوند کسی دفتر میں کلرک تھا، اگر اس کے پاس دفتر میں کوئی مہمان آ جاتا تو وہ آنکھیں بند کر کے خیال کی طاقت ور لہریں اثیر میں چھوڑتا، اور بیوی مہمان کے لیے کھانا تیار کر رکھتی۔

اسلام کی تمام اہم تواریخ میں یہ واقعہ درج ہے کہ ایک روز حضرت عمرؓ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ دورانِ خطبہ بلند آواز سے تین مرتبہ کہا:

''یا ساریة الجبل!''

ترجمہ: ''اے ساریہ! پہاڑ کے دامن میں ہو جاؤ!''

کئی سو میل دور شام میں ساریہ نے اس آواز کو سنا۔ وہ فوج کو لے کر پہاڑ کے دامن میں چلا گیا اور اس طرح اس دستہ کی تیر باری سے بچ گیا جو پچھلی طرف سے پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ آیا تھا۔

پادری لیڈ بیٹر، اپنی کتاب Invisible Helper کے صفحہ ۴۷ پر لکھتا ہے:

''ایک عورت کا بچہ ایک کھڈ کے کنارے کھیل رہا تھا کہ اس کا پاؤں پھسل گیا اور وہ اس گہرے کھڈ میں گر پڑا۔ معاً اس کے منہ سے ایک چیخ نکلی۔ اس کا گھر کافی فاصلے پر تھا، چیخ تو وہاں تک نہ پہنچ سکی، لیکن اس کی ماں فوراً بے چین ہو کر دیوانہ وار ادھر ادھر بھاگنے لگی اور بالآخر اس کھڈ پہ جا نکلی، جہاں اس کا بچہ تڑپ رہا تھا''۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ماں کو کس چیز نے بے چین کیا؟ جواب سیدھا سا ہے، کہ بچے کی چیخ میں درد و اضطراب کی وہ بجلیاں بھری ہوئی تھیں کہ اثیر میں ہیجان پیدا ہو گیا۔ جب یہ لہریں اس کی ماں تک پہنچیں، تو اسے کسی حادثے کا احساس ہوا، اور وہ بے چین ہو گئی۔

اس قسم کے واقعات ہم سب کو پیش آتے ہیں۔ دور کسی شہر میں جب کوئی عزیز کسی حادثہ یا بیماری کا شکار ہو جاتا ہے تو ہم اطلاع ملنے سے پہلے ہی بے چین سے ہو جاتے ہیں اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جب ہم کسی دوست یا عزیز کو یاد کر رہے ہوتے ہیں تو ٹھیک اس وقت وہ بھی ہمارے تصور سے باتیں کر رہا ہوتا ہے۔

کوئی ایک ہفتے کا ذکر ہے کہ میں اس کتاب کا کوئی حصہ لکھ رہا تھا کہ ایک دوست کی یاد نے بے طرح ستانا شروع کیا، یہاں تک کہ خیالات میں انتشار سا پیدا ہونے لگا، اٹھا، سائیکل لی اور اس دوست کے ہاں پہنچا، دیکھا کہ وہ میری ہی تلاش میں ادھر ادھر فون کر رہا تھا۔

اثیری پیام رسانی کا سلسلہ محبت و نفرت کی دنیا میں بہت نمایاں ہے۔ دو محبت کرنے والے دل بہ یک وقت ایک جیسی واردات سے گزرتے ہیں۔ دن کے بارہ بجے اگر ایک بے چین ہے تو دوسرے کا بھی لازماً یہی حال ہوگا۔ رات کے بارہ بجے اگر ایک جاگ رہا ہے تو دوسرا بھی کروٹیں بدل بدل کر شب غم گزار رہا ہوگا۔ یہی حال نفرت کا ہے۔ اگر آپ کسی شخص سے نفرت کرتے ہیں تو وہ بھی آپ سے نفرت کرے گا، نفرت کا جواب محبت نہ ہوا ہے نہ ہوگا۔ ٹرائن لکھتا ہے:

"Every thought is a froce that goes out and comes back laden with its kind."

ترجمہ: ”خیال ایک طاقت ہے جو دماغ سے نکلنے کے بعد ہم جنس کو لے کر واپس آتا ہے“۔

اصلاح

جب ہم کسی بزدل کو بہادر، بے حیا کو حیادار، کام چور کو محنتی اور سست کو چست بنانا چاہتے ہیں تو خیالات کی تند و تیز لہریں اس کی طرف منتقل کرتے ہیں اور وہ متاثر ہونے لگتا ہے اصلاح کی تہ میں یہی فلسفہ کارفرما ہے۔ اولاد کو اسی طرح درست کیا جاتا ہے اور تمام مصلحین اسی حربے سے کام لیتے رہے۔

باب نمبر ۳

روحانیت کا مقصد

آج سے کچھ عرصہ پہلے میں ایک صوفی کے ہاں گیا۔ کئی گھنٹے بیٹھ کر اس کی باتیں سنتا رہا۔ میں دیکھنا یہ چاہتا تھا کہ یہ باخدا انسان اس طویل سفر کی کس منزل پہ ہے اور اس کا مقصد تصوف کیا ہے؟ آپ بار بار مشاہدۂ ذات پر زور دیتے اور اس بلندی پر پہنچنے کے لیے مراقبہ و استغراق کی اہمیت کو واضح فرماتے۔ یہ تسلیم، کہ خدا کا مشاہدہ کائنات کی سب سے بڑی نعمت و مسرت ہے لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب حضرت کلیم علیہ السلام ایک چھوٹی سی تجلی کو برداشت نہ کر سکے تو ہم کم ظرف لوگ مشاہدۂ ذات کی تاب کہاں سے لائیں گے؟

بات یہ ہے کہ دورِ حاضر کے اکثر اربابِ طریقت منزل وراہِ منزل ہر دو سے نا آشنا ہیں۔ ان میں سے بعض تسبیح وتہلیل پر تو زور دیتے ہیں لیکن اپنے مرید کی عملی زندگی کو قابلِ توجہ نہیں سمجھتے۔ حالانکہ عبادت اظہارِ عبودیت کا نام ہے اور عبودیت اللہ کی مرضی میں ڈھل جانے کو کہتے ہیں، اس کے لیے دو قدم اٹھانا پڑتے ہیں:

اول: ترک گناہ

گناہ، اللہ کے خلاف بغاوت اور شیطان کی غلامی ہے۔

دوم: اللہ کے ہر حکم اور ہر اشارے کی تعمیل۔

ان دو اقدامات کے بعد انسان سراپا تسلیم بن جاتا ہے اور جب وہ حضورِ خداوندی میں سر جھکاتا ہے تو اس کی روح اور جسم میں کامل ہم آہنگی پیدا ہو جاتی ہے، جو عبادت گزار جھوٹ بولتا، ظلم توڑتا اور انسانوں کو ستاتا ہے، اس کا جسم بے شک اللہ کی عبادت کرتا ہے، لیکن روح شیطان کی غلامی میں جکڑی ہوتی ہے۔ غیر فانی روح ہے نہ کہ جسم۔ بارگاہِ ذوالجلال میں روح نے پیش ہونا ہے نہ کہ جسم نے۔ جسم لاکھ عبادت کرے، لیکن اگر روح عاصی و سرکش ہے، تو کچھ بھی نہیں!

شعبدہ بازی

اگر کوئی شخص پورے خلوص سے عبادت کرے تو اسے کئی انعامات ملتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ وہ جسم لطیف میں پرواز کر سکتا ہے۔

۲۔ وہ اثیر سے ارواح کو بلا سکتا ہے۔

۳۔ وہ صرف توجہ سے بعض امراض کو دور کر سکتا ہے۔

۴۔ کسی ظاہری سلسلے کے بغیر وہ اپنا پیغام دوسروں تک پہنچا سکتا ہے۔

۵۔ وہ غیبی آوازیں سن سکتا ہے۔

۶۔ وہ حدِ نظر سے پرے دیکھ سکتا ہے۔

۷۔ وہ بعض آنے والے واقعات کی خبر دے سکتا ہے۔

لیکن یہ تمام مدارج منزل نہیں، بلکہ نظارہ ہائے راہ ہیں۔ بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو ان میں سے کوئی طاقت حاصل کرنے کے بعد اس کی نمائش شروع کر دیتے ہیں، حالانکہ روحانیت کا تقاضا حجاب و خاموشی ہے۔ جسم لطیف میں اڑنا یا غیب کی باتیں بتانا محض ''شعبدہ بازی'' ہے اور سچے عابد کی منزل کہیں آگے ہے، یعنی کائنات و ربِ کائنات سے ہم آہنگی۔

ہم آہنگی

حسن اور صداقت ایک ہی حقیقت کے تین رخ ہیں، جن کا مظہرِ اتم اللہ ہے، اور مظہر ثانوی یہ کائنات ـ یہ کائنات کتنی حسین و عظیم ہے۔ بہاروں کا حسن کس قدر دل نواز ہے۔ سمندروں کا جلال، صحراؤں کی پہنائی اور کوہساروں کی عظمت کتنی حرارت افروز ہے۔ یہ جلال و کمال کہاں سے آیا؟ صرف تسلیم و عبودیت سے پیدا ہوا۔ اللہ نے ہر شے کے لیے ایک راہ (راہِ کمال و ارتقا) مقرر کر دی ہے جس پر وہ چارو ناچار چل رہی ہے۔ آفتاب و ماہتاب ازل سے اپنی گزرگاہوں پہ سرگرم سفر ہیں۔ نحل از ولادت تا موت شہد سازی میں مصروف رہتی ہے۔ بہار کے قافلے وقت پہ آتے اور نکل جاتے ہیں۔ ان میں سے کوئی ایک لمحہ کے لیے بھی اپنی راہ (خدائی

مشیت کی راہ، تسلیم وغلامی کی راہ) کو نہیں چھوڑتا، اور اسی تسلیم کی برکت ہے کہ کائنات کا ہر منظر جلیل وجمیل ہے۔

وَلَهُ أَسْلَمَ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ طَوْعًا وَّ كَرْهًا.

(عمران. ۸۳)

ترجمہ: ''زمین وآسمان کی ساری مخلوق اللہ کے سامنے چاروناچار جھکی ہوئی ہے''۔

یہاں تنہا انسان ایک ایسی مخلوق ہے جسے اپنی مرضی کا مالک بنا دیا گیا ہے۔ وہ کبھی کاروانِ کائنات کے ہمراہ راہِ تسلیم اختیار کر لیتا ہے اور کبھی بچھڑ جاتا ہے۔ بھیڑ ریوڑ سے جدا ہو جائے تو لقمہ گرگ بن جاتی ہے اور انسان الگ ہو جائے، تو اسے ابلیس دبوچ لیتا ہے، انسان کی عظمت وجلال کا راز قافلۂ کائنات کے ہمراہ چلنے میں ہے۔ قطرہ، سمندر سے باہر کتنا حقیر ہوتا ہے اور سمندر میں کتنا عظیم۔ لوہے کا ایک پیچ طیارے کے ساتھ ہو تو فلک پرواز، زمین پر گر جائے تو سنگ ریزہ۔ انسان کائنات کا ہم قدم بن جائے تو پوری کائنات کہلائے، ورنہ محض ایک پیکر بے ثبات ہو کر رہ جائے۔

تسلیم کے فوائد

تسلیم کے فوائد بے شمار ہیں۔ مثلاً:

۱۔ اثیر کی مخفی طاقتیں ہماری مددگار بن جاتی ہیں۔

۲۔ شخصیت دلکش ہو جاتی ہے۔

۳۔ امراض وآلام سے چھٹکارا مل جاتا ہے۔

۴۔ عمیق سکون واطمینان نصیب ہو جاتا ہے اور

۵۔ روح بلند ہوتے ہوتے حدودِ لاہوت تک جا پہنچتی ہے۔

کسی صاحبِ دل کا قول ہے:

"The individual existence begins on the physical plane and rises through successive gradations of ethereal and celestial spheres to a destiny of unspeakable grandeur and glory."

ترجمہ: ''ہر شخص کی زندگی کا آغاز کرۂ ارضی سے ہوتا ہے، اور پھر مختلف اثیری و فلکی طبقات کو طے کرنے کے بعد حسن و کمال کی انتہائی بلندیوں پر جا پہنچتی ہے''۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَالَّيْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ ۝ لَتَرْكَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ (انشقاق: ۱۶۔۱۹)

ترجمہ: ''اس شفق کی قسم (جو طلوعِ آفتاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے) رات اور اس کے فراہم کردہ نظاروں کی قسم، اس چاند کی قسم جو بدرِ منیر بن جاتا ہے کہ تم بلندی کے مختلف طبقات طے کر کے اوپر پہنچو گے''۔

ڈاکٹر الیگزینڈر کانن لکھتا ہے:

"By practising virtue we can by and by ascend to the horizon where we are blessed with communion to Him. How great are the secrets which we can learn by reaching the Universal mind of God who knows all things." (Invisible Influences, p. 14)

ترجمہ: ''نیک راہوں پہ چلنے سے ہم ایک ایسے افق پہ جا پہنچتے ہیں جہاں اللہ سے شرفِ کلام حاصل ہوتا ہے، کتنے عظیم ہیں وہ اسرار جن کا علم ہمیں علیم و خبیر رب کے آفاقی دماغ سے تعلق قائم کرنے کے بعد حاصل ہوتا ہے''۔

اللہ سے رابطہ

جب کوئی شخص گناہوں کو ترک کرنے کے بعد اللہ سے تعلق قائم کرلیتا ہے، تو یہ تعلق ایک نوری شعاع کی صورت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ اسے ایک نوری واسطہ سمجھیے، جو بندے کی دعائیں اللہ تک اور وہاں سے ہدایت وقبولیت بندے تک پہنچاتا ہے۔ غیب بین اس واسطے کو دیکھ سکتے ہیں۔

ڈاکٹر کانن لکھتے ہیں:

"Any one who meditates upon the Master makes a definite connection with Him which shows itself to a clairvoyant a line of light. The Lord feels the impact of such a line and sends out in response a steady stream of magnetism which is converted into happiness."

(Invisible Influence)

ترجمہ: ''جو شخص اللہ کی ذات میں محو ہو جاتا ہے وہ اس سے ایک ایسا رابطہ قائم کرلیتا ہے جو ایک غیب بین کو نوری خط کی صورت میں نظر آتا ہے، خدا اس نوری تعلق کو محسوس کرتا ہے اور جواباً ایسی کہربائی لہریں بھیجتا ہے جو بندے تک پہنچ کر مسرت میں بدل جاتی ہیں''۔

آدمیوں کی کئی قسمیں ہیں:۔

ایک وہ جن کے دل ہوا وہوس سے مکدر رہیں۔

دوسرے وہ صاحب علم ونظر ہیں اور ایک جہان ان سے فائدہ اٹھا رہا ہے۔

کسی دانا کا قول ہے:

"As we look around we see men at all stages of evolution. A ladder of evolution has been extended far

above as well as far below us and we see men standing upon every rung of the ladder."

ترجمہ: ''جب ہم اپنے اردگرد نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں ارتقا کی ہر منزل پر بے شمار انسان نظر آتے ہیں۔ اس کائنات میں ارتقا کی ایک سیڑھی نیچے سے اوپر تک لگی ہوئی ہے جس کے ہر زینے پر لاتعداد انسان کھڑے ہیں''۔

ان طبقات میں بہترین وہ ہے جو خالق و مخلوق کے درمیان ایک فیض رساں واسطہ بن جائے۔

"The man who aspires to approach the Supreme Master of Universe must be unselfish and devoted to the service of mankind and must function as a great beneficent force in nature. A character founded on the living rock or virtue is a continuous progressive and never-ending agency. The man who possesses it leaves its imprint not only on the sands of time but upon Eternity as well."

ترجمہ: ''جو شخص رب جلیل و جمیل تک پہنچنا چاہتا ہے۔ اسے چاہیے کہ وہ بے غرض خادمِ انساں بنے اور خدا و انسان کے درمیان ایک فیض رساں واسطہ کا کام دے۔ جس کردار کی بنیاد نیکی کی محکم چٹان پہ ڈالی جاتی ہے، وہ فیض و کرم کا ایک ایسا سرچشمہ بن جاتا ہے، جس کا بہاؤ مسلسل، روز افزوں اور غیر مختتم ہو، اس کردار کا مالک صحرائے حیات اور دنیائے ابد دونوں پر غیر فانی آثارِ قدم چھوڑ جاتا ہے''۔

اسی سے ملتا جلتا خیال ڈاکٹر کرنگٹن نے بھی پیش کیا ہے، فرماتے ہیں:۔

"The human brain, instead of being a thought-creating mechanism, is a thought-transmitting instrument premitting through it the flow of spiritual and mental energy." (Invisible world, Ed. 1947, p. 10)

ترجمہ: ''انسانی دماغ کو صرف خیال آفرینش مشین نہ سمجھیے، بلکہ یہ ایک ایسا آلہ بھی ہے، جو خیالات کو دوسروں تک منتقل کرتا ہے اور ایک ایسی وادی بھی جس میں جذباتی و روحانی توانائی کے چشمے رواں ہیں''۔

پادری لیڈ بیٹر اسی مضمون کو قدرے وضاحت سے بیان فرماتے ہیں:

"There is no denial of the fact that the man has been gifted with certain powers to influence his etheric as well as the physical world. Ordinary people turn their forces upon themselves, because they are slef-centered, but a selfless man turns himslef inside out and maintains a constant attitude of giving love and service to his fellow-beings. Every human being is in reality a transmitter of the powers within. In early stages of connection with the Source of Energy, God Himself directs the power and the man is used simply as a channel." (The Masters and the Path, p. 153)

ترجمہ: ''اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا، کہ اللہ نے انسان کو کچھ ایسی طاقتیں عطا کی ہیں، جو اس کی اثیری و خاکی دونوں دنیاؤں کو متاثر کرتی

ہیں، عام لوگ ان طاقتوں کو ذاتی مفاد کے لیے استعمال کرتے ہیں اور خود غرض کہلاتے ہیں، دوسری طرف ایک بے غرض انسان اپنی باطنی طاقتوں کو بے حجاب کرنے کے بعد خلق خدا میں خدمت ومحبت کی دولت تقسیم کرتا ہے، دراصل ہر انسان ایک ٹرانسمٹر ہے جو ان طاقتوں کو دوسروں تک پہنچاتا ہے، جب اللہ سے رابطہ قائم ہو جاتا ہے تو شروع میں ان طاقتوں کی تقسیم کا انتظام اللہ خود کرتا ہے اور انسان محض ایک واسطہ یا چینل ہوتا ہے"۔

عظمتِ رُوح

ہم بارہا کہہ چکے ہیں کہ جسم فانی ہے اور روح ازلی وابدی، روح حقیقت ہے اور جسم محض ایک چلتی پھرتی چھاؤں، روح کے تقاضوں کو نظر انداز کر کے جسمانی خواہشات کی تکمیل میں سرگرداں رہنا دانش مندی نہیں۔ اصلی عظمت روح کی عظمت ہے، جسے حاصل کرنے کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم اللہ کی خواہش میں ڈھل جائیں، عبادت، پاکیزگی اور تقویٰ کو اپنا شعار بنالیں۔ کینہ، کدورت، حرص، حسد اور دیگر جذباتِ سفلی کو جھٹک ڈالیں، دل میں نیاز و گداز اور عشق ومحبت کی دنیا بسالیں اور ہماری بصارت وسماعت کا یہ عالم ہو جائے کہ ہر ذرے میں جلوۂ طور نظر آنے لگے اور ہر موجۂ صبا نغموں کا ایک یم کانوں میں انڈیل دے۔

ٹرائن کہتا ہے:۔

"We can bring our minds into such harmony with the Divine Power that it directs illumines and energies us. To act under the guidance of this higher wisdom we become the channels through which the Infinite manifests Himself. There is power which when adequately realised and use, will lift up and intensify the individual life, and when it becomes the controlling

impulse it will remould our human relations, national and international." (In Tune with the Infinite)

ترجمہ: ''ہم خدائی طاقت کے ساتھ وہ تعلق اور ہم آہنگی پیدا کر سکتے ہیں کہ وہ ہمارے لیے ہدایت، نور اور قوت کا سر چشمہ بن جائے، اس دانش اعلیٰ سے متاثر ہونے کے بعد ہم خدائے حی و قیوم کی صفات کا مظہر بن جاتے ہیں۔ کائنات میں ایک ایسی توانائی موجود ہے کہ اگر ہم اسے حاصل کرنے کے بعد اس کا صحیح استعمال کریں تو اس سے ہماری ہستی میں وسعت و رفعت پیدا ہو جائے گی اور اگر یہی قوت ہماری محرک و رہبر ہو تو ہمارے قومی بین الاقوامی تعلقات نئی بنیادوں پر استوار ہو جائیں گے''۔

ایمرسن کا یہ قول کس قدر پر معنی ہے:

"Let a man fall into Divine Circuit and he is enlarged."

ترجمہ: ''اللہ کے دائرہ قرب میں پہنچتے ہی ایک انسان کی ہستی میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے''۔

ذکر و تسبیح

تمام انبیاء و حکمائے عالم اس حقیقت پہ متفق ہیں کہ تمام مسرتوں، لذتوں اور نعمتوں کا سر چشمہ اللہ ہے اور جب تک اس سے رابطہ نہ پیدا کیا جائے، یہ چیزیں حاصل نہیں ہو سکتیں۔ رابطہ کیسے پیدا ہو؟ یہ ہے وہ سوال، جس پر تمام نسل انسانی کے اہل علم و نظر نے صدیوں سوچا، مختلف تجربے کیے اور بالآخر کچھ اصول منضبط کیے جو بلا استثنا ہر جگہ ایک ہیں، صرف طریق کار کا فرق ہے۔ اسلامی و عیسائی تصوف ہو یا ہندی و تبتی یوگا، سب میں چند چیزیں مشترک ہیں۔ یعنی پاکیزگی افکار و اعمال، ذاتِ الٰہی میں محویت، ذکر و تسبیح، فرق صرف یہ ہے کہ مسلمان جسم و روح دونوں کے جائز تقاضوں کو پورا کرتا ہے اور ایک یوگی تمام جسمانی و مادی خواہشات کو جھٹک کر کسی غار میں جا

بیٹھتا ہے۔ اس افراط و تفریط کے باوجود صوفی و یوگی روحانی لذات سے برابر برابر متمتع ہوتے ہیں۔ جسم لطیف میں پرواز کی طاقت دونوں کو ملتی ہے۔ حدودِ زمان کو دونوں ہی پھلانگ جاتے ہیں، اور دونوں کی نظر محجوبات و دفائن کو دیکھ سکتی ہے۔

ہندوؤں کا یوگا

ہندی یوگا کے چند اصول یہ ہیں:

۱۔ بنیاما

تمام جسمانی و مادی لذات سے اعراض، مال و زر سے کامل استغنا۔

۲۔ آسنا

عبادت و ریاضت کے وقت اس طرح بیٹھنا کہ جسم کو تکلیف نہ ہو، یوگیوں کے ہاں اس قسم کے چوراسی آسن ہیں۔ مثلاً پاؤں پھیلا کر بیٹھنا، پالتی مارنا وغیرہ۔

۳۔ پران مایا

سانس روکنے کی مشق، یوگیوں کا خیال ہے کہ ہوا میں ایک طاقت "پرانا" کے نام سے موجود ہے۔ جب سانس روک لی جاتی ہے تو یہ طاقت جسم کے مختلف حصوں میں پھیل جاتی ہے۔ ساتھ ہی وہ لوگ اسمائے الٰہیہ کا ورد کرتے ہیں اور اس طرح مختلف روحانی مراکز (جو جسم میں موجود ہیں) میں ایک حرکت پیدا ہو جاتی ہے۔

۴۔ پرت یاہارا

دماغ سے ماسوئی اللہ کے تمام خیالات نکال کر سکون و یک سوئی پیدا کرنا۔

۵۔ دھرنا

یکسوئی کے بعد تمام توجہ ذات باری پر مرتکز کرنا۔

۶۔ دھیان

یہ یقین پیدا کرنا کہ کائنات میں صرف ایک ہی حقیقت موجود ہے اور اپنے آپ کو اس حقیقت کا جزو سمجھنا۔

۷۔ سمادھی

اپنے علم کو خدائی علم کا ایک حصہ سمجھنا۔ اس حالت کو انگریزی میں Cosmic Consciousness کہتے ہیں۔

ان یوگیوں کے ہاں قوت و آگاہی کے کئی مراکز ہیں۔ جن میں عبادت و ریاضت سے زندگی و توانائی پیدا کی جاسکتی ہے۔ مثلاً: (۱) ریڑھ کی ہڈی کی جڑ (۲) دل (۳) گلا (۴) ابروؤں کے درمیان (۵) دماغ وغیرہ۔ ان میں سے ہر مقام مختلف قسم کی توانائی کا مرکز ہے۔

تبت کا یوگا

اس کے اہم پہلو یہ ہیں:۔

۱۔ تساما: سیاہ غاروں میں ساری زندگی گزار دینا۔

۲۔ چاڈ: خوفناک جنگلوں میں جا بیٹھنا، ایسے یوگی کو عموماً درندے کھا جاتے ہیں۔ اس کا فلسفہ یہ ہوتا ہے:

''میں اپنا گوشت بھوکوں اور خون پیاسوں کے لیے پیش کرتا ہوں اپنی کھال ان کے حوالے کرتا ہوں جو برہنہ ہیں کہ میری کھال سے تن ڈھانک سکیں۔ اپنی ہڈیاں ان کو دیتا ہوں جو سردی سے ٹھٹھر رہے ہیں، تاکہ انہیں جلا کر آگ تاپیں، اور اپنی تمام مسرتیں ان کے حوالے کرتا ہوں جو ناشاد ہیں''۔

اس گروہ کا خیال ہے کہ روح جزو خدا ہے، اسے جسم کی آلائشوں سے پاک کرنا کمال بندگی ہے

۳۔ لنگم: طویل مسافتیں یوں طے کرنا کہ تھکان نہ ہو، اس مقصد کے لیے یہ یوگی برسوں چلتے ہیں اور تب کہیں اس مقام پر پہنچتے ہیں۔

۴۔ ٹومو: سانس کی بعض مشقوں سے جسم میں آگ بھڑکا لینا۔

ان تمام مسالک کا مرکزی نقطہ اللہ کا دھیان، ماسوئی اللہ سے اعراض، ترکِ خواہشات اور روح کی وسعت و بالیدگی ہے۔ان جوگیوں کا اس حقیقت پہ ایمان ہے کہ حقیقی و اساسی چیز روح ہے اور مادہ ''دخل در معقولات'' کی حیثیت رکھتا ہے۔آرتھر فنڈلے کا قول ہے:۔

"The real universe is the etheric, and physical matter is but an intrusion in what we call space where the real universe exists. We think it empty but it is full of life."

(On the Edge of the Etheric, p. 15)

ترجمہ: ''اصل کائنات (مادی نہیں بلکہ) اثیری ہے اور مادہ محض ''دخل در معقولات'' کی حیثیت رکھتا ہے۔ اصل کائنات اثیر میں آباد ہے، ہم اسے خالی سمجھتے ہیں لیکن دراصل یہ زندگی سے لبریز ہے۔''

عیسوی تصوّف

عیسوی تصوف کے بنیادی اصول چھ ہیں:۔

۱۔ سکون: یعنی دماغ ہر قسم کے ہیجان سے آزاد ہو، اسے کسی قسم کا کوئی خیال یا فکر پریشان نہ کر سکے، چند چیزیں سکونِ قلب کی دشمن ہیں: مثلاً کینہ، غصہ، لالچ، غیبت، بدگوئی، سازش، خودغرضی، دوسروں کے دُکھ درد سے بے اعتنائی، تعصب، نفرت، تنگ نظری، جنسی ہیجان، حسد، آلائشِ نگاہ وغیرہ۔ یہ روحانی امراض ہیں جن سے روح بے چین ہو جاتی ہے۔

۲۔ **اقوال میں پاکیزگی:** کہ منہ سے کوئی گندہ لفظ نہ نکلے۔

۳۔ نفرت سے بچنا اور ہر انسان سے محبت کرنا۔

۴۔ ہر قضا کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا اور یہ ایمان رکھنا کہ خدا مجسم محبت ہے اور اس کی طرف سے آنے والی ہر چیز خالص رحمت ہے، خواہ بظاہر وہ دُکھ ہی ہو۔

۵۔ **صبر و استقلال:** یعنی راستی و صداقت پہ پامردی سے جم جانا اور کسی ترغیب و ترہیب سے ادھر ادھر نہ ہونا۔

۶۔ یہ ایمان کہ مجھ میں نورِ خداوندی موجود ہے جس کا ظہور پاکیزگی کردار و گفتار اور طاعت و عبادت پہ منحصر ہے، عبادت سے مادیت کے کثیف و دبیز حجابات گھس جاتے ہیں اور وہ نور چھن چھن کر باہر آنے لگتا ہے۔

اس مضمون کو آر۔ ڈبلیو۔ ٹرائن یوں پیش کرتے ہیں:۔

"God is creating, working and ruling through the agency of certain laws. Every flower that blooms and every snow-flake that plays between the earth and the heavens are governed by certain unchangeable laws. There is a force which is known as the Maker of Laws. We call Him God. He fills the Universe with Himself alone, so that all is from Him and in Him and there is nothing that is outside. When we bring our lives into harmony with these great laws we open ourselves to Divine Inflow." (In Tune with the Infinite).

ترجمہ: ''اللہ، تخلیق، تدبیر اور حکومت کے فرائض بعض قوانین کی وساطت

سے سرانجام دے رہا ہے، ہر پھول جو چمن میں کھلتا، اور برف کا ہر گالا جو فضا میں رقصاں ہے، ان نا قابل تبدیل قوانین کے زیر اثر ہے۔ اس کائنات میں ایک قوت کارفرما ہے جو ان قوانین کی۔ واضع ہے، اسے ہم خدا کہتے ہیں۔ کائنات میں صرف اللہ ہی اللہ ہے۔ ہر چیز کا منبع و مسکن وہی ہے اور اس کی ذات سے باہر کچھ بھی نہیں۔ جب ہم اپنی زندگی کو ان قوانین کے سانچے میں ڈھال لیتے ہیں تو حریم دل کے پٹ کھل جاتے ہیں اور ہماری ہستی کے در و دیوار خدائی نور سے جگمگا اٹھتے ہیں''۔

قرآن میں ارشاد ہے:

يَآَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ O (حدید ۲۸)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول کو مانو، تمہیں خدائی رحمت سے دو حصے ملیں گے، اللہ تمہیں وہ نور عطا کرے گا جس کی روشنی میں تم جادۂ حیات کو طے کرو گے، اور تمہاری خطائیں معاف کر دے گا، وہ بڑا صاحب رحم و کرم ہے''۔

اسلامی تصوّف

اسلامی تصوف، غیر اسلامی تصوف سے بہ وجوہ مختلف ہے۔ ایک غیر مسلم صوفی تمام جسمانی و مادی لذات سے کنارا کش ہو جاتا ہے وہ نہ نکاح کرتا ہے، نہ مکان بناتا ہے، نہ کام کے کپڑے پہنتا، نہ کچھ کھاتا اور نہ انسانوں سے ملتا ہے۔ دوسری طرف مسلم صوفی مناسب حد تک جسمانی خواہشات کی تسکین کا سامان فراہم کرتا ہے، تاکہ جنسی و عصبی ہیجانات اس کی محویت و عبادت میں خلل انداز نہ ہوں۔ وہ نکاح کرتا، مکان بناتا، اچھے کپڑے پہنتا، رزقِ طیب سے متمتع ہوتا اور انسانوں کے ہجوم میں رہتا ہے۔ وہ نہ پہاڑوں میں بھاگتا اور نہ غاروں میں پناہ لیتا ہے،

لیکن روح کے متعلق دونوں کے تصورات بڑی حد تک ملتے جلتے ہیں۔ دونوں روح کو لافانی، حقیقی، زمان و مکان سے ورا تر اور ایک مہیب طاقت سمجھتے ہیں، جسم کی پرواز گور تک ہے اور روح کی عرش تک۔ جسمانی سمع و بصر کا دائرہ بہت محدود ہے لیکن روح کی آنکھ سے کائنات کا کوئی راز پوشیدہ نہیں اور اس کی طاقتور آواز ثریٰ سے ثریا تک ایک گونج پیدا کر دیتی ہے۔ تمام جذبات عالیہ مثلاً رحم، محبت، فیاضی وغیرہ کا منبع روح ہے۔ نیاز و گداز کے چشمے یہیں سے ابلتے ہیں۔ وجدان کی وہ آنکھ جس کی زد سے خود خدا بھی باہر نہیں یہیں کھلتی ہے۔ وہ نور، جس سے شاہراہِ حیات جگمگا اٹھتی ہے یہیں جنم لیتا ہے اور روح ہی میں وہ توانائی نہاں ہے جو فطرت کی مخفی طاقتوں کو رام بناتی اور کائنات کو تعاون پہ مجبور کر دیتی ہے۔

"With the heavens within, all heavens without will incessantly cooperate."

(Trine-In Tune with the Infinite, p. 116)

ترجمہ: ''اللہ روح کی خلوتوں میں بس جائے، تو تمام بیرونی کائنات تعاون پیہم پہ مجبور ہو جاتی ہے''۔

روح میں بالیدگی و قوت پیدا کرنے کے لیے تمام مسلم و غیر مسلم صوفیوں کے ہاں ایک ہی طریقہ ہے یعنی پہلے تمام فکری، ذہنی اور عملی آلائشوں سے پاک ہونا اور اس کے بعد عبادت یعنی محویت

عبادت سے روح کیوں توانا بنتی ہے؟

کائنات کی تمام طاقتیں ہماری امداد پہ کیوں تیار ہو جاتی ہیں؟

اس پر ہم کوئی عقلی دلیل نہیں دے سکتے لیکن یہ ایک ایسی حقیقت ہے جس پر ہم سوا لاکھ انبیاء، لاتعداد اولیاء اور کروڑوں لاموں، یوگیوں اور راہبوں کی شہادت پیش کر سکتے ہیں۔ برصغیر پاک و ہند میں بھی چند ایک نامور صوفیا تھے مثلاً نظام الدین اولیاء، خواجہ اجمیری، سلطان باہو، بابا فرید شکر گنج، بوعلی قلندر، داتا گنج بخش وغیرہ۔ ان میں سے بعض کی تصانیف موجود ہیں اور بعض کے

اقوال واشعار زبانِ خلق پہ جاری ہیں۔ یہ دانایانِ رازِ فطرت ایک ہی بات بتاتے رہے کہ اللہ کے سامنے جھکنے کے بعد تمام کائنات تمہارے سامنے جھک جائے گی۔ اگر آپ اس شہادت کو بھی ناکامی سمجھتے ہوں تو خود تجربہ کر کے دیکھ لیجیے۔ آج ہی تمام گناہوں کو چھوڑیے۔ عبادت، تلاوت و تہجد کو معمول بنایئے۔ اللہ کو اس کے پیارے ناموں سے یاد کیجیے پھر دیکھیے کہ کس طرح آپ پر مسرت و کامرانی کے تمام دروازے کھلتے چلے جاتے ہیں۔ کس طرح ساری کائنات آپ کی حفاظت واعانت کے لیے آمادہ ہو جاتی ہے، کس طرح آپ کی دُعائیں قبول ہوتی ہیں اور کیوں کر فطرت کے مخفی کارکن آپ کے اشاروں کی تعمیل کرنے لگتے ہیں۔

قرآن کا فیصلہ

اس موضوع پر قرآن عظیم کا فیصلہ سنیے:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْب (الرعد:۲۸)

ترجمہ: ''یاد رکھو! اللہ کے ذکر سے دلوں کو سکون حاصل ہوتا ہے''۔

کائنات میں بے شمار ایسے مخفی اسرار موجود ہیں، جن پر سے وجدان ہی پردہ اٹھا سکتا ہے اور حجاب سرکتے ہی عمیق ایمان و یقین کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ۝ فَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ ۝ (سورۃ النحل ۹۸-۹۹)

ترجمہ: ''حمد خدائی کے گیت گاؤ، سجدے میں گرو، اور عبادت کرو، تاکہ تمہیں نعمت یقین حاصل ہو''۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا وَمِنْ اٰنَآئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ۝

(طٰہٰ ۱۳۰)

ترجمہ: ''طلوع وغروب آفتاب سے پہلے، دورانِ شب اور دن کے کناروں

پر اللہ کی حمد و ثنا کیا کرو، تاکہ تمہیں مسرت و شادمانی نصیب ہو"۔ انسانی مساعی کی آخری منزل اللہ ہے اور اس منزل کو سر کرنے کا طریقہ یہ ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ٥ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ٥ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ٥ وَالَّذِیْنَ یُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّقُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ ٥

(المومنون ۔ ۵۷ ۔ ۶۰)

ترجمہ: "جو لوگ اللہ سے ڈرتے ہیں اس کی آیات پر ایمان رکھتے ہیں، کسی کو خدا کا شریک نہیں ٹھہراتے، اس کی راہ میں جو بن پڑے دیتے ہیں، اور ان کے دل اس خیال سے کانپتے رہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تک پہنچنا ہے (کہیں کوئی رکاوٹ نہ آ جائے)"۔

عبادت سے دُکھ درد دور ہوتے ہیں:۔

اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ.

(العنکبوت ۴۵)

ترجمہ: "عبادت (نماز) برے اعمال اور برے نتائج سے نجات دلاتی ہے اور یادِ خدا بڑی چیز ہے"۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. (الاعراف ۱۸۰)

ترجمہ: "اللہ کے نام بڑے پیارے ہیں، اسے انہی ناموں سے بلایا کرو"۔

اللہ کے پیارے بندوں کی کئی علامات ہیں:۔

تَتَجَافٰى جُنُوْبُهُمْ عَنِ الْمَضَاجِعِ یَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ خَوْفًا وَّ طَمَعًا...... (السجدۃ ۱۶)

ترجمہ: ''رات کو ان کے پہلو بستر سے الگ رہتے ہیں۔ وہ بیم و رجا کی حالت میں اللہ کو پکارتے ہیں۔۔۔۔۔۔''

وَالَّذِیْنَ یَبِیْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِیَامًا۔ (سورۃ الفرقان ۲۴)

ترجمہ: ''یہ لوگ اپنی راتیں قیام و سجدہ میں گزار دیتے ہیں''۔

قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى o وَ ذَكَرَاسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔

(سورۃ الاعلیٰ: ۱۴۔۱۵)

ترجمہ: ''وہ شخص جیت گیا جس نے گناہ کو جھٹک دیا اور صلوٰۃ و تسبیح کو اپنا معمول بنالیا''۔

ایک عابد منزل بہ منزل اللہ کی طرف بڑھتا ہے۔

یٰاَیُّهَا الْاِنْسَانُ اِنَّكَ كَادِحٌ اِلٰى رَبِّكَ كَدْحًا فَمُلٰقِیْهِ۔

(الانشقاق: ۶)

ترجمہ: ''اے انسان! تم اللہ تک پہنچنے کے لیے بڑے دُکھ اٹھا رہے ہو اور بالآخر اس سے جا ہی ملو گے''۔

قطرے کا کمال یہی ہے کہ وہ سمندر میں مل کر سمندر بن جائے اور روح کی انتہائی کامیابی یہ ہے کہ وہ خدائے بے کراں سے مل کر بے کراں ہو جائے۔

وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ۔ (العلق ۹۶:۱۹)

ترجمہ: ''سجدے میں گرو، اور اس طرح اللہ کے قریب ہو جاؤ''۔

آفاقیت

سمندر کی سطح پہ نگاہ ڈالیے، آپ کو کوہ پیکر موجیں ایک دوسرے سے ٹکراتی نظر آئیں گی۔ لیکن اگر آپ سمندر کی گہرائیوں میں اتر جائیں تو وہاں آپ کو مکمل سکون ملے گا۔ یہی حال مذہب کا ہے۔ بظاہر ہر مذہب دوسرے سے متصادم نظر آتا ہے، لیکن من کی دنیا میں کامل سکون، ہم

آہنگی ہے۔ لاما، یوگی، راہب اور صوفی سب کے سب ماسوئی اللہ کو چھوڑ کر تصورِ ذات میں ڈوبے ہوئے ہیں، اور روح کی وسعتوں میں اللہ کو ڈھونڈ رہے ہیں۔

بقول حکیمے:

"This is through your own soul that the voice of God will speak to you."

ترجمہ: ''یہ تمہاری روح ہی ہے جس کی وساطت سے اللہ تم سے باتیں کرے گا''۔

مذہب صداقت کا نام ہے اور صداقت مرادفِ مسرت ہے، اختلاف رسوم وشعائر میں ہوتا ہے نہ کہ مذہب میں۔ مذہب اس سرور و کیف کا نام ہے جو اس استغراق و محویت سے جنم لیتا ہے اور یہ چیز معرضِ اختلاف بن ہی نہیں سکتی۔

"Religion in true sense is the most joyous thing the human soul can know. It is an agent of peace and happiness. Let our temples grasp these truths and then such crowds will flock to them that their walls will seem to burst." (In Tune with the Infinite, p. 208)

ترجمہ: ''مذہب درحقیقت روح کے لیے ایک نہایت سکوں بخش چیز ہے۔ یہ قرار و مسرت کا سرچشمہ ہے، اگر ہماری عبادت گاہوں کو یہ سچائی معلوم ہو جائے تو ان میں خلقت کا وہ ہجوم ہو کہ دباؤ سے ان کی دیواریں شق ہونے لگیں''۔

ٹینی سن کا مندر

ٹینی سن کو خواب میں ایک ایسا ہی معبد نظر آیا تھا۔ لکھتا ہے:

"I dreamed that stone by stone I reached a

sacred temple, neither pagoda nor mosque nor church, but loftier and simpler, always open-doored to every breath from heaven, then Truth, Love, Peace and Justice came and dwelt therein."

ترجمہ: ''خواب میں کیا دیکھتا ہوں کہ پتھروں پہ چڑھتے چڑھتے میں ایک مقدس مندر میں جا پہنچا ہوں جو نہ پگوڈا (بدھی معبد) تھا، نہ مسجد، نہ کلیسا، بلکہ ان تمام سے اونچا اور سادہ تھا، اس کے دروازے انفاس جنت کے لیے وا تھے، اس کے بعد صداقت، محبت، سکون اور انصاف آئے اور اس مندر میں آباد ہو گئے''۔

پروفیسر ولیم براؤن اسی مضمون کو یوں ادا کرتا ہے:

"Sin is a change from the simple to the complex or from unity to multiplicity. Truth is simple, error is complex. Health is a simple thing, it is the disease which is complex. There is one way of hitting the mark but innumerable ways of missing it."

(Science & Personality, p. 24)

ترجمہ: ''گناہ دراصل ایک تبدیلی ہے، بسیط سے مرکب یا وحدت سے کثرت کی طرف، صداقت بسیط ہے اور ضلالت مرکب، صحت بسیط ہے اور مرض مرکب، نشانے پہ تیر لگانے کا راستہ تو ایک ہی ہے، لیکن نشانہ چوک جانے کے طریقے لاتعداد ہیں''۔

علمِ خاص

آپ نے پڑھا ہوگا کہ فلاں بزرگ ہوا میں اڑتے تھے، آنے والے واقعات کی خبریں

سناتے تھے۔ بہ یک وقت کئی مقامات پر موجود ہوتے تھے، اور دوسرے کے دل کی بات بوجھ لیتے تھے۔ سوال یہ ہے کہ کیا ان داستانوں میں کوئی حقیقت ہے؟ کیا کلام انبیاء اور صحائف سے اس کی تصدیق ہوسکتی ہے؟ میں یہاں صحائف سابقہ کو نظر انداز کر کے صرف قرآنِ عظیم کو لیتا ہوں اور آپ کو دو کہانیاں سناتا ہوں:

اول: سورۂ کہف میں درج ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے خادم کے ہمراہ ایک ایسے مقام کی طرف جا رہے تھے جہاں دو سمندر ملتے تھے اور غالباً یہ وہ مقام ہے جہاں آج کل نہر سویز ہے۔ ایک طرف بحیرۂ قلزم، دوسری طرف بحیرۂ روم اور درمیان میں خشکی ہے۔ ایک مقام پر پہنچ کر موسیٰ علیہ السلام نے ناشتہ طلب فرمایا۔ خادم کہنے لگا کہ ناشتے کے لیے ہمارے پاس صرف ایک مچھلی تھی، جب ہم فلاں چٹان کے دامن میں ٹھہرے تو وہ مچھلی دریا میں سرک گئی۔ موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ہم اسی مقام کی تلاش میں تھے۔ چنانچہ وہ واپس لوٹے، وہاں پہنچے:

فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَآ اٰتَيْنٰهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَ عَلَّمْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا عِلْمًا ٥ قَالَ لَهٗ مُوْسٰى هَلْ اَتَّبِعُكَ عَلٰٓى اَنْ تُعَلِّمَنِ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا ٥ (الکھف ۶۵۔۶۶)

ترجمہ: ''تو ہمارے ایک بندے سے ملاقات ہوئی، جس پر ہماری رحمتیں برستی تھیں اور جسے ہم نے ایک خاص علم سے نوازا ہوا تھا۔ موسیٰ نے کہا کہ، اگر میں آپ کی متابعت اختیار کروں تو کیا آپ مجھے یہ علم سکھا دیں گے؟''

اس بندے (خضر علیہ السلام) نے جواب دیا کہ اس علم کے لیے بڑے حوصلے، صبر اور ظرف کی ضرورت ہے جس سے تم محروم ہو، موسیٰ نے اصرار کیا تو وہ راضی ہوگئے۔ وہاں سے چل پڑے اور اس کے بعد

ع کشتی، مسکین و جانِ پاک و دیوارِ یتیم

کے تین واقعات پیش آئے۔ پہلے میں خضر علیہ السلام کو بہت دور سے وہ ظالم بادشاہ نظر آگیا جو غریب ملاحوں سے ان کی کشتیاں چھین لیا کرتا تھا۔ دوسرے میں اس لڑکے کے ان

مظالم کا نقشہ آنکھوں کے سامنے پھر گیا جو اس نے جواں ہو کر اپنے والدین اور دیگر لوگوں پہ توڑنا تھے۔ تیسرے میں اس نے زمین کے پردوں میں خزانہ دیکھ لیا تھا۔ ظاہر ہے کہ خضر علیہ السلام کے پاس نہ دوربین تھی نہ خوردبین۔ اس نے انہی آنکھوں سے یہ چیزیں دیکھی ہوں گی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نظر میں یہ حیرت انگیز رسائی و تیزی کہاں سے آ گئی تھی؟ صرف ایک ہی جواب ممکن ہے کہ اس نے یہ دولت عبادت سے حاصل کی تھی۔ آج تبت میں ایک نہیں، بیسیوں ایسے لامے موجود ہیں جو برسوں کی ریاضت کے بعد ہوا میں اڑنے، ہزاروں میل دور کی چیز دیکھنے اور آنے والے واقعات بتانے کی صلاحیت پیدا کر لیتے ہیں۔ اس سلسلے میں چند حکایات آگے آئیں گی۔

دوم: سورۃ النمل میں مذکور ہے کہ جب ہُد ہُد نے حضرت سلیمان علیہ السّلام کو بتایا کہ سبا (یمن) میں ایک ملکہ (بلقیس) بڑے ٹھاٹھ سے رہتی ہے تو حضرت سلیمانؑ نے فرمایا کہ میں اس کا تخت یہاں منگوانا چاہتا ہوں، یہ کام کون کرے گا؟

قَالَ عِفْرِيْتٌ مِّنَ الْجِنِّ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ تَقُوْمَ مِنْ مَّقَامِكَ ج وَاِنِّيْ عَلَيْهِ لَقَوِيٌّ اَمِيْنٌ o قَالَ الَّذِيْ عِنْدَهٗ عِلْمٌ مِّنَ الْكِتٰبِ اَنَا اٰتِيْكَ بِهٖ قَبْلَ اَنْ يَّرْتَدَّ اِلَيْكَ طَرْفُكَ فَلَمَّا رَاٰهُ مُسْتَقِرًّا عِنْدَهٗ قَالَ هٰذَا مِنْ فَضْلِ رَبِّيْ. (النمل ۳۹. ۴۰)

ترجمہ: ''ایک دیو ہیکل راکشس نے کہا، قبل اس کے کہ آپ اس مقام سے اٹھیں، میں لے آؤں گا، میں اس بات کی طاقت رکھتا ہوں اور دیانت دار بھی ہوں۔ ایک اور آدمی جس کے پاس ہماری خاص کتاب کا خاص علم تھا، کہنے لگا میں یہ تخت آنکھ جھپکنے سے پہلے حاضر کر دوں گا اور جب وہ تخت سامنے آ گیا تو سلیمانؑ نے کہا، مجھ پر میرے رب کی یہ خاص نوازش ہے''۔

یہ ہے علم خاص کی طاقت کہ ہزاروں میل دور کی چیز ایک لمحے میں سامنے آ گئی۔ یہی وہ علم تھا جس کے بل پر سلیمانؑ کا تخت ہوا میں اڑتا تھا، جس کی مدد سے وہ پرندوں کی زبان سمجھ لیتے

تھے اور جنات پر بھی حکومت چلاتے تھے۔

یہ علم کسی زمینی کتاب میں موجود نہیں، نہ درس گاہوں میں اس کی تعلیم دی جاتی ہے، بلکہ اس کے دھارے روح سے پھوٹتے ہیں، جب ایک انسان ترکِ گناہ کے بعد عبادت کو اپنا معمول بنالیتا ہے۔رات کے پرسکون ماحول میں اللہ کو پکارتا ہے تو رفتہ رفتہ دل میں یہ یقین پیدا ہو جاتا ہے کہ اب میری کوئی صدا بےکار نہیں جائے گی۔اب میں اپنے رب سے بہت قریب ہوں اور خیر کی تمام طاقتیں میری امداد پر آمادہ ہیں۔

بوعلی قلندر کی کہانی

کچھ ایسے ہی ایمان واحساس کا نتیجہ تھا۔وہ پیغام جو حضرت بوعلی قلندر نے شاہِ وقت کو بھیجا تھا۔

باز خواں ایں عامل بدگو ہرے
ورنہ بخشم مُلکِ تو با دیگرے

(اس بد گُہر کوتوال کو فوراً واپس طلب کرو، ورنہ میں تمہاری سلطنت کسی اور کے حوالے کردوں گا)

ایمان وایقان کی یہ کیفیت شب خیزی سے پیدا ہوتی ہے،کس قدر بدنصیب ہیں وہ لوگ جو قوت وعظمت کے اس سرچشمہ سے بے خبر ہیں:۔

اَمَّنْ هُوَ قَانِتٌ اٰنَآءَ الَّيْلِ سَاجِدًا وَّ قَآئِمًا يَّحْذَرُ الْاٰخِرَةَ وَ يَرْجُوْا رَحْمَةَ رَبِّهٖ ط قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الَّذِيْنَ يَعْلَمُوْنَ وَالَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ ط اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ.

(الزمر:۹)

ترجمہ:''کیا وہ شخص، جو رات کو قیام وسجود کی حالت میں اللہ کو بلاتا، پاداشِ اعمال سے ڈرتا اور رحمت الٰہی کی امید رکھتا ہے، اور وہ شخص جو ان صفات

سے محروم ہے، برابر ہو سکتے ہیں؟ اے رسول! انہیں کہہ دو کہ اربابِ علم اور جاہل برابر نہیں ہو سکتے، یہ باتیں دانش مندوں کے لیے بیان ہوئی ہیں"۔

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ آیۂ بالا میں اللہ نے عبادت کو علم کہہ دیا ہے اور یہ بوجوہ درست ہے کیونکہ علم ایک ایسی قوت ہے جو کائنات کو مسخر کر سکتی ہے اور عبادت وہ توانائی ہے جو حدودِ زمان و مکان کو توڑ کر ہمیں رب کائنات کے جوار میں پہنچا سکتی ہے۔ اس سے دل مسخر ہوتے ہیں، اسرارِ غیب نظر آتے ہیں اور کائنات کی وسعتیں سمٹ جاتی ہیں۔ علم سے دماغ کو اور عبادت سے روح کو نور عطا ہوتا ہے۔ فرشتوں پر انسان کی فوقیت علم کی وجہ سے تھی اور انسانوں پر انسان کی برتری عبادت کی وجہ سے ہے۔

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ. (حجرات)

ترجمہ: "تم میں سب سے بڑا وہ ہے جو سب سے زیادہ پرہیز گار ہو"۔

باب نمبر ۴

اللہ سے رابطہ

تفاصیل گزشتہ کا ماحصل یہ، کہ تصوف کا مقصد اللہ سے رابطہ قائم کرنا ہے، اور اس رابطے کے فوائد بے شمار ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:۔

ہدایت

ہدایت سے مراد دماغ میں صحیح تجاویز کا القا ہے۔ اعمال کی دو ہی قسمیں ہیں۔ مفید، اور مضر، زندگی میں قدم قدم پر ایسے مقام آتے ہیں، جہاں یہ فیصلہ کرنا دشوار ہو جاتا ہے، کہ کیا کیا جائے۔ سامنے کئی تجاویز ہوتی ہیں اور سمجھ میں نہیں آتا کہ کس پر عمل کیا جائے۔ حیرت و بے بسی کے یہی وہ مقامات ہیں، جہاں انسان اپنے دماغ پہ دباؤ ڈالتا، دوسروں سے مشورے لیتا اور کئی راتیں بیداری میں کاٹ دیتا ہے، اگر انسان کا رابطہ اللہ سے قائم ہو جائے، تر کاسمک ورلڈ سے نہایت عمدہ تجاویز دماغ میں آتی ہیں، جن کا نتیجہ لازماً بہتر نکلتا ہے، اور اگر سیہ کاری و نافرمانی کی وجہ سے یہ رابطہ ٹوٹ چکا ہو، تو پھر یہ تجاویز شیطان کی طرف سے آتی ہیں اور ان کا نتیجہ ہمیشہ خراب ہوتا ہے۔ انسان مستقبل کو نہیں دیکھ سکتا اور اس لیے ہر کام میں ڈرتے ڈرتے ہاتھ ڈالتا ہے۔ کس قدر خوش نصیب ہیں وہ لوگ جنہیں اس قسم کے مشورے ان طاقتوں سے ملیں جن کی حکمت و دانش کا کوئی کنارہ نہیں اور جن کے سامنے مستقبل ماضی سے زیادہ بے حجاب ہے:

اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ یَهْدِیْهِمْ رَبُّهُمْ بِاِیْمَانِهِمْ. (یونس:۹)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لانے کے بعد نیک عمل کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں ان کے ایمان کی وجہ سے سیدھی راہیں سُجھاتا ہے''۔

وَمَنْ یُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ یَهْدِ قَلْبَهٗ ط (التغابن:۱۱)

ترجمہ: ''جو شخص اللہ پر ایمان لاتا ہے، اللہ اس کے دل کو سیدھی راہ پر ڈال دیتا ہے''۔

قبول دُعا

نیک آدمی کی ہر جائز دُعا قبول ہوتی ہے:

وَيَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ يَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ؕ (الشوریٰ:٢٦)

ترجمہ: ''اللہ ایمان داروں کی دعائیں سنتا اور ان پر زیادہ نوازشات کرتا ہے''۔

وَمَا دُعٰٓؤُا الْكٰفِرِيْنَ اِلَّا فِيْ ضَلٰلٍ. (المومن٤٠:٥٠)

ترجمہ: ''کافروں کی دُعا اور پکار ادھر ادھر بھٹکتی رہتی ہے''۔

فراخیٔ رزق

رزق فراخ ہوتا ہے اور زندگی چین سے بسر ہوتی ہے:

فَقُلْتُ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ اِنَّهٗ كَانَ غَفَّارًا ۝ يُّرْسِلِ السَّمَآءَ عَلَيْكُمْ مِّدْرَارًا ۝ وَّ يُمْدِدْكُمْ بِاَمْوَالٍ وَّ بَنِيْنَ وَ يَجْعَلْ لَّكُمْ جَنّٰتٍ وَّ يَجْعَلْ لَّكُمْ اَنْهٰرًا ۝ (نوح:٩)

ترجمہ: ''میں (نوح) نے اپنی قوم سے کہا کہ اللہ سے گناہوں کی معافی مانگو کہ وہ بخشنے والا ہے، اس کے بعد وہ تمہاری کھیتیوں پر چھما چھم بارشیں برسائے گا، مال و اولاد سے تمہاری مدد کرے گا اور تمہیں باغات و انہار کا مالک بنادے گا''۔

یہ تمام نعمتیں اللہ کے ہاتھ میں ہیں اور اللہ کے پیارے بندے ان کے زیادہ مستحق ہیں، اللہ کی سنت عامہ یہی ہے کہ اس کے محبوب بندے قلت و فاقہ کا شکار نہیں ہوتے، یہ الگ بات ہے

کہ فاروقؓ وحیدرؓ دنیوی نعمتوں کی پروانہ کریں، اور جو کچھ ہاتھ آئے، خواہ وہ کسریٰ کے لامحدود خزائن ہی ہوں فوراً اللہ کی راہ میں تقسیم کردیں۔

برے سے برا آدمی بھی گاہے ماہے کوئی نیکی کا کام کرگزرتا ہے، اسے ان اعمال کا بدلہ اسی زندگی میں مل جاتا ہے اور آخرت کی تمام نعمتوں سے اسے محروم کردیا جاتا ہے، کیا اس سے بڑی کوئی سزا ہوسکتی ہے کہ کسی شخص کو چند روز کے لیے کچھ آرام دے کر پھر ہمیشہ کے لیے بھڑکتے ہوئے جہنم میں پھینک دیا جائے۔

وَ يَوْمَ يُعْرَضُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ ط اَذْهَبْتُمْ طَيِّبٰتِكُمْ فِيْ حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَ اسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا ج فَالْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِي الْاَرْضِ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَ بِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ ؈ (الاحقاف:۲۰)

ترجمہ: ’’محشر میں کفار کو آگ کے سامنے لاکر کہا جائے گا کہ تم دنیوی زندگی میں اللہ کی نعمتوں سے متمتع ہوچکے ہو، اب تمہیں ذلت کی ماردی جائے گی کیونکہ تم ناحق دنیا میں اکڑتے اور بدکاری کرتے رہے‘‘۔

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا نُوَفِّ اِلَيْهِمْ اَعْمَالَهُمْ فِيْهَا وَ هُمْ فِيْهَا لَا يُبْخَسُوْنَ ؈ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَيْسَ لَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ اِلَّا النَّارُ (ھود:۱۵۔۱۶)

ترجمہ: ’’جو شخص اس زندگی کی لذتیں چاہتا ہے، ہم اس کے اچھے اعمال کا بدلہ یہیں چکا دیتے ہیں اور کوئی کمی نہیں کرتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے لیے آخرت میں آگ کے سوا کچھ نہیں ہوگا‘‘۔

نیکی اور باطمینان زندگی لازم وملزوم ہیں:

اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ طُوْبٰى لَهُمْ وَ حُسْنُ مَاٰبٍ ؈

(الرعد:۲۹)

ترجمہ: ''پاکیزہ اعمال ایمانداروں کو ہم آسودہ زندگی اور عمدہ انجام کی بشارت دیتے ہیں''۔

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ○ (الاحقاف : ۱۳)

ترجمہ: ''جولوگ اللہ کو رب تسلیم کرنے کے بعد سیدھی راہ پر جم جاتے ہیں وہ ہر قسم کے خوف وملال سے بچے رہتے ہیں''۔

مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْیِیَنَّهٗ حَیٰوةً طَیِّبَةً وَ لَنَجْزِیَنَّهُمْ اَجْرَهُمْ بِاَحْسَنِ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ ○ (النحل:۹۷)

ترجمہ: ''جو ایمان دار مرد یا عورت نیک کام کرے، ہم اسے ایک عمدہ زندگی بسر کرنے کے لیے آسانیاں فراہم کریں گے اور اس کے اچھے اعمال کا بہترین اجر دیں گے''۔

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَیْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ○ (الحج ۲۲:۷۷)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کے سامنے جھکو، سجدے میں گرو، اس کی عبادت کرو اور نیکی کو اپنا شعار بنالو تاکہ تمہیں فلاح وکامرانی حاصل ہو''۔

دُکھ سے نجات

آج یورپ کے غیب بینوں نے اس حقیقت کو پالیا ہے کہ گناہ دماغی پریشانی اور بیماری کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ اگر زندگی سے گناہ کو نکال دیا جائے، تو نہ پریشانی رہے گی، نہ بیماری۔ قرآن اس کی یوں تصدیق کرتا ہے:

وَیُنَجِّی اللّٰهُ الَّذِیْنَ اتَّقَوْا بِمَفَازَتِهِمْ لَا یَمَسُّهُمُ السُّوْٓءُ وَلَا

هُمْ یَحْزَنُوْنَ○ (الزمر :۶۱)

ترجمہ: ''اللہ نیک لوگوں کو ہر الجھن سے کامیاب بنا کر نکالتا ہے انہیں نہ کوئی دُکھ ستا سکتا ہے اور نہ پریشانی''۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَیِّاٰتِهِمْ.

(العنکبوت ۷)

ترجمہ: ''ہم نیک اور ایمان داروں کے دکھ درد یقیناً دور کریں گے''۔

بات میں وزن

کیا کبھی آپ نے اس پر غور فرمایا کہ دنیائے اسلام میں اہل علم تو لاکھوں پیدا ہوئے لیکن جو مقبولیت رومی، غزالی، سعدی، حافظ ابن حنبل، ابنِ تیمیہ جیسے اہل دل کے کلام کو حاصل ہوئی وہ دوسروں کو نہ مل سکی۔ کیوں؟

کیا سعدی، قاآنی سے بڑا شاعر تھا؟

کیا ابن حنبل اور غزالی، حریری اور بدیع الزمان ہمدانی سے بہتر عربی لکھ سکتے تھے؟

کیا رومی کی تصانیف، ابن طولون مصری (ساڑھے سات سو کتابوں کے مصنف) سے زیادہ تھیں؟

بات ایک ہی تھی کہ ان کا رابطہ اللہ سے قائم تھا اور جب اللہ کسی پر مہربان ہو جاتا ہے تو ہر دل میں اس کے متعلق جذباتِ عزت و احترام بھر دیتا ہے، لوگ اس کی طرف کھنچتے چلے جاتے ہیں اور اس طرح اس کی مقبولیت کا دائرہ وسیع ہوتا جاتا ہے۔

بقول غالبؔ

سب کے دل میں ہے جگہ تیری، جو تو راضی ہوا
مجھ پہ گویا اک زمانہ مہرباں ہو جائے گا

یہ بات آج تک نہیں ہوئی کہ کوئی بدکردار دنیا میں مقبول ہوا ہو۔ ہلاکو، چنگیز، یزید اور

نیر دمشہور ضرور ہوئے لیکن ساری کائنات میں انہیں اچھا کہنے والا کوئی نہیں تھا۔

مقبولیت حسنِ کردار کا ثمر ہے۔ شاعر ہو یا مصور، فلسفی ہو یا محاسب، محدث ہو یا مفسر، دلوں میں تبھی مقام پیدا کر سکتا ہے کہ اس کا تعلق اللہ سے قائم ہو۔

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَ الْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ ط

(فاطر: ۱۰)

ترجمہ: ''پاک کلام، اللہ کی طرف اٹھتا ہے اور نیک اعمال اسے اور بلند کر دیتے ہیں''۔

اس سے زیادہ واضح یہ آیت ہے:۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّیْلِ هِیَ اَشَدُّ وَطْاً وَّ اَقْوَمُ قِیْلًا ط (مزمل: ٦)

ترجمہ: ''عبادت کے لیے شب بیداری کردار کو مضبوط اور گفتار کو باوزن بنا دیتی ہے''۔

پرسنلٹی میں کشش

کردار پاکیزہ ہو تو صاحب کردار میں ایک مقناطیسی کشش پیدا ہو جاتی ہے جو دوسروں کو کھینچتی ہے۔ یہ کشش عبادت سے بڑھ جاتی ہے۔ اگر عبادت بہت زیادہ ہو تو عابد، معبود، خلائق بن جاتا ہے۔ یقین نہ آئے تو داتا گنج بخشؒ، خواجہ اجمیریؒ اور دیگر اولیاء کے مزارات پر جایئے اور پروانوں کے عشق وہجوم کا اندازہ کیجیے۔

نور

پانچ چیزوں سے چہرے میں چمک آتی ہے۔

۱۔ بچپن

۲۔ جوانی

۳۔ عمدہ غذا، ورزش، سیر وغیرہ

۴۔ علم

عالم کا چہرہ سڈول، روشن اور دل کش ہوتا ہے اور جاہل کا چہرہ مسخ شدہ، بدنما اور نفرت انگیز۔

۵۔ نورِ عبادت

بچپن کی چمک دو برس رہتی ہے۔

ورزش اور جوانی کا نور تیس برس تک ساتھ دیتا ہے۔

علم کی چمک ۴۵ سال کے بعد شاذ و نادر ہی باقی رہتی ہے۔

کائنات میں ایک اور صرف ایک ایسی چمک ہے جو بڑھتی ہی چلی جاتی ہے اور وہ ہے ''نورِ عبادت''۔ اسے حاصل کرنے کی شرط یہ ہے کہ تمام اخلاقی عیوب و رذائل سے بچ کر عبادت کی جائے۔ علم کا نور زیادہ سے زیادہ ۴۵ سال کی عمر تک رہتا ہے۔ اگر علم کے ساتھ عبادت شروع نہ ہو تو رفتہ رفتہ چہرے کی ہڈیاں کج ہو جاتی ہیں۔ منہ پر نحوست برسنے لگتی ہے اور انسان ذلیل و قابلِ نفرت بن جاتا ہے۔ اگر یقین نہ آئے تو اپنے اردگرد نگاہ ڈالیے، آپ ہر عابد کا چہرہ پُرنور اور غیر عابد کا خشک، گرد آلود اور منحوس پائیں گے۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ وَالشُّهَدَاۗءُ عِنْدَ رَبِّهِمْ لَهُمْ اَجْرُهُمْ وَنُوْرُهُمْ.

(الحدید ۱۹)

ترجمہ: ''جو لوگ خدا اور اس کے انبیاء پہ ایمان لاتے ہیں وہ اللہ کے ہاں صدیق و شہداء کا رتبہ پاتے ہیں، انہیں ان کا اجر بھی ملتا ہے اور نور بھی''۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗــــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ.

(البقرہ ۲:۲۵۷)

ترجمہ: ''اللہ اہل ایمان کا دوست ہے، انہیں تاریکی سے نکال کر نور کی طرف لے جاتا ہے اور کافروں کی دوستی شیطان سے ہوتی ہے جو انہیں نور سے اندھیرے کی طرف لے جاتا ہے''۔

دانش

نیک لوگوں کو علم و دانش کی دولت عطا ہوتی ہے:۔

وَلَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَاسْتَوٰۤى اٰتَیْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ۝ (القصص ۲۸:۱۴)

ترجمہ: ''جب موسیٰ بالغ ہوا تو ہم نے اسے علم و حکمت سے نوازا، اور ہم نیک لوگوں کو اسی طرح اجر دیا کرتے ہیں''۔

کسی کتاب میں ایک کہانی پڑھی تھی کہ ایک طالب علم امام وکیع کے ہاں گیا:

شکوت الی وکیع سوء حفظی
فاوصانی الی ترک المعاصی
لان العلم نور من الله
و نور الله لا یعطی لعاصی

ترجمہ: ''میں نے وکیع کے سامنے نسیان کی شکایت کی تو فرمانے لگے: کہ گناہ چھوڑ دو، کیونکہ علم اللہ کا نور ہے جو گنہگار کو نہیں ملتا''۔

حفاظت

نیک انسان اللہ کی پناہ میں آجاتا ہے اور اس کے بعد نہ وہ کسی حادثے کا شکار ہوتا ہے، نہ اُسے سانپ ڈس سکتا ہے اور نہ کسی مرض میں مبتلا ہوتا ہے۔ سانپ کیسے ڈسے، جب:

مَا مِنْ دَآبَّةٍ اِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِیَتِهَا ؕ (ھود ۱۱:۵۶)

ترجمہ: ''ہر جاندار کی چوٹی اللہ کے ہاتھ میں ہے''۔

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اللہ کسی سانپ کی چوٹی سے پکڑ کر اپنے کسی نیک بندے پہ پھینک دے۔ یہ زہریلے جانور خدا ترکش کے تیر ہیں اور یہ وہیں پڑیں گے جہاں وہ تیرانداز پھینکے گا۔

گرچہ تیر از کماں ہمی گزرو

از کماندار بیند اہل خرد

(سعدی)

ترجمہ: ''اگرچہ تیر کمان سے گزرتا ہے لیکن دانش مند کو کمان کے پیچھے ایک کمان والا بھی نظر آتا ہے''۔

چنگیز و ہلاکو وغیرہ محض کمان تھے، جن سے لاکھوں تیر نکل کر دنیائے انسانی تک پہنچے، کمان والا کوئی اور تھا اور یہ تیر اسی کے چلائے ہوئے تھے۔

موسیٰ علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ جب اللہ کے تیر مرض، مرگ، حادثہ و غم کی صورت میں ہر چار سو چل رہے ہیں تو ہم کہاں بچیں۔ فرمایا کہ تیرانداز کے پہلو میں آجاؤ۔

وَمَنْ يُّهِنِ اللّٰهُ فَمَالَهٗ مِنْ مُّكْرِمٍ (الحج ۲۲:۱۸)

ترجمہ: ''جسے اللہ ذلیل کردے اسے کوئی شخص عزت نہیں دے سکتا''۔

ملائکہ کی دُعائیں

نیکوں کے لیے فرشتے دُعائیں مانگتے ہیں:۔

اَلَّذِيْنَ يَحْمِلُوْنَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهٗ يُسَبِّحُوْنَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَ يَسْتَغْفِرُوْنَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ج رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِ ۝ رَبَّنَا وَ اَدْخِلْهُمْ جَنّٰتِ عَدْنِ الَّتِيْ وَعَدْتَّهُمْ وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ ط

اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ o وَقِهِمُ السَّيِّاٰتِ ط وَمَنْ تَقِ السَّيِّاٰتِ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمْتَهٗ ط وَ ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ o

(المؤمن: ۷۔ ۹)

ترجمہ: ''عرش کو اٹھانے والے اور اسی ماحول کے دیگر فرشتے حمدِ خداوند کے گیت گاتے، اس پر ایمان لاتے اور اہل ایمان کے لیے یوں دُعا مانگتے ہیں۔ اے رب! تیری رحمت اور تیرا علم تمام کائنات کو محیط ہے، تو ان لوگوں کی خطائیں معاف کر، جو گناہ سے تائب ہونے کے بعد تیری راہ پر چل پڑے ہیں، انہیں عذاب جہنم سے بچا اور جنت عدن میں پہنچا کہ تو نے ان سے جنت کا وعدہ کر رکھا ہے، ان کے ہمراہ ان کے نیک آباؤ اجداد، بیویوں اور بچوں کو بھی جگہ دے کہ تو ہر چیز پر غالب اور صاحبِ حکمت ہے۔ ان لوگوں کو گناہ سے دور رکھ۔ آج اس دنیا میں تو نے جس شخص کو گناہ سے بچالیا، اس پہ بڑا رحم کیا، گناہ سے بچنا بہت بڑی کامیابی ہے''۔

مختلف پیرائے

غور فرمایئے کہ اللہ نے انسان کو گناہ سے بچانے کے لیے کتنے مختلف انداز ہائے بیان اختیار کیے ہیں۔ داستانوں، تمثیلوں، کہاوتوں اور ترغیب وترہیب سے واضح فرمایا ہے کہ گناہ کرو گے تو پٹ جاؤ گے، ناکام رہو گے، ذلیل ورسوا ہو جاؤ گے، چہرے مسخ کرالو گے۔ گھروں میں دُکھ، بے چینی اور غم بھر لو گے، خفیہ طاقتوں کی حفاظت سے محروم ہو جاؤ گے اور زندگی میں کبھی خوشی کا منہ نہ دیکھو گے۔ لیکن انسان اس قدر ڈھیٹ واقع ہوا ہے کہ سب کچھ سمجھنے اور دیکھنے کے بعد بھی شیطان کے پیچھے بھاگا جا رہا ہے اور کسی صدا وندا کی پروا نہیں کرتا۔

اس بات کو کبھی مت بھولیے کہ

اِنَّ رَبَّكَ لَبِالْمِرْصَادِ ط (الفجر: ۱۴)

ترجمہ: ''آپ کا رب آپ کی گھات میں ہے''۔

مکافاتِ عمل کی خدائی چکیاں بے محابا چل رہی ہیں جن میں ازل سے بدکار اقوام و افراد بلا ریب پس رہے ہیں اور پھر بھی یہ سمگلرز، یہ چور بازاریے، یہ راشی اہلکار اور یہ غنڈے درسِ عبرت حاصل نہیں کرتے:

اَمْ حَسِبَ الَّذِیْنَ یَعْمَلُوْنَ السَّیِّاٰتِ اَنْ یَّسْبِقُوْنَا ط سَآءَ مَا یَحْکُمُوْنَ ○ (العنکبوت: ۴)

ترجمہ: ''کیا بدکاروں کا خیال یہ ہے کہ وہ ہم سے بچ کر نکل جائیں گے؟ ان کا یہ خیال نہایت خام اور غلط ہے''۔

یہ لوگ مکافاتِ عمل کا مسلسل شکار ہوتے رہیں گے، کبھی کسی حادثے میں پھنسیں گے، کبھی بیماری، مالی نقصان، تجارتی خسارے اور دیگر آلام میں گھر جائیں گے اور جب تک اللہ سے رابطہ قائم نہیں کریں گے، پٹتے، لٹتے اور مرتے ہی رہیں گے۔

وَلَا یَزَالُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا تُصِیْبُھُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَۃٌ اَوْ تَحُلُّ قَرِیْبًا مِّنْ دَارِھِمْ . (الرعد ۳۱)

ترجمہ: ''کھڑکھڑاہٹ پیدا کرنے والے حادثے یا تو بدکاروں کو ہمیشہ براہِ راست نشانہ بنائیں گے اور یا خوف پیدا کرنے کے لیے ان کے گھروں کے قریب نازل ہوں گے''۔

کتنی ہی اقوام عذابِ الٰہی کا شکار ہوئیں، بعض کو صرصر نے تباہ کیا، کوئی زلزلوں میں دب گئی اور کوئی زمین میں دھنس گئی۔ ان حوادث کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ آئے دن لوگ طیاروں سے گرتے، سمندروں میں ڈوبتے، گاڑیوں کے تصادم کا شکار ہوتے اور امراض و آلام میں پھنستے ہیں لیکن اللہ کو سمجھنے کی پھر بھی کوشش نہیں کرتے۔

قَدْ مَکَرَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِھِمْ فَاَتَی اللّٰہُ بُنْیَانَھُمْ مِّنَ الْقَوَاعِدِ

فَخَرَّ عَلَيْهِمُ السَّقْفُ مِنْ فَوْقِهِمْ وَ اَتٰهُمُ الْعَذَابُ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَo ثُمَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُخْزِيْهِمْ. (النحل :۲۶.۲۷)

ترجمہ: ''ان بدکاروں سے پہلے بھی بے شمار مکار گزر چکے ہیں۔ اللہ نے ان کے گھروں کی بنیادیں کھود ڈالیں، ان پر چھتیں گرا دیں اور ایسی سمت سے عذاب آیا کہ اس کا گمان تک نہ تھا۔ اللہ محشر میں بھی انہیں سخت ذلیل کرے گا''۔

قارئینِ کرام! ذرا تھم جایئے اور سوچیئے کہ کیا آپ یا آپ کے احباب و اقارب کبھی ایسے حوادث کا شکار ہوئے ہیں؟ کیا آپ ان سے آئندہ بچنا چاہتے ہیں؟ تو لیجئے نسل انسانی کا صد ہزار بار آزمودہ نسخہ حاضر ہے، نسخہ میرا نہیں، خدائے علیم و حکیم کا ہے:

وَاَنِ اسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْٓا اِلَيْهِ يُمَتِّعْكُمْ مَّتَاعًا حَسَنًا اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى وَّيُؤْتِ كُلَّ ذِىْ فَضْلٍ فَضْلَهٗ ط وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنِّىْٓ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ كَبِيْرٍo اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ ج وَ هُوَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌo (ھود:۳.۴)

ترجمہ: ''تم اللہ سے معافی مانگو اور اس کی پناہ میں آ جاؤ، وہ تمہیں اس زندگی میں بڑے ساز و سامان سے بسائے گا اور ہر صاحب فضیلت کو اس کی مساعی کا اجر دے گا۔ اگر تم نے اللہ سے منہ موڑ لیا تو مجھے ڈر ہے کہ تم بڑے دن کے عذاب کا شکار ہو جاؤ گے، تم سب اللہ کی طرف آ رہے ہو اور اللہ ہر بات پر قادر ہے''۔

آر۔ ڈبلیو۔ ٹرائن کیا مزے کی بات کہتے ہیں:

"God is the source of infinite peace and the moment we came into harmony with Him there comes

to us an inflowing tide of peace, for peace is harmony. Millions of people are weary with cares, troubled in soul, body and mind, travelling the world over, buying cars, building mansions and amassing wealth, yet peace is beyond their reach. Peace does not come from outside, it springs from within. If we regulate ourselves in accordance with the promptings of the soul, the higher forms of happiness will enter our life. When we are true to the eternal principle of turth and justice, that governs the universe, we will be peaceful and undisturbed. God is the power-house of the universe and he who attaches his belts to Him draws power from all sources and then transmits it to others." (In Tune with the Infinite, p. 132).

ترجمہ: ''اللہ بے کراں سکون کا منبع ہے، جب ہم اس سے ہم آہنگ ہو جاتے ہیں، تو ہم پہ سکون برسنے لگتا ہے، کیونکہ سکون و ہم آہنگی ایک ہی چیز ہیں۔ کروڑوں انسان گرفتار مصائب ہیں، ان کے دل، دماغ اور جسم بے چین ہیں، وہ لمبے لمبے سفر کرتے، کاریں خریدتے، محل بناتے اور دولت کے انبار لگاتے ہیں، لیکن پھر بھی بے چین رہتے ہیں، کاش انہیں معلوم ہوتا کہ سکون باہر سے نہیں آتا بلکہ دل ہی میں جنم لیتا ہے۔ اگر ہم روح کی پکار کو سن کر اپنی زندگی اس کے مطابق ڈھال لیں تو ہمارا دل فردوسی مسرت سے معمور ہو جائے۔ اگر ہم عدل و صداقت کو، جن کے بل پر یہ کائنات قائم ہے، اپنا لیں تو ہم ایک ایسا عمیق اطمینان حاصل کر لیں گے،

جسے کوئی فکر اور کوئی پریشانی برہم نہیں کرسکے گی۔ اللہ کائنات کا پاور ہاؤس (منبع توانائی) ہے۔ جو شخص اپنا پٹہ اس سے جوڑ لیتا ہے وہ ہر ماخذ سے توانائی حاصل کرتا اور پھر اسے دوسروں تک منتقل کرنے کا واسطہ بنتا ہے"۔

سب سے بڑی لذت

جسمانی لذتوں سے تو ہم واقف ہیں۔ کھانا، پینا، سونا، کھیل کود عمدہ لباس، موٹر، کوٹھی، یہ سب جسمانی لذتیں ہیں، ناپائیدار، سطحی اور کھوکھلی، جن سے انسان بہت جلد اکتا جاتا ہے اور جن کا انجام عموماً غم ہوتا ہے، دوسری طرف کچھ ایسی لذتیں بھی ہیں جن کا تعلق روح سے ہوتا ہے۔ یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرنے، مسکین کو کھانا کھلانے اور نادار طالب علم کی مالی امداد کرنے سے روح جھوم اٹھتی ہے، یہ خوشی عبادت وریاضت سے زیادہ عمیق ہو جاتی ہے۔ یقین نہ آئے تو خود عابد بن کر دیکھیے یا ان لوگوں سے پوچھیے، جو رات کے وقت دل کی گہرائیوں میں ڈوب کر رب الکواکب سے ہم کلام ہوتے ہیں جو سکوتِ شب میں نغمہ ہائے تقدیس الاپتے ہیں، جن پر جھلملاتے ہوئے تاروں سے مسکراہٹیں برستی ہیں اور جنہیں رات کے سیاہ پردوں کے پیچھے ایک دلہن حجلہ نشین نظر آتی ہے۔ تمام لذتوں اور مسرتوں میں بلند ترین اللہ کا دیدار ہے۔

کیا آپ اس صناع کو نہیں دیکھنا چاہتے، جس نے ہمارے دماغ میں فکر کا دیا جلایا، دل میں وجدان کی ہمہ بین آنکھ لگائی۔ جس میں عروق واعصاب کا حیرت انگیز جال بچھایا، کاروانِ بہار کو سیل رنگ و بو دیا۔ فضاؤں میں ہوائیں، ہواؤں میں گھٹائیں اور گھٹاؤں میں مستیاں بھریں اور آسمانوں میں چراغاں کا عالم رچایا، وہ لوگ تو یقیناً دید کے مشتاق ہوں گے جنہوں نے اس کی خاطر سب کچھ قربان کیا، گھر بار لٹایا، وطن چھوڑا، قید و بند کی صعوبتیں سہیں اور اس کا اشارہ پاتے ہی جان پر کھیل گئے۔ کائنات کی اس سب سے بڑی لذت کو وہی لوگ حاصل کرسکتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِیْنَ هُمْ مِّنْ خَشْیَةِ رَبِّهِمْ مُّشْفِقُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِرَبِّهِمْ لَا یُشْرِكُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ

يُؤْتُوْنَ مَآ اٰتَوْا وَّ قُلُوْبُهُمْ وَجِلَةٌ اَنَّهُمْ اِلٰى رَبِّهِمْ رٰجِعُوْنَ٥

(المؤمنون ۵۷۔ ۶۰)

ترجمہ: ''جو اللہ سے ڈرتے اور احکام خداوندی کو مانتے ہیں، جو شرک کے عیب سے پاک ہیں، جو اللہ کی راہ میں حسب استطاعت صرف کرتے ہیں اور جن کے دل اس خیال سے لرزاں رہتے ہیں کہ انہوں نے اللہ کے پاس جانا ہے (کہیں کوئی کمی نہ رہ جائے)''۔

فَمَنْ كَانَ يَرْجُوْا لِقَآءَ رَبِّهٖ فَلْيَعْمَلْ عَمَلًا صَالِحًا وَّ لَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ اَحَدًا٥ (الکھف :۱۱۰)

ترجمہ: ''جو شخص اللہ سے ملاقات کا ارادہ رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ عمدہ کام کرے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے''۔

محبت و مذہب

مذہب کیا ہے؟

خدائی مشیت کے سانچے میں ڈھل جانا، اور اس کی پہچان ہے محبت، محبت فطری و بنیادی چیز ہے۔ اور نفرت، انقطاع محبت کا نام ہے، جو کسی حادثہ و تصادم کا نتیجہ ہوتی ہے۔ محبت تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور تمام جذبات عالیہ کی خالق ہے، اسی سے آواز میں لوچ، بات میں شیرینی، چہرے پہ حسن، رفتار میں انکسار اور کردار میں وسعت آتی ہے۔ دوسری طرف غصہ، نفرت، انتقام اور حسد دنیائے دل کو ویران اور چہرے کو بے نور اور خوفناک بنا دیتے ہیں حاسد اور سازشی کی رفتار تک ناہموار ہو جاتی ہے وہ ہر طرف نفرت پھیلاتا ہے۔

اہل محبت، نفرت کا جواب محبت سے دیتے ہیں۔ وہ اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ:

"Give the world the best you have and the best will come back to you."

ترجمہ: ''دنیا سے بہترین سلوک کرو اور جواباً تم سے بہترین سلوک کیا جائے گا''۔

جن لوگوں کے دل میں اللہ بس جاتا ہے، ان کی پہچان ہی یہی ہے کہ وہ ہر شخص سے محبت کرتے، خطا کاروں کی خطائیں بخشتے اور گالیوں کے جواب میں دعائیں دیتے ہیں۔ تمام انبیاءؑ و اولیاء کا یہی وطیرہ تھا اور قرآن حکیم کی تعلیم بھی یہی ہے:

اِدْفَعْ بِالَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ فَاِذَا الَّذِیْ بَیْنَكَ وَ بَیْنَهٗ عَدَاوَةٌ كَاَنَّهٗ وَلِیٌّ حَمِیْمٌ ○ وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا الَّذِیْنَ صَبَرُوْا ج وَمَا یُلَقّٰهَاۤ اِلَّا ذُوْ حَظٍّ عَظِیْمٍ○ (حم السجدہ : ۳۴. ۳۵)

ترجمہ: ''دشمن سے اتنا عمدہ سلوک کرو کہ وہ تمہارا مخلص دوست بن جائے لیکن یہ مقام بلند انہی لوگوں کو مل سکتا ہے جو زمانے کی تلخیاں برداشت کر سکتے ہوں (صبر) اور کردار عظیم کے مالک ہوں''۔

کسی مغربی حکیم کا ارشاد ہے:

"Hatred never ceases by hatred. Over-come it by love. Put love into the world and Heaven with all its beauties and glories becomes a reality. Not to love is not to live. The life that goes out in love to all is the life that is full and rich continually expanding in beauty and power."

ترجمہ: ''نفرت، نفرت سے ختم نہیں ہو سکتی، اس پر محبت سے غلبہ حاصل کرو، دنیا کو محبت کرنا سکھاؤ اور جنت اپنی تمام تر رنگینیوں اور رعنائیوں کے ساتھ یہیں نمودار ہو جائے گی۔ ترکِ محبت، موت ہے جو شخص سب سے محبت کرتا ہے، اس کی زندگی بھرپور اور کامل ہے اور اس کی زیبائی و

توانائی میں سدا اضافہ ہوتا رہے گا‘‘۔

محبت کا سب سے بڑا وصف انکسار ہے۔ دوسروں سے نفرت کرنے والے کرخت، مغرور، تند مزاج اور بدمزاج ہوتے ہیں اور اہل محبت بول میں میٹھے، چال میں دھیمے اور مزاج کے نرم ہوتے ہیں۔ قرآن وتورات ہر دو میں ان اوصاف کو آسمانی دانش کہا گیا ہے اور اس میں قطعاً کوئی کلام نہیں کہ غرور حماقت ہے اور تواضع بہت بڑی دانش۔ کسی دانا کا مقولہ ہے کہ:

"Be humble if thou wouldst attain to wisdom and be humbler still when wisdom thou hast mastered."

ترجمہ: ’’اگر دانش حاصل کرنا چاہتے ہو تو انکسار پیدا کرو، اور اگر حاصل کر چکے ہو تو زیادہ خاکسار بنو‘‘۔

باب نمبر ۵

حکایات وواقعات

قرآنِ حکیم میں ہم پڑھتے ہیں کہ اللہ نے جنگ بدر میں پیروانِ رسول ﷺ کی مدد ملائکہ سے کی تھی اور جنگِ احزاب میں طوفانِ بادو باراں سے۔ احادیث وتواریخ میں غیبی امداد کی حکایات اس کثرت سے درج ہیں کہ انہیں شمار کرنا مشکل ہے۔ ہمارے اولیاء کے تذکرے اس قسم کے واقعات سے لبریز ہیں۔ مسلمانوں کا مذہبی طبقہ ان تمام واقعات کو من وعن تسلیم کرتا اور اس حقیقت پر ایمان رکھتا ہے کہ مشکل اوقات میں اللہ کہیں اسباب کی منتشر کڑیاں فراہم کر کے کہیں دماغ میں صحیح تجاویز ڈال کر اور کبھی مخفی طاقتیں بھیج کر اپنے بندوں کی مدد کیا کرتا ہے، لیکن جدید تعلیم یافتہ طبقہ، جو خود اللہ کو بھی ضعیف العقیدہ لوگوں کی تخلیق سمجھتا ہے۔ ان حکایات کو توہمات سے زیادہ وقعت نہیں دیتا۔ یہ طبقہ اسی بات کو صحیح سمجھتا ہے جو کسی انگیریز یا امریکی کے منہ سے نکلے، ان حضرات کی تسکین کے لیے یہاں چند ایسے واقعات درج کیے جاتے ہیں جن کے گواہ یورپ کے بڑے بڑے پروفیسر، ڈاکٹر اور اہل قلم ہیں۔

پچھلے دنوں مجھے اس موضوع پر متعدد کتب پڑھنے کا اتفاق ہوا، چند کتب کے نام مع واقعات درج ذیل ہیں:

ایک کتاب کا نام ہے: Invisible Helpers

مصنف ہیں: Rt. Rev. C. W. Leadbeater

یہ کتاب ۱۹۲۸ء میں مدارس کے ایک ادارہ نے شائع کی تھی، اس میں خفیہ مدد کی کہانیاں خاصی تعداد میں درج ہیں، جن میں سے چند ایک یہ ہیں:

(۱)

ایک مرتبہ ایک مکان کو آگ لگ گئی، گھر کے تمام آدمی گھبراہٹ میں باہر بھاگ گئے اور ایک ننھا سا بچہ سویا ہوا اندر ہی رہ گیا۔ آگ کے شعلے اس قدر خوفناک ہو چکے تھے کہ کسی کو اندر

جانے کی جرأت نہیں پڑتی تھی، بالآخر ایک آگ بجھانے والا سرکاری ملازم بے چین ماں کا اضطراب برداشت نہ کر سکا، جان پر کھیل کر اس کمرے میں پہنچا اور بچے کو اٹھا کر صحیح و سالم باہر لے آیا۔ اس ملازم کا بیان ہے کہ جب وہ کمرے میں پہنچا تو اس نے دھوئیں میں ایک سفید لباس والی ہستی کو دیکھا جو بچے پہ جھکی ہوئی تھی اور چارپائی کے گرد نہ دھواں تھا اور نہ آگ کی حدت۔ (صفحہ ۱۳۔۱۴)

(۲)

دو بچے اتفاقاً دریائے ٹیمز میں گر گئے اور بہہ نکلے۔ دونوں نے ہاتھ پاؤں مارنا شروع کر دیے اور بخیریت تمام پرلے کنارے پر جا لگے، جب ان سے پوچھا گیا تو انہوں نے بتایا کہ ایک آدمی نے ان کے بازو تھام رکھے تھے اور جب ساحل پر پہنچے تو وہ غائب ہو گیا۔ (صفحہ ۱۴)

(۳)

شکرم، بازار میں پوری رفتار سے جا رہی تھی اور اسے دو گھوڑے کھینچ رہے تھے، دفعتاً ایک بچہ ڈر کر کودا اور گھوڑوں کے سامنے گر گیا۔ معاً گھوڑے رک گئے۔ دیکھتے کیا ہیں کہ بچہ گھوڑوں کی ٹانگوں میں صحیح و سالم لیٹا ہوا ہے۔ (صفحہ ۱۹)

اس بچے کے ہلاک ہو جانے کے سینکڑوں امکانات تھے اور بچنے کی صورت صرف ایک، کہ کوئی خفیہ طاقت اسے یوں تھام لے کہ وہ ہر چوٹ سے بچ جائے، اور ایسا ہی ہوا۔ اس طرح کا ایک واقعہ آج سے ایک ہفتہ پہلے ''پاکستان ٹائمز'' میں درج تھا۔ بات یوں ہوئی کہ حویلیاں سے ایک مسافر گاڑی ٹیکسلا کی طرف جا رہی تھی۔ ہری پور کے قریب پچھلی تین بوگیاں ایک پل پر لڑھک کر نالے میں گر گئیں اور ان میں پھنسے ہوئے بیشتر مسافر یا تو ہلاک ہو گئے اور یا شدید مجروح، البتہ ایک ننھا بچہ ملبے میں لیٹا ہوا انگوٹھا چوس رہا تھا اور اس کے جسم پر خراش تک نہیں تھی۔ (''پاکستان ٹائمز'' اشاعت ۵۔ جولائی ۱۹۶۰ء، صفحہ نمبر ۱، کالم نمبر ۲)۔

میں یہاں تک پہنچا تھا کہ میرے ایک عزیز مرزا علی احمد جان، سول انجینئر پشاور، مجھ سے ملنے آ گئے۔ اسی موضوع پر بات چل پڑی تو انہوں نے اپنا قصہ یوں سنایا:

''میں دوسری جنگِ عالمگیر کے دوران ولایت سے واپس آ رہا تھا، ہمارا قافلہ ۲۷

جہازوں پر مشتمل تھا، جنوبی افریقہ کے قریب ایک دن ہم پر ہوائی حملہ ہوا، ۱۲ جہاز ڈوب گئے اور باقی ادھر ادھر بکھر گئے، ہمارا جہاز ایک اور جہاز کے ساتھ ایک طرف کو بھاگ نکلا۔ رات کے وقت ساتھی جہاز نے ایک میل سے پیغام بھیجا کہ وہ ایک تارپیڈو کی وجہ سے ڈوب رہا ہے۔ ہمارے کپتان نے جہاز کو فوراً اس طرف موڑ دیا، تاکہ مسافروں کو بچائے۔ جرمن آبدوز کو یقین تھا کہ ہمارا جہاز امداد کے لیے جائے وقوعہ پر ضرور پہنچے گا، چنانچہ وہ وہیں گھات میں رہی۔ ہمارا جہاز رات بھر چلتا رہا اور مقام وقوعہ تک نہ پہنچ سکا۔ صبح کے وقت کپتان کو معلوم ہوا کہ وہ غلطی سے مخالف سمت میں بہت دور نکل آیا ہے۔ اس غلطی کا فائدہ یہ ہوا کہ ہمارا جہاز تارپیڈو سے بچ گیا''۔

(۴)

ایک کسان کے دو بچے ایک گھنے جنگل میں دور نکل گئے اور راہ بھول گئے جب رات چھا گئی تو ایک درخت کے نیچے سو گئے۔ ان کے والدین نہایت بے چینی سے انہیں ہر طرف ڈھونڈ رہے تھے، لیکن کوئی سراغ نہ ملتا تھا، پھر ہوا یوں کہ ایک عورت ہاتھ میں لالٹین لیے ان بچوں کے پاس آئی، انہیں جگایا اور ساتھ لے کر چل دی۔ گھر والوں نے دور سے دیکھا کہ ایک روشنی ان کی طرف آ رہی ہے۔ وہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھنے لگے جب وہ قریب آئی تو والدین نے بچوں کو پہچان لیا، بے تابی میں ان کی طرف لپکے اور معاً وہ عورت لالٹین سمیت غائب ہو گئی۔ (صفحہ ۲۰)

(۵)

خود مصنف (لیڈ بیٹر) اپنے متعلق بیان کرتا ہے کہ ایک شام بڑی شدت کا طوفان چل رہا تھا اور میں منہ سر لپیٹے بازار سے گزر رہا تھا کہ پورے زور سے میرے استاد کی آواز میرے کانوں میں پہنچی:

''فوراً پیچھے ہٹو!''

میں نے تعمیل کی اور معاً ایک کارخانے کی مہیب چمنی دھڑام سے سڑک پر گری۔ اگر میں ایک قدم پیچھے نہ ہٹ گیا ہوتا تو پس جاتا۔ (صفحہ ۲۲)

(۶)

روڈیشیا (افریقہ) کے ایک صوبے Matabeland میں ایک مرتبہ بغاوت کی آگ بھڑک اٹھی اور باغیوں نے بلاامتیاز ہر بستی کو آگ لگانا شروع کر دی۔ ایک رات باغیوں نے ایک گاؤں کا محاصرہ کیا۔ ابھی انہوں نے کام شروع نہیں کیا تھا کہ ایک عورت کو ایک غیبی طاقت نے جگایا اور کہا:

''گھر سے فوراً نکلو!''

چنانچہ وہ بچوں کو لے کر گاؤں سے دور نکل گئی اور اس طرح باغیوں سے بچ گئی۔ (صفحہ ۴۳)

(۷)

ایک بچہ ایک کھڈ کے کنارے کھیل رہا تھا کہ پاؤں پھسلا اور دو سو فٹ نیچے جا گرا۔ معاً بچے کی ماں بے چین ہو کر گھر سے بھاگ نکلی۔ بچے کی تلاش میں اس کھڈ پہ پہنچی تو کیا دیکھتی ہے کہ ایک سفید لباس والا آدمی بچے کی ٹانگ پر پٹی باندھنے کے بعد اسے تھپکا رہا ہے، اس کے بعد وہ آدمی وہیں غائب ہو گیا۔ (صفحہ ۴۷۔۴۸)

(۸)

اسی کتاب میں لیڈ بیٹر اپنے متعلق لکھتا ہے کہ میں کئی مرتبہ جسم لطیف میں اڑ کر دور دراز خطوں میں چلا جاتا تھا۔ ایک مرتبہ میں نے ایک ڈوبتے ہوئے جہاز کے بعض مسافروں کو بچایا۔ ایک دن میں بحرالکاہل پر اڑ رہا تھا کہ ایک جہاز نظر آیا، اس پر اتر کر گھومنے لگا، ایک کمرے میں ایک نوجوان پریشانی کی حالت میں نظر آیا، بھرا ہوا پستول اس کے سامنے رکھا تھا اور وہ خودکشی کی تیاری کر رہا تھا۔ اس کے دماغ کا مطالعہ کیا، تو معلوم ہوا کہ وہ کوئی غبن کر چکا ہے۔ میں نے اسے اس ارادہ سے روکنے کے لیے پہلا کام یہ کیا کہ تیز اثیری لہروں سے اس کے دماغ کو متاثر کیا۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا پستول خالی کر کے دراز میں رکھ دیا۔ پھر اس کے دماغ میں یہ ارادہ ڈالا کہ وہ ساری کہانی کپتان کو سنا دے۔ اس نے ایسا ہی کیا۔ کپتان نے اسے تسلی دی اور کہا کہ ساحل پہ پہنچ کر وہ یہ روپیہ ادا کر دے گا اور اس طرح ایک جان ہلاکت سے بچ گیا۔

(۹)

ایک کہانی کا تعلق حیاتِ بعد الموت سے ہے۔

ہوا یوں کہ امریکہ کا ایک جہاز ''ایس۔ایس واٹرٹاؤن'' بحر الکاہل میں سفر کر رہا تھا۔ ایک دن اس کے دو ملاح کسی گیس والے کمرے میں پھنس گئے اور وہیں ہلاک ہو گئے۔ ان کی لاشیں سمندر کے حوالے کر دی گئیں، لیکن ہر رات جہاز سے ذرا دور ان دونوں ملاحوں کی صورتیں ایک ماہ تک نظر آتی رہیں۔ کیمرے سے ان کی تصاویر بھی لی گئیں اور یہ تمام تفاصیل امریکہ کے ایک میگزین ''فارچون'' (Fortune) کی اشاعت فروری ۱۹۳۴ء میں شائع ہو چکی ہیں۔ (صفحہ ۸۴)

(۱۰)

ڈاکٹر کرنگٹن اپنی کتاب Invisible World (ایڈیشن ۱۹۳۹ء ناشرین رائیڈر اینڈ کمپنی)۔لندن) میں لکھتے ہیں کہ ایک دفعہ امریکہ کی Society for Psychical Research نے ایک سوال شائع کیا کہ:

''کیا آپ کے کسی دوست یا رشتہ دار کو موت سے پہلے فضا میں غیبی صورتیں یا اگلی دنیا کے مناظر کبھی نظر آئے ہیں؟''

تو جواب میں تیس ہزار آدمیوں نے لکھا کہ ان کے مرنے والے رشتہ داروں کو ایسی چیزیں نظر آئی تھیں۔ (صفحہ ۹)

ممکن ہے کہ آیاتِ ذیل میں نگاہ کی اسی تیزی کی طرف اشارہ ہو:

وَجَآءَتْ سَكْرَةُ الْمَوْتِ بِالْحَقِّ ط ذٰلِكَ مَا كُنْتَ مِنْهُ تَحِيْدُ ٥ وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ ط ذٰلِكَ يَوْمُ الْوَعِيْدِ ٥ وَ جَآءَتْ كُلُّ نَفْسٍ مَّعَهَا سَآئِقٌ وَّ شَهِيْدٌ ٥ لَقَدْ كُنْتَ فِيْ غَفْلَةٍ مِّنْ هٰذَا فَكَشَفْنَا عَنْكَ غِطَآءَكَ فَبَصَرُكَ الْيَوْمَ حَدِيْدٌ ٥

(قٓ ۱۹۔ ۲۰)

ترجمہ: ''موت کی مدہوشی بلا ریب آ گئی، اسی سے تم بچنا چاہتے تھے، کوچ

کا بگل بج گیا۔ یہ مکافاتِ عمل کا دن ہے، موت کے بعد ہر نفس ہمارے ہاں اس حالت میں پہنچتا ہے کہ اس کے ساتھ ایک ہانکنے والا ہوتا ہے اور ایک گواہ بھی۔ تم موت سے غافل رہے ہو، آج ہم نے تمہاری آنکھوں کے پردے ہٹا دیے ہیں اور تمہاری نگاہ تیز ہوگئی ہے''۔

(۱۱)

ڈاکٹر کرنگٹن اسی کتاب میں لکھتے ہیں کہ ۱۹۰۸ء میں مجھے نیپال جانے کا اتفاق ہوا۔ وہاں مجھے بتایا گیا کہ ایک عورت یوساپیہ نامی کو فضا میں غیبی صورتیں نظر آتی ہیں۔ چنانچہ میں چند احباب کے ساتھ اس سے ملنے گیا۔ اس نے بتایا کہ وہ غیبی انسانوں میں ہر وقت گھری رہتی ہے اور اس کے کمرے میں ہمیشہ ان کا ہجوم رہتا ہے۔ ہم نے التماس کی کہ ہمیں بھی کچھ دکھایئے۔ چنانچہ کمرے کے وسط میں ایک خالی میز بچھایا گیا۔ یوساپیہ اس کے اوپر بیٹھ گئی۔ تھوڑی سی دیر کے بعد میز زمین سے ایک گز اوپر ہوا میں اٹھ گیا اور پھر آہستہ آہستہ نیچے آ گیا۔ اس کے بعد اسی میز پر ایک ستار رکھ دیا گیا جو خود بخود بجنے لگا یہ سلسلہ ختم ہوا تو ہوا میں انسان نظر آنے لگے۔ ایک میرے قریب آیا۔ میں نے اٹھ کر اسے ہاتھ ملایا اور اس کا ہاتھ میری گرفت میں تحلیل ہو گیا۔ (صفحہ ۱۸)

(۱۲)

ایسے نفوس ہر خطے میں موجود ہیں جن کو فضا میں صورتیں نظر آتی ہیں جن سے فرشتے یا جن باتیں کرتے ہیں اور جو مرے ہوئے انسانوں کی ارواح کو بلا سکتے ہیں۔ پاکستان میں ایسے لوگوں کی قدر نہیں کی جاتی لیکن، اگر یورپ یا امریکہ میں کوئی ایسا آدمی پیدا ہو جائے تو اس کے ہاں لوگوں کا تانتا بندھ جاتا ہے۔ ان میں تماشائی بھی ہوتے ہیں اور روحانیت کے علماء وطلباء بھی۔ تحقیقی نشستیں عموماً شام کو ہوتی ہیں جن میں دس پندرہ آدمی شامل ہوتے ہیں۔ روشنی کم کر دی جاتی ہے۔ ساز چھیڑ دیے جاتے ہیں۔ خدائی حمد کے گیت گائے جاتے ہیں اور اس کے بعد ارواح کو طلب کرنے والا آدمی ایک کرسی پر بیٹھ کر آنکھیں بند کر لیتا ہے۔ اپنی پوری توجہ عالم اثیر پر جما لیتا ہے اور رفتہ رفتہ بے ہوش ہو جاتا ہے۔ اس عالم میں کبھی اس کے منہ سے اور کبھی چھت سے

آوازیں آنے لگتی ہیں۔ اسی قسم کی ایک نشست میں لیڈ بیٹر بھی شامل تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ وہاں ایک پادری کی روح آ گئی اور اس سے یوں گفتگو ہوئی:۔

لیڈ بیٹر : آپ کون ہیں؟

روح : میں فلاں پادری کی روح ہوں۔

لیڈ بیٹر : آپ آج کل کہاں ہیں؟

روح : میں اثیر کے پست ترین طبقے میں بھٹک رہا ہوں۔

لیڈ بیٹر : کیوں؟ اس سزا کی وجہ؟

روح : میں زندگی بھر لوگوں کو کہتا رہا کہ اگر کوئی شخص اس بات پر ایمان لے آئے کہ کرائسٹ (عیسیٰ علیہ السلام) کی موت تختۂ دار پر ہوئی تھی تو اس کے تمام گناہ معاف ہو جائیں گے اور جس کا عقیدہ یہ نہیں ہوگا، وہ گنہگار رہے گا۔ مرنے کے بعد مجھے حکم ملا کہ نچلے طبقے میں ٹھہرو اور اپنے ہر سامع کی روح سے، جب وہ اس طبقے سے گزرے، کہو! کہ میں زندگی بھر غلط وعظ کرتا رہا۔

ایک مرتبہ انہی نشستوں میں ایک تنگ نظر اور متعصب پادری کی روح سے ملاقات ہوگئی۔ وہ اس وقت بھی یہی کہہ رہا تھا کہ صرف میں سچا ہوں اور باقی ساری دنیا غلطی پر ہے۔

ایک اور روح نے بتایا کہ اس کو اس وقت تک پست طبقے میں رکھا جائے گا جب تک اس کا دماغ صحیح نہ ہو جائے اور عالمِ اعلیٰ کے قابل نہ بن جائے۔

(The Masters and the Path, p. 161)

باب نمبر ۶

ڈاکٹر الیگزینڈر کانن کے

تجربات ومشاہدات

ڈاکٹر کانن ام۔ڈی، ڈی۔پی۔ام، ام۔اے۔پی۔ایچ۔ڈی، الیف۔آر۔جی۔ ایس، لندن کے شہرۂ آفاق طبیب اور سکالر تھے۔روحانیات سے گہرا شغف رکھتے تھے۔اس سلسلے میں انہوں نے ہندوستان اور تبت کا دورہ کیا اور اپنے مشاہدات ایک کتاب The Invisible Influence میں قلم بند کیے۔یہ کتاب ۱۹۳۳ء میں شائع ہوئی۔اس کی مقبولیت کا یہ عالم تھا کہ جنوری ۱۹۳۴ء کے اکتیس دنوں میں اس کے آٹھ ایڈیشن نکلے۔

آیئے! اس کتاب کے کچھ واقعات آپ بھی سنیں:

مقصدِ کتاب

"یہ کتاب اس حقیقت کو واضح کرنے کے لیے لکھی گئی ہے کہ کائنات میں بے شمار مخفی طاقتیں موجود ہیں جو ہماری زندگی کو متاثر کر رہی ہیں۔یہ اثرات اچھے بھی ہو سکتے ہیں اور برے بھی۔اس سلسلے میں مزید معلومات حاصل کرنے کے لیے میں نے مشرق کا طویل سفر کیا۔ ہندوستان کے سادھوؤں، یوگیوں اور تبت کے لاموں سے ملا۔جادو کے کرشمے، ہپناٹزم کے کمالات، روحانی طاقت کے مظاہرے، غیب بینی، دور بینی اور بے سلسلہ پیام رسانی کے تماشے دیکھے اور واپس آ کر یہ کتاب لکھی۔

آج دنیا تلاشِ سکون میں سرگرداں ہے۔یہ سکون کہیں باہر نہیں، بلکہ من کی دنیا میں ملے گا۔یہ دنیا حسن، صداقت، سکون اور زندگی کا

وطن ہے۔ قارئین کی اکثریت شاید مجھ سے اتفاق نہ کرے اور میری باتوں کو توہمات سمجھے، لیکن میں ایسے لوگوں سے بحث میں نہیں الجھوں گا کیونکہ ایک چھوٹے دماغ والا آدمی ضدی ہوتا ہے۔ یہ فخر ایک بڑے دماغ ہی کو حاصل ہے کہ وہ کہیں رہبر بنتا ہے اور کہیں رہبری قبول کرتا ہے"۔

مخفی اثر

"تاریخ میں ایسے بے شمار افراد کا ذکر ہے جن کے سامنے ساری کائنات جھکتی تھی اور آج بھی آپ کے اردگرد ایسے لوگ موجود ہیں جنہیں آپ "ذی اثر" کہتے ہیں، یعنی جن کے سامنے سارا ماحول آداب بجا لاتا ہے، جن کی طرف لوگ مہمات میں رجوع کرتے، ان سے مشورے لیتے اور معاشرہ میں انہیں اپنا لیڈر مانتے ہیں۔ یہ "اثر" کیا ہے؟ یہ ایک مخفی طاقت ہے جو ذہنوں کو اپنے بس میں کر لیتی ہے اور یہ علم، دولت، عبادت اور دیگر مختلف قسم کی ریاضتوں سے پیدا ہوتی ہے"۔

ایک پروفیسر

"میں ایک پروفیسر کو عرصے سے جانتا ہوں جو عوام کی نگاہ میں ایک معمولی سا آدمی ہے، لیکن دراصل وہ خاص طاقت کا مالک ہے اور عوام کے اژدحام سے بچنے کے لیے اپنی طاقتوں کی نمائش نہیں کرتا۔ شام کو سینما یا کلب میں جاتا اور بے تکلفی سے بازاروں میں گھومتا نظر آتا ہے۔ اس کے چہرے پر ایک خاص قسم کی چمک ہے۔ اس کے کردار میں رحم، توازن اور سکون پایا جاتا ہے۔ ایک صبح مجھے کہنے لگا: "کیا تم جانتے ہو کہ آدمی ہر رات مر جاتا ہے اور صبح کو پھر زندہ ہوتا ہے۔ موت کیا ہے؟ جسم لطیف کا جسم خاکی سے جدا ہونا اور یہ وہ چیز ہے جو ہر رات نیند میں

واقع ہوتی ہے۔ بالآخر ہم پر ایک ایسی نیند بھی وارد ہو گی جب جسم لطیف جسم خاکی میں واپس نہیں آئے گا اور یہ ہو گی موت۔ اس کے بعد ہم دور دراز خطوں میں ایسے نئے یا پرانے احباب سے ملیں گے جو حدودِ زمان و مکان سے پرے اثیر میں رہتے ہیں، جہاں ہماری ہزاروں صدیاں ایک لمحہ سے زیادہ نہیں ہوں گی۔ یہاں اس دنیا میں بھی ہم ایسی منزل پہ پہنچ سکتے ہیں کہ گردشِ روز و شب کا ہم پر کوئی اثر نہ ہو۔ اس وقت میری عمر ایک سو سال سے زیادہ ہے لیکن میں بمشکل چالیس سال کا نظر آتا ہوں اس بات کا اشتہار نہیں دیتا کہ عوام مجھ پر پل نہ پڑیں"۔

درخت کا فوراً سوکھ جانا

"تمہیں علم ہے کہ حضرت مسیحؑ نے انجیر کے ایک درخت کو ایک لمحے میں خشک کر دیا تھا۔ یہ طاقت آج بھی حاصل کی جا سکتی ہے۔ آیئے! ذرا میرے ساتھ"۔

چنانچہ ہم اٹھ کر باہر پائیں باغ میں چلے گئے۔ وہاں اس نے ایک پرانے درخت درخت کو مخاطب کرتے ہوئے کہا:

"تم نے بڑی کامیابی سے زندگی بسر کی، بڑے بڑے طوفانوں کا مقابلہ کیا۔ تم نے اپنے سائے میں مجھے برسوں آرام پہنچایا۔ اب تمہارا وقت ختم ہو گیا ہے اس لیے فوراً خشک ہو جاؤ"۔

یہ دیکھ کر میری حیرت کی حد نہ رہی کہ درخت فوراً سوکھ گیا اور اس کے بعد آج تک وہاں کوئی پودا پیدا نہیں ہوا۔ اس وقت میرے ساتھ کئی اور آدمی بھی تھے۔ سب نے قریب جا کر درخت کو چھوا اور اچھی طرح دیکھا بھالا۔ اس میں زندگی کی کوئی رمق باقی نہیں تھی۔ بعض کے پاس کیمرے تھے انہوں نے تصاویر بھی لیں"۔ (صفحہ ۱۶)

جادو

''مشرق میں بعض ایسے جادوگر رہتے ہیں جو قوت ارادی سے دشمن کو ہلاک کر سکتے ہیں۔ ان کا طریقہ یہ ہے کہ اپنے آپ پر عالم محویت طاری کرنے کے بعد مہلک خیالات وتجاویز کی ایک لہر اس شخص کے دماغ کی طرف بھیجتے ہیں کہ جسے ہلاک کرنا چاہتے ہیں۔ وہ ان خیالات کی گرفت میں آ کر اپنا ارادہ کھو بیٹھتا ہے اور خودکشی کر لیتا ہے۔

مجھے ہائی کورٹ کے ایک جج نے یہ کہانی سنائی کہ سورت (بمبئی) میں ایک دولت مند کسی مہلک بیماری میں مبتلا ہو گیا۔ اس کے بھائی کی خواہش یہ تھی کہ اس کی موت جلد تر واقع ہوتا کہ وہ اس کی جائیداد کا مالک بن جائے۔ جب مریض کی بیوی کو اس کے ارادوں کا علم ہوا تو وہ ایک شام ایک بہت بڑے جادوگر کے پاس گئی۔ اتفاق یہ کہ اسے اس کے دیور نے جاتے دیکھ لیا اور اس کے پیچھے ہو لیا۔ اس عورت کو معلوم نہ تھا کہ کوئی اس کا پیچھا کر رہا ہے۔ جادوگر نے عورت کو دیکھتے ہی کہا: ''معلوم ہوتا ہے کہ تم اپنے دیور کی جان لینا چاہتی ہو''۔ عورت نے حیرت سے پوچھا: ''آپ کو کیسے علم ہوا؟'' کہا: ''میرے لیے ہر دماغ ایک کھلی ہوئی کتاب ہے اور میں جذبات وخیالات کو نہایت آسانی سے پڑھ سکتا ہوں اور میں بھی اڑ سکتا ہوں۔ کیا تم اپنے دیور کی موت چاہتی ہو؟ اس کی فیس تین سو روپیہ ہے۔ آج رات میں موت کی طاقتوں کو بلاؤں گا اور کل صبح تمہارا شوہر اور دیور دونوں اس دنیا سے رخصت ہو چکے ہوں گے اور تم تمام جائیداد کی وارث قرار پاؤ گی''۔

اس عورت کا دیور چھپ کر یہ تمام گفتگو سن رہا تھا۔ وہ فوراً ایک بہت بڑے یوگی کے پاس پہنچا۔ کہانی بیان کی تو اس نے کہا کہ ساحر کی

چوٹ سے بچنے کی ترکیب یہ ہے کہ رات کو کھانا کھانے کے بعد ایک خالی کمرے میں آگ جلاؤ۔ فرش پر سفید چادر بچھاؤ، اس پر سفید میز پوش ڈالو، اردگرد کھونٹے گاڑ کر ایک رسی باندھو اور اس میز پوش پر بیٹھ کر سر جھکالو۔ اپنا دھیان خدا پر لگالو اور صبح تک جاگتے رہو، اگر ایک لمحے کے لیے بھی آنکھ لگ گئی تو ہلاک ہو جاؤ گے''۔

نوجوان نے ایسا ہی کیا۔ رات کو میز پوش پر سر جھکا کر بیٹھ گیا، دو گھنٹے گزر گئے اور کچھ نہ ہوا۔ آدھی رات کے بعد بطنِ زمین سے ایک سیاہ رنگ کا گھوڑا نمودار ہوا، جس کے نتھنوں سے آگ نکل رہی تھی اور سوار کے ہاتھ میں ایک آتشیں تلوار تھی۔ گھوڑا بار بار آگے بڑھتا، لیکن رسی کے قریب آ کر رک جاتا۔ یہ کشمکش صبح تین بجے تک جاری رہی۔ اس کے بعد وہ گھوڑا بطن زمین میں غائب ہو گیا اور اس نوجوان کے تمام بال خوف سے سفید ہو گئے۔

صبح کے وقت تمام اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ فلاں جادوگر اپنے بستر میں مردہ پایا گیا ہے۔ اس یوگی نے اس کی وجہ یہ بتائی کہ جب کوئی جادوگر موت کی طاقت کو بلاتا ہے تو وہ ناکامی کی صورت میں پلٹ کر جادوگر پر وار کرتی ہے اور اسے ہلاک کر دیتی ہے۔ بعد از تحقیق پتہ چلا کہ جادوگر کی موت صبح کے تین بجے واقع ہوئی تھی''۔ (صفحہ ۲۰۔۲۱)

پیام رسانی کا ایک عجیب واقعہ

''میں جب چین کی سیاحت کو گیا تو میرے سامان میں پینتیس صندوق تھے۔ میں ایک مقام پر سات دن کے دریائی سفر کے بعد پہنچا تو ایک صندوق کم نکلا۔ میں اور میرے ساتھی نے مل کر مراقبہ کیا تو صندوق اس مکان کے ایک کمرے میں نظر آیا جس میں ہم سات دن پہلے

رہ چکے تھے۔ تار کا سلسلہ تھا نہیں، وہاں ڈاک دس دن میں پہنچتی تھی اور میرے لیے اتنے دن انتظار کرنا مشکل تھا۔ اب ایک ہی صورت باقی تھی کہ اثیری لہروں کے ذریعہ پیغام بھیجا جائے۔ چنانچہ میرے ہم سفر نے، جو چینی زبان سے واقف تھا، اپنے آپ پر مدہوشی طاری کر لی۔ اس کا جسم سرد پڑ گیا، نبض بظاہر ختم ہوگئی، ماتھے سے پسینہ بہہ نکلا اور وہ تین گھنٹے تک اسی حالت میں رہا۔ ہوش میں آنے کے بعد اس نے بتایا کہ سب کام ٹھیک ہو گیا ہے۔ دس منٹ تک صندوق جہاز میں لاد دیا جائے گا اور سات دن کے بعد یہاں پہنچ جائے گا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جو آدمی صندوق لے کر آیا تھا اس سے میں نے پوچھا کہ صندوق کے متعلق تمہیں کس نے کہا تھا؟ اس نے جواب دیا کہ پولیس کمشنر نے مجھے بلا کر حکم دیا کہ یہ صندوق اسی وقت اٹھا کر بندرگاہ تک پہنچو اور پہلے جہاز میں سوار ہو کر فلاں مقام پر لے جاؤ۔ مزید تفتیش سے معلوم ہوا کہ میرا ہم سفر اثیری جسم میں کمشنر کے مکان پر پہنچا۔ دروازہ بند تھا۔ چین میں شام کے بعد کوئی ملاقاتی مکان کے اندر داخل نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اس نے باہر سے آواز دی، صندوق کے متعلق پیغام دیا اور کمشنر نے اسی وقت تعمیل کی"۔

(صفحہ ۲۲۔۲۴)

"پیغام رسانی کا طریقہ یہ ہے کہ جسے پیغام دینا ہو یا تو اس کا فوٹو سامنے رکھو یا دماغ میں اس کا تصور قائم کر لو اور جو بات کہنا چاہتے ہو، کہو، اور دہراتے جاؤ۔ اگر آپ کی آواز اور آپ کا دماغ گناہ سے آلودہ نہیں اور عبادت و پاکیزگی سے روح توانا ہو چکی ہے تو یہ آواز منزل تک پہنچ جائے گی۔ بشرطیکہ پیغام وصول کرنے والا بھی صاحبِ تقویٰ ہو"۔

(صفحہ ۲۴)

ہوا میں معلق

''میں نے ایک دن اپنے ہم سفر سے پوچھا کہ کیا آپ نے ہوا میں معلق ہونے کا منظر کبھی دیکھا ہے؟ کہنے لگا۔ ولایت کے ایک تھیٹر میں دیکھا تھا لیکن وہ محض ایک شعبدہ تھا۔ یہ قوت مجھے حاصل ہے۔ اس پر اس نے اپنے ہی ایک نوکر کو بلایا۔ پہلے اسے ہپناٹائز کیا پھر کہا کہ ''ہوا میں معلق ہو جاؤ'' اور وہ زمین سے چار فٹ اوپر فضا میں لٹک گیا''۔ (صفحہ ۲۵)

حادثہ

''ایک مرتبہ لارڈ۔۔۔۔ کی فیملی لندن سے باہر اتوار منانے گئی۔ خود لارڈ۔۔۔۔۔ لندن ہی میں رہا۔ رات کے وقت اس کی بیوی نے زور سے ایک چیخ ماری۔ تمام بچے اور نوکر اس کے کمرے میں جمع ہو گئے۔ دریافت کرنے پر اس نے بتایا کہ ابھی ابھی لارڈ۔۔۔۔۔۔ میرے کمرے میں آئے تھے اور یہ کہہ کر غائب ہو گئے ہیں کہ ''میں مر چکا ہوں''۔ صبح کے وقت تار ملا کہ لارڈ۔۔۔۔۔ اپنے بستر میں مردہ پائے گئے ہیں''۔ (صفحہ ۲۶۔۲۷)

اسی قسم کا ایک واقعہ آج سے ایک برس پہلے ''لائف میگزین'' میں نکلا تھا کہ امریکہ میں ایک لڑکی ہر ہفتے ایک مقرر وقت اور مقام پر اپنے ایک دوست کا انتظار کیا کرتی تھی۔ یہ شخص دور کسی ریاست میں ملازم تھا اور وہاں سے طیارے پر آیا کرتا تھا۔ ایک دن لڑکی دیر تک انتظار کرتی رہی، آخر مایوس ہو کر لوٹنے کو تھی کہ دور کھیتوں میں اسے وہی دوست دوڑتا نظر آیا۔ جب وہ قریب پہنچا تو لڑکی بے تابی میں اس سے لپٹ گئی اور وہ اس کے بازوؤں میں ہوا کی طرح غائب ہو گیا۔ بعد میں یہ راز کھلا کہ جس طیارے میں وہ آ رہا تھا، وہ اڈے سے ذرا دور حادثے کا شکار ہو گیا تھا، تمام مسافر ہلاک ہو گئے تھے اور یہ اس نوجوان کا جسم لطیف تھا۔

کائناتی دماغ کی لہریں

"بجلی کی لہر کی طرح خیال کی لہر بھی ایک توانائی ہے، جس سے ہم دوسروں کو متاثر کرتے ہیں۔ اگر ہم کسی شخص کی طرف امواج نفرت بھیج رہے ہیں، تو جواب میں نفرت ہی ملے گی۔ یہ ہو نہیں سکتا کہ نفرت کا جواب محبت سے ملے۔ ہر لہر اپنی نوعیت کی اور لہریں پیدا کرتی ہے۔ اگر ہم کسی پر رحم کھائیں گے تو جواباً جذبۂ تشکر بیدار ہوگا۔ خلوص کا جواب خلوص اور محبت کا جواب محبت سے ملے گا۔ ان لہروں جنین (پیٹ میں بچہ) بھی متاثر ہوتا ہے۔ ہر عورت کو اپنے رشتہ داروں میں سے بعض کے ساتھ بہت زیادہ محبت ہوتی ہے اور قدرتاً اس کی یہ خواہش ہوتی ہے کہ اس کا ہونے والا بچہ ان میں سے کسی ایک کی شکل وصورت لے کر آئے اور عموماً ایسا ہی ہوتا ہے۔

اس کائنات میں ایک عظیم دماغ کارفرما ہے جس سے طاقت ور لہریں نکل کر ہر چیز پر اثر انداز ہو رہی ہیں۔ مختلف دماغوں سے ٹکرا کر کہیں تجویز، کہیں ارادے، کہیں تخیل، کہیں سکون اور کہیں اضطراب کی شکل اختیار کر رہی ہیں۔ شاعر کو مضامین، جانباز کو شجاعت، خدا پرست کو سکون اور بدکار کو بے چینی اسی ماخذ سے مل رہی ہے۔ یہ عظیم دماغ حیات کائنات ہے۔ یہ ہمہ بیں، ہمہ داں، الغالب القدیر اور المحیط ہے۔ جو شخص اس دماغ سے رابطہ پیدا کر لیتا ہے وہ ان تمام نعمتوں سے متمتع ہوتا ہے۔

سب سے پہلے فیثا غورث نے اس حقیقت کا انکشاف کیا تھا کہ کائنات کی ہر چیز سے لہریں نکل رہی ہیں۔ یہ لہریں کہیں شور کی شکل اختیار کرتی ہیں مثلاً طیارے اور ٹرین کا شور، کہیں روشنی اور موسیقی کی اور کہیں عشق، خوف اور نفرت کی۔ محبوبہ کی شخصیت سے ایسی لہریں خارج

ہوتی ہیں کہ عاشق کے تن بدن میں آگ بھڑک اٹھتی ہے۔ اگر وہ عاشق کو صرف چھو لے تو اس کے جسم میں بجلی کی سی ایک طاقت ور لہر دوڑ جاتی ہے۔ سانپ اور شیر کو دیکھ کر خوف پیدا ہوتا ہے۔ کیچوے اور چھپکلی سے گھن آتی ہے اور کائنات میں ایسے لاتعداد اشخاص و مناظر موجود ہیں، جنہیں دیکھ کر عمیق لذت و مسرت کا احساس ہوتا ہے۔

زمین کے بطن میں بیسیوں معاونِ مدفون ہیں، جن سے مختلف قسم کی لہریں خارج ہو کر انسان کو متاثر کر رہی ہیں۔ یہ لہریں کہیں کم ہیں اور کہیں زیادہ اور ان کے اثرات مختلف اشخاص پر مختلف ہوتے ہیں۔ بعض لوگ کراچی کو جنت سمجھتے ہیں اور بعض اسے جہنم سے بدتر قرار دیتے ہیں۔ ایک مقام پر زید کی صحت اچھی رہتی ہے اور بکر فوراً بیمار ہو جاتا ہے۔ دیہاتی شہر میں آ کر خوش ہوتا ہے اور شہری دیہات میں جا کر"۔

غیب بینی کا ایک واقعہ

"ایک مرتبہ ایک کرنل مجھ سے ملنے آیا۔ انہی مسائل پہ بحث چھڑ گئی تو میں نے کرنل کو دماغی لہروں کے اثر سے از خود غافل کر دیا اور کاغذ قلم اس کے ہاتھ میں تھما کر حکم دیا کہ اس وقت فلاں سیاست دان جو کچھ کر رہا ہے اور جس حال میں جہاں بھی ہے قلم بند کرو، کرنل تین گھنٹے تک لکھتا رہا۔ بعد میں یہ تحریر میں نے اس سیاست دان کو دکھائی تو اس نے ایک ایک شوشے کی تائید کی اور دیر تک انسانی صلاحیتوں پہ حیرت کا اظہار کرتا رہا"۔ (صفحہ ۳۶)

وائسرائے کے سامنے ایک واقعہ

"ایک روز وائسرائے ہند مجھ سے ملنے آئے۔ ہم سب برآمدے میں بیٹھ گئے۔ روحانیات پر بات چل پڑی تو وائسرائے نے عملی مظاہرہ کی خواہش ظاہر کی۔ میں نے ان کے

سیکرٹری کو ایک کرسی پہ بٹھایا۔ اس کے ہاتھ میں تاش کا ایک پیک دیا اور کہا کہ کوئی سا پتا نکال کر پہلے خود دیکھیے اور پھر ہم سب کو دکھایئے۔ یہ کر چکا تو کارڈ پیک میں ملا دیا گیا اور وائسرائے نے پیک کو اچھی طرح شفل کر دیا، اس کے بعد میں نے ہپناٹزم کے زور سے سیکرٹری کو بے ہوش کیا، پھر تاش کے تمام پتے میز پر الٹے رخ بچھا دیے اور حکم دیا کہ ان میں سے صرف وہی پتا اٹھاؤ جو سب کو دکھا چکے ہو اور اس نے ایسا ہی کیا''۔ (صفحہ ۳۷۔۳۸)

ایک دیوانہ

''میں نے جب پہلی مرتبہ ریڈیو خریدا تو ایک روز ایک دیوانہ میرے پاس آیا، چند گانے سننے کے بعد کہنے لگا: ''مسٹر کانن! کیا آپ کا خیال یہ ہے کہ اثیر کی ان لہروں کو، جو موسیقی میں بدل جاتی ہیں، اس آلے کے بغیر ہم نہیں پکڑ سکتے؟ یہ خیال غلط ہے، میں پچھلے پندرہ برس سے اس قسم کے گانے اور آوازیں سن رہا ہوں''۔ دیوانے کا یہ ریمارک قابل غور ہے۔ عموماً دیوانے اپنے آپ ہی سے باتیں کرتے رہتے ہیں۔ کبھی ہنستے، کبھی روتے اور کبھی غصے میں آ کر گالیاں دیتے ہیں۔ اغلب یہی ہے کہ انہیں فضا میں کچھ صورتیں نظر آتی ہوں گی، جن سے یہ باتیں کرتے اور جھگڑتے ہیں اور ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یہ ہوا میں لٹھ چلا رہے ہیں۔ ممکن ہے کہ اللہ نے ان کی سماعت و بصارت میں غیر معمولی اضافہ کر دیا ہو اور وہ غیبی چیزیں دیکھ اور اثیری آوازیں سن سکتے ہوں''۔

سانپ اور ہپناٹزم

''سانپ اپنے شکار پر اچانک حملہ نہیں کرتا، بلکہ اس کے قریب آ کر پہلے اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑتا اور پھر سر کو اس انداز سے ہلاتا ہے کہ شکار ہپناٹائزڈ ہو کر رہ جاتا ہے اور لطف یہ کہ جب وہ

سانپ کا لقمہ بنتا ہے تو اسے تکلیف کا احساس تک نہیں ہوتا۔

جب ہم تبت کی طرف جا رہے تھے تو ایک روز میرا ایک ساتھی، جو اندازاً پچاس گز آگے جا رہا تھا، ایک دم رک گیا۔ میں قریب پہنچا اور اسے آواز دی تو کوئی جواب نہ ملا۔ جا کر اسے جھنجھوڑا تو مبہوت و بے حس پایا۔ کیا دیکھتا ہوں کہ اس کی نظریں کہیں سامنے جمی ہوئی ہیں۔ مَیں نے اس طرف متلاشیانہ نگاہ ڈالی تو سامنے ایک حسین لہراتا ہوا سانپ نظر آیا جو آہستہ آہستہ قریب آ رہا تھا۔ میں نے آگے بڑھ کر پورے زور سے اس کے سر پر ایک لٹھ دے مارا، جو عین نشانے پر بیٹھا۔ اس کے بعد پے در پے ضربوں سے اسے کچل دیا اور میرا ساتھی معاً ہوش میں آ گیا۔ اس سے باتیں ہوئیں تو اس نے سانپ کے وجود ہی سے انکار کر دیا اور اس وقت تک نہ مانا جب تک کہ مرے ہوئے سانپ کو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیا''۔ (صفحہ ۵۱-۵۲)

''ہپناٹزم ایک زبردست طاقت ہے جس کے بل پر کائنات کا نظام قائم ہے۔ اولاد کو ماں باپ یوں ہپناٹائز کر دیتے ہیں کہ اولاد والدین کے خیالات، عقائد اور تصورات کے ماحول سے باہر نہیں نکل سکتی۔ اسی ہپناٹزم کا اثر ہے کہ خاکروب کا بیٹا بڑا ہو کر باپ ہی کا کام کرتا ہے اور یہی وہ طاقت ہے جس کے زور سے ایک اعلیٰ مقرر سامعین پر جادو کر دیتا ہے اور ان سے جو چاہتا ہے منوا لیتا ہے''۔

دلائی لامہ کا قاصد

''ابھی ہم تبت سے کئی سو میل دور تھے کہ ہمارے ہاں ایک اجنبی وارد ہوا۔ گیروے رنگ کے لمبے کرتے میں ملبوس، سر پہ کالی ٹوپی اور ایک بازو غائب، کہنے لگا کہ مجھے دلائی لامہ نے آپ کی پیشوائی کے

لیے بھیجا ہے۔ ہم سب حیرت زدہ ہو گئے کہ دلائی لامہ کو ہماری خبر کس نے دی۔

قاصد نے بتایا کہ آپ کی ارسال کردہ اثیری لہریں دلائی لامہ کے دماغ سے ٹکرا کر غیر مبہم پیغام میں تبدیل ہو رہی ہیں اور وہ آپ کی مہم سے باخبر ہے"۔ (صفحہ ۵۴)

پرسنلٹی کا اثر

"ہم ایک مقام پر کھانا کھا کر باتیں کر رہے تھے کہ ایک شخص ہمارے حلقے میں آ بیٹھا۔ سب خاموش ہو گئے اور یوں محسوس ہوا کہ ہر شخص اس سے بیزار سا ہے اور اس سے جان چھڑانے کا متمنی ہے۔ وہ بھی ہماری بیزاری کو محسوس کرنے لگا اور اٹھ کر چلا گیا۔ کچھ دیر کے بعد ایک اور آدمی آ گیا جس سے مل کر سب کو فرحت ہوئی۔ اسی موضوع پر بات چل پڑی تو لامہ (قاصد) کہنے لگا۔ ہر آدمی کی پرسنلٹی سے لہریں نکل رہی ہیں جو دوسروں تک پہنچ کر محبت یا نفرت کا احساس پیدا کرتی ہیں۔ دل و دماغ میں پاکیزگی ہو تو احساسِ محبت ہوتا ہے ورنہ نفرت و کراہت"۔

(صفحہ ۵۷)

دَرد دُور

"ایک رات دو بجے کے قریب میرا ایک نوکر چیخنے لگا۔ جا کر دیکھا تو شیاٹیکا کے درد میں مبتلا تھا۔ ہم نے اسے ہپناٹائز کرنے کی کوشش کی لیکن بے سود۔ مارفیا تھا نہیں۔ ہم سب بے بس سے ہو گئے تو لامہ آیا اور کہنے لگا:

"اے درد! فوراً تھم جا!"

اور وہ وہیں تھم گیا۔ نوکر مسکرانے لگا اور چند لمحات کے بعد آرام سے سو گیا۔ (صفحہ ۶۱)

اس کے بعد لامہ کہنے لگا کہ اگر انسان اللہ کی مرضی کے سانچے میں ڈھل جائے اور اس سے محکم رابطہ قائم کر لے تو اس کا ارادہ اللہ کا ارادہ بن جاتا ہے جو قضا کی طرح مؤثر ہوتا ہے"۔

خواب میں بیداری

"رات کی تکلیف کی وجہ سے نوکر صبح کو دیر تک سویا رہا۔ جب ہم لوگ عبادت وغیرہ سے فارغ ہو کر آئے تو ناشتہ ندارد۔ سب نے نوکر کو جگانا چاہا تو لامے نے روک دیا اور کہنے لگا۔ آج نیند ہی کی حالت میں اس سے ناشتہ پکوائیں گے۔ چنانچہ اسے حکم دیا۔ "اٹھو اور ناشتہ تیار کرو"۔

اس نے فوراً تعمیل کی۔ جب ناشتہ تیار ہو چکا تو لامے کا اشارہ پا کر وہ دوبارہ لیٹ گیا"۔ (صفحہ ۶۳)

دل کی بات بوجھنا

"رات کو کھانے کے بعد "دل کی بات بوجھو" کا کھیل شروع ہو گیا۔ لامہ باہر چلا گیا۔ میرے ساتھی نے دل میں ایک چیز کا تصور قائم کر لیا۔ باہر جا کر لامہ مکمل استغراق و محویت کی حالت میں ہمارے مخفی خیالات کا مطالعہ کرنے لگا۔ اندر آیا تو میرے ساتھی کو اٹھا کر کلاک کے پاس لے گیا اور کہنے لگا "تمہارے دل میں یہ چیز تھی" اور ہم سب حیران رہ گئے"۔ (صفحہ ۶۳)

عجیب حکم اور اس کی تعمیل

"ایک روز لامہ مجھ سے کہنے لگا "کیا تم مجھے ہپناٹائز کر سکتے ہو؟ میں نے کہا "کوشش

کروں گا"۔ چنانچہ میں نے لامہ کو اپنے سامنے بٹھا لیا۔ اس کی آنکھوں میں آنکھیں گاڑ کر خیال کی طاقت ور لہریں اس کی طرف بھیجیں تو وہ ڈولنے لگا۔ جب پوری طرح ہپناٹائز ہو گیا تو میں نے اسے دو حکم دیے۔

اول: اب سے دس منٹ بعد تم اپنا کوٹ اور جوتے اتار دو، پھر مجھ سے معذرت کرو کہ "بد حواسی میں کوٹ اور جوتوں کے بغیر آپ سے ملنے چلا آیا"۔
اور بالآخر مجھ سے عاریتاً کوٹ اور جوتے مانگو۔

دوم: ۴۔ اگست کی صبح کو تم یہ خط وائسرائے کے پاس لے جاؤ اور تین گھنٹوں میں واپس آؤ۔
اس کے بعد میں نے کہا "ہوش میں آ جاؤ اور جو چاہو کرو"۔

"دس منٹ کے بعد لامے نے پہلے کوٹ اتارا۔ پھر جوتے، اس کے بعد معافی مانگنے لگا اور بالآخر کہنے لگا "ازراہِ کرم اپنا کوٹ اور جوتے عنایت فرمایئے، میں اپنی غار سے واپس بھجوا دوں گا"۔

"۴۔ اگست کو لامہ دہلی کی طرف روانہ ہو گیا جو وہاں سے دو ہزار میل دور تھی اور بیچ میں پہاڑوں کے بلند سلسلے حائل تھے۔ تین گھنٹے کے بعد واپس آیا اور کہنے لگا "خط پہنچا آیا ہوں"۔ چند روز بعد وائسرائے کا خط ملا جس میں میرے اس خط کا ذکر تھا اور جب واپسی پر میں وائسرائے سے ملا تو اس نے مجھے میرا وہ خط بھی دکھایا"۔

(صفحہ ۶۷۔۶۸)

خواب کی حقیقت

"ہپناٹزم کی حالت میں معمول کے تمام حواس یہاں تک کہ ارادہ بھی عامل کے بس میں ہو جاتا ہے، وہ جو چاہے اس سے کراتا ہے۔ وہ اسے حکم دے سکتا ہے کہ ہوش میں آنے کے بعد فلاں کام کرو۔ یہی کیفیت نیند کی ہے کہ سونے والا اپنے حواس، ارادہ، خواہش سب کچھ سے محروم ہو جاتا

ہے۔اس حالت میں کائنات کی مخفی طاقتیں اس کے دل و دماغ پہ مسلط ہو جاتی ہیں۔کبھی اسے آنے والے واقعات کی تصویریں دکھاتی ہیں، کبھی اس کے دماغ میں نئے ارادے اور نئی تجاویز ڈالتی ہیں اور کبھی اسے خوفناک مناظر دکھا کر بدعملی سے روکنے کی کوشش کرتی ہیں۔

یوں سمجھیے کہ نیند ہپناٹزم کی ایک صورت ہے جس میں کائنات کی مخفی طاقتیں عامل کے فرائض سرانجام دیتی ہیں''۔

خیال شراب اور بلی

''لامہ باتوں میں محو تھا کہ میں نے خالی ہاتھ آگے بڑھا کر کہا۔''یہ لیجیے، شراب کے چند گھونٹ پی لیجیے''۔لامے نے ہاتھ بڑھایا۔خیالی جام ہاتھ میں لے لیا۔بار بار خالی ہاتھ لبوں تک لے جاتا۔کڑواہٹ سے منہ بناتا اور خیالی گھونٹ گلے سے اتارتا۔کافی دیر کے بعد اسے احساس ہوا کہ اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں لیکن اس کے منہ میں بدستور کڑواہٹ تھی۔

اسی محفل میں میں نے لامے سے کہا۔''دیکھو! وہ سامنے بلی کتنی خوبصورت ہے۔کہنے لگا۔''دھوکہ بازی سے باز آیئے، یہاں بلی کہاں ہے؟'' میں نے کہا:''آپ غلط سمت دیکھ رہے ہیں، وہ اس طرف بیٹھی ہے''۔دیکھ کر کہنے لگا:''ہاں! واقعی بڑی خوبصورت بلی ہے''۔دراصل وہاں کوئی بلی نہیں تھی۔یہ بھی ایک سراب خیال تھا''۔(صفحہ ۷۰)

موجود مفقود

''بحث یہ چل پڑی کہ کیا یہ ممکن ہے کہ ایک چیز موجود تو ہو لیکن نظر نہ آئے۔میں نے تجربتہً اپنے نوکر کو ہپناٹائز کیا اور کہا۔''اس کمرے میں میں اب تنہا ہوں (اس وقت ہم تین تھے) آنکھیں کھولو اور دیکھو''۔اس نے آنکھیں کھولیں۔ادھر ادھر گھومنے لگا۔میری ہر بات کا جواب دیتا لیکن لامے اور دوسرے ساتھی کی بات نہ سنتا اور نہ انہیں دیکھ سکتا۔پوچھنے پر بار بار یہی کہتا، کہ اس کمرے میں میرے اور آپ کے سوا اور کوئی نہیں''۔(صفحہ ۷۱)

احساسِ مرض

''یہ نوکر ابھی اسی حال میں تھا کہ لامے نے اس میں دانت کے درد کا احساس پیدا کر دیا اور وہ چیخنے لگا۔ کچھ دیر کے بعد لامے نے ارادے کی ایک نئی لہر بھیجی اور نوکر چنگا بھلا ہو گیا''۔ (صفحہ ۷۲)

پرندوں کی بولیاں

''شام کو ہم سیر کے لیے نکلے۔ پتھریلی چٹانوں پہ ٹہلتے ٹہلتے ایک نشیب میں جا پہنچے، جہاں ایک کھیتی کے گرد گھنے درخت جھوم رہے تھے اور ان میں چند ایک حسین اور انوکھے پرندے چہچہا رہے تھے۔ لامے نے ہر پرندے کا تعارف کرایا اور کہا ''جس طرح پرندہ اپنی بولی سے پہچانا جاتا ہے، اسی طرح انسان کا اندازہ بھی اس کی گفتگو سے ہوتا ہے کہ وہ کتنے پانی میں ہے''۔

ایک پیغام

''ہم اس کھیت سے واپس آ کر رات کو سونے کی تیاری کر رہے تھے کہ ایک آواز فضا سے آئی:

''کل صبح کو رخت سفر باندھ کر اپنی منزل کی طرف چل دو۔ ہم تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔ ہمارا لامہ جو ایک لمحہ پہلے آپ کے پاس تھا۔ اب ہمارے حضور میں ہے۔ کل جب تم پانچ میل چلنے کے بعد ایک خوفناک دریا پہ پہنچو گے جسے عبور کرنا تمہارے بس کی بات نہیں تو ہم اپنا لامہ دوبارہ تمہاری مدد کے لیے بھیج دیں گے''۔ (صفحہ ۸۱)

دریا پر پرواز

''دوسرے روز جب ہم دریا پر پہنچے تو پرلے کنارے پر اسی لامے کو منتظر پایا۔ دونوں کناروں میں تقریباً پچاس فٹ کا فاصلہ حائل تھا۔ اس نے آواز دی کہ ہوا میں اڑ کر دریا کو عبور کرو، تمہیں کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ چنانچہ میں اور میرا ساتھی تعمیل حکم میں چٹان سے کود پڑے اور پرلے کنارے کی ریت پر جا گرے۔ لیکن ہمارے ملازم اور قولی وہیں رہ گئے۔ لامے نے کہا کہ ان

سب کو اسی غار میں لوٹا دو۔ وہیں آپ کی واپسی کا انتظار کریں۔ رہی آپ کی ضرورت کی اشیاء مثلاً کپڑے وغیرہ تو یہ سب روحانی طاقت سے فراہم کر دی جائیں گی۔ لامہ گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے ہمارے لیے بھی گھوڑوں کا انتظام کر دیا۔ اس نے اشارہ کیا اور گھوڑے عدم سے وجود میں آ گئے۔ ان پہ سوار ہو کر شام کو غروبِ آفتاب کے قریب ہم لاہسہ کی اس عظیم لاماسری (لاموں کی درس گاہ و عبادت گاہ) میں جا پہنچے، جو ہماری منزلِ مقصود تھی۔ دروازے خود بخود کھل گئے اور ہم اندر داخل ہو گئے"۔ (صفحہ ۸۲)

دلائی لامہ سے ملاقات

"دوسرے روز صبح کے وقت وہی لامہ آیا اور بشارت سنائی کہ آج شام کو دلائی لامہ سے آپ کی ملاقات ہو گی۔ جب شام آئی تو وہ لامہ ہمیں مختلف کمروں، گیلریوں اور دروازوں سے نکال کر ایک وسیع ہال میں لے گیا، جس کی مشرقی دیوار کے ساتھ ایک سنہری تخت بچھا ہوا تھا۔ اس پر ایک ایسا آدمی بیٹھا ہوا تھا جس کے بدن کے گرد نیلے رنگ کی روشنی نے ایک ہالہ بنا رکھا تھا۔ یہ تھا دلائی لامہ ہمیں دیکھ کر تعظیماً اٹھا اور پھر اپنے پاس بٹھا لیا"۔

مردہ زندہ

"معاً چند لامے لکڑی کا ایک تابوت اٹھا کر لائے۔ اندر ایک لاش تھی۔ دلائی لامہ نے مجھے کہا "جاؤ اور دیکھو! کیا اس مردے میں زندگی کی کوئی رمق باقی ہے"۔ میں نے جا کر نبض دیکھی۔ دل پہ ہاتھ رکھا اور ہر طرح دیکھا بھالا۔ زندگی کی کوئی علامت موجود نہ تھی۔ اس کے بعد دلائی لامہ اپنی مسند سے اٹھا۔ تابوت کے قریب آیا، کوئی منتر پڑھا اور مردے نے آنکھیں کھول دیں۔ پھر آہستہ آہستہ اٹھا، تابوت سے باہر نکلا۔ دلائی لامہ کے قدم لیے۔ دوبارہ تابوت میں داخل ہو گیا، آنکھیں بند کر لیں۔ آثارِ حیات یک بیک غائب ہو گئے اور لامے تابوت کو اٹھا کر چلے گئے"۔ (صفحہ ۸۳)

میں سوچنے لگا کہ ہندوستان کے بعض لوگ کچھ ایسی ریاضت کرتے ہیں کہ اگر انہیں

ہفتوں بلکہ مہینوں کے لیے زمین میں دفن کر دیا جائے تو وہ زندہ رہتے ہیں۔۔۔۔ (ایسا ایک منظر ۱۹۴۶ء میں میں نے یہاں کیمبل پور میں دیکھا تھا کہ ایک یوگی کہیں سے آیا، اسے یہاں کے ایک میدان میں کئی ہزار تماشائیوں کے سامنے زمین میں دفن کر دیا گیا۔ اس کی قبر پر سیمنٹ کا پلستر کر دیا گیا۔ رات بھر سینکڑوں ہندو باری باری اس کی قبر پر بھجن گاتے رہے۔ دوسرے روز تمام شہر کے سامنے اسے نکالا گیا۔ سول سرجن نے پوری دیکھ بھال کے بعد اس کی موت کا اعلان کر دیا لیکن جب اس کے چیلوں نے اس کے سر پر برف رکھی تو صرف ایک منٹ کے بعد اس کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے آنکھیں کھول کر ''ہری اوم'' کا نعرہ لگایا۔ اس واقعہ کے سینکڑوں عینی شاہد اب بھی کیمبل پور میں موجود ہیں اور میں یہ تمام نظارہ چار فٹ کے فاصلے سے دیکھ رہا تھا۔ برقؔ) کہیں یہ لاش ویسے ہی یوگی کی تو نہیں؟ دلائی لامہ میری حیرت کو بھانپ کر کہنے لگا کہ یہ شخص مردہ نہیں، بلکہ سات برس سے ایک بلند تر عبادت میں محو ہے۔ اس کا جسم بظاہر مردہ نظر آتا ہے لیکن یہ دراصل زندہ ہے''۔ (صفحہ ۸۴)

نیلی روشنی

''جب ہم دلائی لامہ سے رخصت ہو کر اپنے کمرے میں واپس آ گئے تو میں نے اپنے ساتھی سے پوچھا کیا تم نے دلائی لامہ کے گرد نیلگوں روشنی کا ہالہ دیکھا تھا؟ اس کی حقیقت پر کچھ روشنی ڈالو۔ وہ کہنے لگا کہ اس قسم کا ہالہ ہر شخص کے گرد موجود ہوتا ہے لیکن حسب کردار و حالات روشنی کا رنگ مختلف ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص دیوانہ ہو جائے تو یہ ہالہ خاکستری رنگ کا ہو جاتا ہے۔ عبادت و ریاضت سے یہ روشنی نیلی ہو جاتی ہے۔ اگر کسی آدمی کو ہم ایک کالے پردے کے سامنے کھڑا کر کے اس پہ یوں نظر جمائیں کہ آنکھ جھپکنے نہ پائے تو کچھ دیر کے بعد یہ ہالہ صاف صاف نظر آنے لگے گا۔ ہر انسان میں یہ روشنی موجود ہے۔ خیال و دماغ کی پاکیزگی اور کثرتِ عبادت سے یہ روشنی عیاں تر ہو جاتی ہے۔ یہاں تک کہ ہر آنکھ کو نظر آنے لگتی ہے۔ آپ نے یہ جملہ تو عموماً سنا ہی ہوگا کہ فلاں عابد کے چہرے پر بڑا نور ہے۔ یہی نور وہ ہالہ ہے جس کا سب سے بڑا مظہر چہرہ ہے''۔

آگ پہ چلنا

''چند روز کے بعد ہم تبت سے واپس چل پڑے۔ مہینوں کے سفر کے بعد ہم ہندوستان کے ایک گاؤں دداؤں (Duduan) میں پہنچے۔ دیکھا کہ ایک لمبی خندق میں ہزاروں من لکڑی جل رہی ہے، جب جل چکی تو ایک مسلمان فقیر اس خندق کے قریب آیا، جوتے اتارے اور دہکتے ہوئے انگاروں پہ مزے سے چلنے لگا، ساتھ کچھ پڑھ بھی رہا تھا۔ خندق ختم ہوگئی تو آ کر ہم سب کو اپنے پاؤں دکھائے، ان پہ نہ کوئی آبلہ تھا، نہ جلن کا کوئی نشان۔ پھر کہنے لگا کہ آپ میں سے جو شخص چاہے میرا دامن تھام کر آگ پر چل سکتا ہے۔ پہلے ایک دو آدمی اس کے ساتھ گئے اور آخر میں کمشنر، کلکٹر اور پولیس چیف نے بھی انگاروں کی سیر کی اور انہیں کسی تکلیف کا احساس نہ ہوا''۔ (صفحہ ۸۸)

(آج سے تیس برس پہلے بنگال کا ایک آدمی خدا بخش یورپ میں گیا وہاں جگہ جگہ اس نے آگ پہ چلنے کا مظاہرہ کیا۔ لندن کے بیسیوں اکابر کو ساتھ چلایا اور اس کے اس کمال کی تفاصیل برسوں دنیا کے اخبارات میں نکلتی رہیں۔ یہ وہی زمانہ ہے جب ڈاکٹر کانن زندہ تھا، ممکن ہے کہ اس نے دداؤں میں خدا بخش یا اس کے کسی شاگرد کو دیکھا ہو۔)

ماحصل

''تفاصیل بالا کا ماحصل یہ کہ روح کی طاقت ایک عظیم طاقت ہے جس سے ہوا میں پرواز، غیب بینی، علاجِ امراض، پیغام رسانی اور دوسروں پر اثر اندازی ممکن ہے۔ اسی طاقت سے ہم کائنات کی مخفی طاقتوں سے مدد لے سکتے ہیں۔ سبز اشجار کو ایک اشارے سے خشک کر سکتے ہیں، نیز آگ اور پانی پہ چل سکتے ہیں۔ ہم ایک ایسی دنیا کے وجود سے انکار نہیں کر سکتے جہاں کوئی پرندہ آج تک پر نہیں مار سکا، جہاں شیروں کے قدم بھی آج تک نہیں پہنچ سکے، جس کے مکنونات (پوشیدہ اشیا) کو عقاب کی نگاہ تیز بھی نہیں دیکھ سکی اور جس کی وسعتوں کو عقلِ انسان آج تک نہیں ماپ سکی۔

یہ ہے روح کی دنیا، بڑی حیرت انگیز اور عظیم دنیا جس میں داخل ہونے کے بعد انسان اتنا عظیم ہو

جاتا ہے کہ اس کے سامنے ہمالہ کی بلندیاں پست نظر آنے لگتی ہیں، اس کی لامحدود صلاحیتوں کو ظہور کا موقعہ ملتا ہے۔ قلب ونظر میں فضاؤں کی وسعتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ ہر چیز سے نور کے چشمے ابلتے دکھائی دیتے ہیں۔ روح کا رشتہ روح کائنات سے قائم ہو جاتا ہے اور یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ ہر چیز اس کے بس میں دے دی گئی ہے۔

"We live in a great age, and the day is not far distant when some of us will be able to reveal to mankind wonders which have never as yet been told or beholden, and the true meaning of the soul of man and the secret of life itself." (p. 91)

ترجمہ: ''ہم ایک عظیم دور سے گزر رہے ہیں اور وہ دن دور نہیں جب ہم میں سے کوئی ان اسرار وعجائب کو بے حجاب کر دے، جنہیں کوئی آنکھ آج تک نہیں دیکھ سکی اور نہ کوئی زبان بیان کر سکی، ان اسرار سے مراد روح انسان کی حقیقت اور خود زندگی ہے''۔

روح کا فرنیچر

''طویل تجربہ ومشاہدہ کے بعد یہ حقیقت مجھ پہ کھل چکی ہے کہ کچھ مخفی اثرات ہماری زندگی کو متاثر کر رہے ہیں جن سے ہم کسی صورت بچ نہیں سکتے ان میں سے بعض اثرات اچھے ہیں، جن کا منبع اللہ اور ملائکہ ہیں اور بعض برے، جن کا مبدأ ابلیس ہے۔ خدا و ابلیس زبردست حقیقت ہیں، جن کی خارج کردہ لہریں ہمارے دل و دماغ سے مسلسل ٹکرا کر خیالات، افکار اور تجاویز کی صورت میں ڈھل رہی ہیں۔ محبت، رحم، حیا و مروت، انصاف اور تسلیم و رضا کے حسین جذبات خدائی لہروں سے پیدا ہوتے ہیں۔ نفرت، کینہ، حسد، ظلم، بے حیائی، بددیانتی اور شرانگیزی کی تمنا شیطانی امواج کی تخلیق ہے۔ اول الذکر کا نتیجہ ایک بلند تر حیات اور اللہ سے رابطہ ہے۔ یہ جذبات روح کا فرنیچر ہیں اور روح کی طرح غیر فانی۔ بعد از مرگ روح ان جذبات کے

ساتھ اثیر میں جا پہنچے گی۔ وہاں اچھے جذبات لالہ دمن کی صورت اختیار کر لیں گے اور برے نارو گلخن کی۔

من کی وسیع دنیا میں خدا و ابلیس دونوں آباد ہیں۔ آؤ! ہم خدا کو اپنا لیں۔ تا کہ خیر کو شر پر، سکون کو اضطراب پر، یزداں کو اہرمن پر، حیات کو موت پر فتح حاصل ہو"۔

تبصرہ

تو یہ تھے ڈاکٹر کانن، ممکن ہے ہمیں ان کی تمام حکایات سے اتفاق نہ ہو، لیکن ان کے بنیادی فلسفۂ خیر و شر سے اختلاف کی کوئی گنجائش نہیں۔ ہزار ہا سال کا انسانی تجربہ، اولیاء و فلاسفہ کی جستجو اور انبیائے عالم کی تصریحات اس کی تائید کرتی ہیں۔ میں نے اپنی ساٹھ سالہ زندگی میں خیر و شر کے بڑے بڑے معرکے دیکھے۔ خیر کو ہر جگہ فتح حاصل ہوئی اور شر ہر میدان میں ہارا۔ میں نے ایسے بڑے بڑے دولت مند دیکھے، جنہیں زندگی کی تمام سہولتیں حاصل تھیں۔ لیکن بدمستی و سیہ کاری کی وجہ سے اطمینان و سکون کی جنت نہ پا سکے۔ کسی نے اضطراب گناہ کی وجہ سے خودکشی کر لی، کوئی خوفناک امراض کا شکار ہو گیا، کسی کی نیند اس فکر میں حرام ہو گئی کہ فلاں جنس کا نرخ نہ ٹوٹ جائے۔ فلاں جہاز جو سامان سے لدا ہوا ولایت جا رہا ہے، سمندر میں نہ ڈوب جائے۔ جنگ چھڑنے کی صورت میں میری سات کوٹھیاں توپوں کا نشانہ نہ بن جائیں۔ فلاں افسر آنکھیں نہ بدل لے۔ میں کہیں مر نہ جاؤں لیکن اللہ کا بندہ ان تمام خدشوں سے بالاتر ہوتا ہے۔ اسے کوئی واقعہ یا حادثہ پریشان نہیں کر سکتا۔ وہ اللہ کو حکیم علی الاطلاق سمجھتا ہے۔ اس کے ہر اقدام کو، خواہ وہ زلزلہ ہو یا موت، خیر محض قرار دیتا ہے۔ وہ دنیوی خداؤں کو قطعاً خاطر میں نہیں لاتا۔ شاہوں کے انعام و سلام کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔ صرف تقویٰ کو معیار عظمت سمجھتا ہے اور جو فرد اس جوہر سے بیگانہ ہو، اس سے دامن بچا کر چلتا ہے۔ حرصِ مال و جاہ سے ورا تر ہوتا ہے اور ہر حال میں اس کی نظر اپنے مستقل مسکن و مامن پر رہتی ہے۔

بقول اقبال

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں، کارکشا، کارساز
خاکی و نوری نہاد، بندۂ مولا صفات
ہر دو جہاں سے غنی اس کا دل بے نیاز
اس کی امیدیں قلیل، اس کے مقاصد جلیل
اس کی ادا دلفریب، اس کی نگہ دلنواز
نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو
رزم ہو یا بزم ہو، پاک دل و پاکباز
نقطۂ پرکارِ حق، مردِ خدا کا یقین
اور یہ عالم تمام وہم و طلسم و مجاز

قرآن حکیم نے اس مضمون کو سینکڑوں پیرایوں میں بیان کیا ہے:۔

فَاَعْرِضْ عَنْ مَّنْ تَوَلّٰی عَنْ ذِکْرِنَا وَلَمْ یُرِدْ اِلَّا الْحَیٰوۃَ الدُّنْیَا
ذٰلِکَ مَبْلَغُھُمْ مِّنَ الْعِلْمِ. (نجم:۳۰)

ترجمہ: ”جو شخص ہماری یاد سے غافل ہے اور دنیا کو مقصد حیات سمجھتا ہے۔
اس سے منہ پھیر لو۔ ان لوگوں کا علم ہی اتنا ہے“۔

قرآن نے کتنی پر مغز بات کہہ دی کہ ”ان کا علم ہی اتنا ہے“۔ اس دنیا کی لذت کو ناپائیدار، روح کو پائیدار اور اثیر کو روح کا وطن سمجھنے کے لیے بے پناہ علم ونظر کی ضرورت ہے اور یہی وہ حقائق ہیں جنہیں پالینے کے بعد پرسنلٹی کا ارتقا شروع ہوتا ہے اور انسان زینہ بہ زینہ، منزل بہ منزل آستانِ لاہوت تک جا پہنچتا ہے۔

فَلَآ اُقْسِمُ بِالشَّفَقِ ۝ وَالَّیْلِ وَمَا وَسَقَ ۝ وَالْقَمَرِ اِذَا اتَّسَقَ
لَتَرْکَبُنَّ طَبَقًا عَنْ طَبَقٍ ۝ (الانشقاق :۱۶۔ ۱۹)

ترجمہ: ''شفق کی بہاروں، رات کے فراہم کردہ نظاروں اور مہ کامل کی قسم کہ تم زینہ بہ زینہ بلندیوں کو طے کر کے اوپر آؤ گے''۔

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ وَّ زِیْنَةٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَكُمْ وَ تَكَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ كَمَثَلِ غَیْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ یَهِیْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ یَكُوْنُ حُطَامًا ؕ وَ فِی الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِیْدٌ ۙ وَّ مَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رِضْوَانٌ ؕ وَمَا الْحَیٰوةُ الدُّنْیَاۤ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ. (الحدید :۲۰)

ترجمہ: ''اتنی سی بات سمجھ لو کہ دنیوی زندگی کھیل کود، آرائش باہمی تفاخر اور مال و اولاد کی کثرت کا نام ہے۔ اس کی مثال وہ بارش ہے، جس سے کسانوں کی کھیتیاں لہلہا اٹھیں، کچھ دیر کے بعد یہ کھیتیاں سوکھنے لگیں، رنگ پیلا پڑ جائے اور بالآخر چورا بن جائیں۔ موت کے بعد دو ہی چیزیں ہیں یا تو المناک عذاب اور یا رحمت بے حساب یاد رکھو کہ یہ زندگی متاع فریب ہے''۔

ہمارے دولت مند

میں ترک دنیا کی تعلیم نہیں دے رہا بلکہ یہ سمجھا رہا ہوں کہ دنیا ہماری منزل نہیں۔ آپ بے شک محل بنائیں۔ دولت کے انبار لگائیں، کاروں میں سفر کریں اور دیگر طیباتِ حیات سے متمتع ہوں لیکن منزل نظر سے اوجھل نہ ہونے پائے، جو ارباب دولت، دولت کو اللہ کی راہ میں صرف کرتے ہیں۔ دل و دماغ میں پاکیزگی کی ایک دنیا بسا لیتے ہیں اور اس منبع نور و قوت سے رابطہ قائم کر لیتے ہیں، وہ اپنی منزل کو بے نواؤں کی نسبت زود تر پا لیتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ ایسے دولت مند کتنے ہیں؟ میں نے اپنی زندگی میں ایک بھی نہیں دیکھا۔ البتہ چند دولت مندوں کی فیاضی کے افسانے ضرور سنے ہیں۔ ان میں سے ایک دیال سنگھ تھا جو لاہور میں ایک کالج اور ایک

شاندار لائبریری بطور یادگار چھوڑ گیا۔ ایک گنگا رام تھا جو مفادِ عامہ کے لیے کئی ادارے بنا گیا۔ ایک نوبل۔۔۔۔۔۔۔۔تھا، جو پانچ کروڑ پونڈ سے ایک ٹرسٹ قائم کر گیا، اس سے ہر سال دنیا کے بہترین ادیب، سائنسدان اور سب سے بڑے امن طلب سیاست دان کو دس دس ہزار پونڈ کے انعامات دیئے جاتے ہیں۔ کچھ اور بھی ہوں گے جو غیر مسلم دنیا میں ملیں گے۔ رہے مسلم دولت مند، تو یہ لوگ اتنے حریص، تنگ ظرف، کنجوس، عیاش اور سنگ دل واقع ہوئے ہیں کہ توبہ ہی بھلی۔ میں نے اپنی زندگی میں قومی کاموں کے لیے بارہا ان کے سامنے ہاتھ پھیلایا اور میرے ہاتھ پہ تھوک دیا گیا۔ یہی وہ لوگ ہیں جو آنے والی ابدی زندگی میں ہولناک آلام و عقوبت کا شکار بنیں گے۔

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لا فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ٥ يَّوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ ط هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا مَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ٥

(التوبہ: ۳۴، ۳۵)

ترجمہ: ''جو لوگ سیم و زر کو جمع کرتے ہیں اور اللہ کی راہ میں صرف نہیں کرتے، انہیں خوفناک عذاب کا مژدہ سنا دو۔ قیامت کے دن نارِ جہنم میں اس سیم و زر کو تاپ کر ان کی پیشانی، پشت اور پہلوؤں کو داغا جائے گا اور کہا جائے گا، یہ ہے تمہاری دولت، آج تم اس دولت کا مزا چکھو''۔

اللہ کی راہ میں صرف نہ ہونے والی دولت مختلف راہوں سے نکلتی ہے مثلاً بدمستی، فحش کاری، حکام کی ضیافتیں، الیکشن، کتے، گھوڑے، بھانڈ، مراثی، میلے، شادیاں وغیرہ اللہ کی راہ میں ایک روپیہ تک صرف کرنا اربابِ دولت پہ گراں گزرتا ہے، نتیجہ یہ کہ ان کی شہرت و عزت کا محل پیوند زمین ہو جاتا ہے۔ غرور، فخر، انسان سے نفرت، عیب چینی اور بدگوئی ان کی فطرت بن جاتی ہے۔

اللہ کے ہاں ان کی قدر کیا ہے، خود اللہ سے سنیے:

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ٥ نِ الَّذِىْ جَمَعَ مَالًا وَّ عَدَّدَهٗ ٥ يَحْسَبُ اَنَّ مَالَهٗۤ اَخْلَدَهٗ ٥ كَلَّا لَيُنْۢبَذَنَّ فِى الْحُطَمَةِ ٥ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحُطَمَةُ ٥ نَارُ اللّٰهِ الْمُوْقَدَةُ ٥ الَّتِىْ تَطَّلِعُ عَلَى الْاَفْـِٕدَةِ ٥

(الھمزہ :ا۔ ۷)

ترجمہ: ''اس عیب جو بدگو کے لیے تباہی مقدر ہو چکی ہے جو دولت جمع کرتا ہے اور اسے گن گن کر رکھتا ہے۔ اس کا خیال یہ ہے کہ وہ دولت کے بل پر ہمیشہ زندہ رہے گا، ہر گز نہیں، ہم اسے اٹھا کر جہنم میں پھینکیں گے۔ جانتے ہو کہ جہنم کیا ہے؟ وہ اللہ کی بھڑکائی ہوئی آگ ہے جو دلوں پہ چڑھ جاتی ہے''۔

اللہ کی اس بھڑکائی ہوئی آگ میں روس کے تین کروڑ، چین کے دو کروڑ، مشرقی یورپ کے کئی لاکھ دولت مند جل چکے ہیں۔ حال ہی میں صدرِ پاکستان نے تحدیدِ ملکیت کا گُرز بڑے بڑے زمینداروں کے سر پہ دے مارا ہے اور ان سے کچھ زائد از ضرورت زرعی زمین چھین لی ہے۔ انگلستان کے سوا، کہ جہاں ارباب دولت اپنے چندوں سے آکسفورڈ اور کیمبرج جیسی یونیورسٹیاں، سینکڑوں ہسپتال اور ہزار ہا مدارس چلا رہے ہیں۔ باقی ہر جگہ دولت مندوں کے خلاف جذبۂ نفرت بڑھ رہا ہے اور

یہ جذبہ پاکستان میں بہت زیادہ ہے، کیونکہ یہاں کے دولت مند نادہندگی، کنجوسی اور قومی مسائل سے بے نیازی میں ضرب المثل ہیں۔ یہ تو آپ نے اکثر سنا ہوگا کہ فلاں کروڑ پتی بن گیا ہے۔ فلاں کے ٹرک اور مل چل رہے ہیں۔ فلاں نے گلبرگ میں چھ کوٹھیاں بنالی ہیں۔ فلاں کی توند کا رقبہ چھ سے سولہ فٹ ہو گیا ہے، فلاں بڑے ''گرج دار'' ڈکار مارتا ہے۔ لیکن یہ کبھی نہیں سنا ہوگا کہ فلاں نے فلاں جگہ ایک کالج بنوایا یا دارالکتب کھولا یا لیبارٹری قائم کی یا ملک کے بھوکے ادیبوں کی امداد کے لیے کوئی ٹرسٹ بنایا یا دارالترجمہ قائم کیا۔ ایک ایک دن میں ایک ایک لاکھ کمانے والے کارخانہ دار، ٹیکس اور کسٹم چرانے والے حریص تاجر اور سرکاری خزانے کو لوٹنے والے ٹھیکیدار ارکان

کھول کر سن لیں کہ ان کے احتساب کا وقت بہت قریب آ گیا ہے۔ اگر یہ لوگ اللہ کی طرف نہ لوٹے اور جمع دولت کے ذلیل و پست شغل کو ترک نہ کیا تو زمانہ ان سے انتقام لے گا۔ خوف ناک انتقام اور ہیبت ناک انتقام!

وَذَرْنِیْ وَالْمُکَذِّبِیْنَ اُولِی النَّعْمَةِ وَ مَهِّلْهُمْ قَلِیْلًا o اِنَّ لَدَیْنَا اَنْکَالًا وَّ جَحِیْمًا o وَّ طَعَامًا ذَا غُصَّةٍ وَّ عَذَابًا اَلِیْمًا o

(المزمل :۱۱۔ ۱۳)

ترجمہ: ''ان نافرمان ارباب نعمت کو میرے حوالے کرو اور قدرے انتظار کرو۔ ان کے لیے بیڑیاں، جہنم، بد ذائقہ غذا اور ہولناک عذاب تیار ہے''۔

انسانی خدمت کا جذبۂ ایثار اور بے نفسی پیدا ہو ہی نہیں سکتی، جب تک اس حقیقت پہ یقین نہ ہو کہ آگے ایک بے انجام زندگی آ رہی ہے، جہاں حسین اعمال کا صلہ ملے گا۔ مقاماتِ بلند عطا ہوں گے۔ عظیم ترین انسانوں کی رفاقت نصیب ہوگی، جنات و محلات کے مالک بنیں گے۔ اللہ سے ملاقات کی عزت حاصل کریں گے اور جہاں بدکار و بے کردار لوگوں کو سانپوں، بچھوؤں اور انگاروں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ کتنے خوش نصیب ہیں وہ دولت مند جو یہاں دولت کے مزے لوٹ رہے ہیں اور ساتھ ہی ایثار و خدا پرستی سے اثیر میں بھی جنت بنا رہے ہیں۔

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ کَانُوْا یَتَّقُوْنَ o لَهُمُ الْبُشْرٰی فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَ فِی الْاٰخِرَةِ ط لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰهِ ط ذٰلِکَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ o (یونس :۶۴)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان و تقویٰ کے مالک ہیں انہیں دنیا و آخرت میں ایک شاندار زندگی کی بشارت دے دو۔ یہ ایک عظیم کامیابی ہے۔ یاد رکھو کہ اللہ کی باتیں پوری ہو کر رہتی ہیں''۔

اس زندگی کا انجام موت ہے اور وہ زندگی لافانی ولا بدی ہے، کیا یہ نادانی نہیں کہ ہم چندروزہ لذت پہ کروڑوں برس کی زندگی کو قربان کر دیں؟

اِنَّمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا مَتَاعٌ وَّاِنَّ الْاٰخِرَةَ هِيَ دَارُ الْقَرَارِ ۝

(المؤمن:۳۹)

ترجمہ: ''یہ زندگی متاع ناپائیدار ہے اور آخرت تمہاری مستقل قیام گاہ ہے''۔

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ. (العنکبوت ۲۹: ۶۴)

ترجمہ: ''اگلی زندگی ہی حقیقی زندگی ہے''۔

جولوگ اس زندگی کے قائل نہیں، وہ کاروانِ بے منزل کی طرح وادیٔ حیات میں بھٹک رہے ہیں۔

بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَالضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ.

(سباء :۸)

ترجمہ: ''اس زندگی کا یقین نہ کرنے والے مذہبی عذاب میں مبتلا ہیں اور شاہراہ حیات سے بہت دور وادیوں میں بھٹک رہے ہیں''۔

نظر

جانداروں کی آنکھوں میں بڑا فرق ہے۔ اُلو اور چمگادڑ صرف اندھیرے میں دیکھ سکتے ہیں اور روشنی میں بصارت کھو بیٹھتے ہیں۔ انسان اندھیرے میں نہیں دیکھ سکتا۔ بلی، شیر، گیدڑ، لومڑ وغیرہ کی آنکھ نور وظلمت دونوں میں یکساں کام کرتی ہے۔ عقاب کی چھوٹی سی آنکھ کئی ہزار فٹ کی بلندی سے زمین پہ رینگتی ہوئی چیونٹی کو بھی دیکھ لیتی ہے۔ سمندر کا نیلگوں پانی جوفِ سمندر میں رہنے والے جانوروں کی بصارت میں حائل نہیں ہوسکتا۔ نظر کا یہ اختلاف خود انسانوں میں بھی پایا جاتا ہے۔ ایک کتاب میں ایک صاحب علم کو مطالب کی ایک دنیا نظر آتی ہے اور جاہل کچھ بھی

نہیں دیکھ سکتا۔ میرے لیے موٹر لوہے کا ایک انبار ہے اور مکینک کے لیے انجنیئرنگ کا ایک شاہکار۔ شاعر کے لیے چمن دیوانِ اشعار ہے اور غیر شاعر کے لیے محض جلوہ گاہِ بہار۔ صاحبِ دل کے لیے ہر برگ دفتر معرفت ہے اور عامی کے لیے محض سامانِ زینت۔ ایک سائیکالوجسٹ پہلی نظر میں شعور ولاشعور کی اعماق میں اتر جاتا ہے اور ہمیں منہ ماتھے کے سوا کچھ نظر ہی نہیں آتا۔ اگر ہم ایکس ریز کی مدد سے کسی جسم پر نظر ڈالیں تو اندرونِ جسم کی تمام اشیاء، دل، جگر، پھیپھڑے وغیرہ صاف صاف نظر آئیں گے۔ یہ بالکل ممکن ہے کہ اللہ ہماری آنکھ میں کوئی تبدیلی کر دے کہ ہمیں اثیر کی مخلوق (جن۔ فرشتے) نظر آنے لگے۔ اگر آپ سفید کاغذ پر روپے جتنا کالا دھبہ ڈال کر سامنے دیوار پر لٹکا دیں اور آنکھ جھپکائے بغیر اس کی طرف روزانہ دیکھنا شروع کریں تو چند روز کے بعد آنکھ کے بعض ایسے پردے کام کرنے لگیں گے کہ اس دھبے کے کناروں سے نور کی شعاعیں پھوٹ نکلیں گی۔ یہ میرا ذاتی تجربہ ہے۔ جب بخار کا زور ہو تو فضا میں صورتیں نظر آنے لگتی ہیں۔ دیوانے کو غالباً یہ صورتیں ہمیشہ نظر آتی ہیں۔ اولیاء وانبیاء کی تاریخ بتاتی ہے کہ انہیں اثیری مخلوق عموماً دکھائی دیتی تھی۔ حدیث میں درج ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام ایک اعرابی کی صورت میں حضور ﷺ کے پاس آئے تھے۔ قرآن میں درج ہے کہ جن، حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت پر مامور تھے۔ یہ بھی مذکور ہے کہ حضور پرنور ﷺ نے جبریل علیہ السلام کو دو مرتبہ دیکھا تھا۔

مَا كَذَبَ الْفُؤَادُ مَارَاٰی ٥ اَفَتُمٰرُوْنَهٗ عَلٰی مَا يَرٰی ٥ وَلَقَدْ رَاٰهُ نَزْلَةً اُخْرٰی ٥ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهٰی ٥ عِنْدَهَا جَنَّةُ الْمَاْوٰی ٥ اِذْ يَغْشَى السِّدْرَةَ مَا يَغْشٰی ٥ مَازَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی ٥ (النجم: ۱۱۔۱۷)

ترجمہ: ”محمد کے دل نے اس کے مشاہدہ کی تصدیق کی۔ کیا تم اس کے مشاہدہ میں شک کرتے ہو۔ رسول نے جبریل کو ایک مرتبہ اور دیکھا جب وہ بلندی سے نیچے اتر رہا تھا، سدرۃ المنتہیٰ کے پاس، جہاں جنت بھی

ہے۔اس وقت سدرہ پرنور وتجلی کا عجیب عالم تھا۔رسول کی آنکھ نے غلطی نہیں کی اور نہ بھٹکی''۔

سورۂ تکویر میں اسی حقیقت کو دہرایا گیا ہے:

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ○ وَلَقَدْ رَاٰهُ بِالْاُفُقِ الْمُبِيْنِ ○

(التکویر: ۲۲۔۲۳)

ترجمہ:''تمہارا رسول جن زدہ نہیں،اس نے جبریل کو ایک افق بلند پہ دیکھا تھا''۔

معمولی آنکھ کو یہ اثیری مخلوق نظر نہیں آتی۔نظر میں یہ وسعت ورسائی طویل عبادت کے بعد پیدا ہوتی ہے۔البتہ اثیری مخلوق ہمیں ہر وقت دیکھ سکتی ہے۔قرآن میں درج ہے کہ نیک بندوں پہ میرے فرشتے نازل ہوتے ہیں۔یہ نزول تبھی ممکن ہے کہ فرشتے ان بندوں کو دیکھ سکتے ہوں۔

ایک اور آیت میں ہے کہ شیطان ہمیں دیکھ رہا ہے:

اِنَّهٗ يَرٰكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ. (اعراف:۲۷)

ترجمہ:''کہ شیطان اور اس کا قبیلہ تمہیں ایک ایسے مقام سے دیکھ رہا ہے کہ تم اسے نہیں دیکھ سکتے''۔

ان تفاصیل کی روشنی میں بالکل ممکن ہے کہ دلائی لامہ کی غیب بینی کے واقعات صحیح ہوں۔

باب نمبر ۷

اقبالؔ اور دل کی دُنیا

اقبالؔ کے کلام سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ وہ ہمیں ایسا سپاہی بنانا چاہتا ہے جس میں عقاب کی جھپٹ، پلنگ وضیغم کی ہیبت، پہاڑوں کا جلال، سمندروں کا طنطنہ اور طوفانوں کی روانی ہو۔ ساتھ ہی وہ حریم سینہ میں ایک ایسا دل چاہتا ہے جو قندیل راہب کی طرح فروزاں ہو، جس کی دھیمی دھیمی لو میں لامکاں تک نظر آئے اور جس سے کیف و مستی کے دھارے یوں پھوٹ رہے ہوں، جیسے دامنِ کہسار سے چشمے۔

تنے پیدا کن از مشتِ غبارے — تنے محکم تر از سنگیں حصارے

دورن او دل دردِ آشنائے — جو جوئے درکنار کوہسارے

اقبال کے ہاں وہ شاہی جو فقر سے نا آشنا ہو محض چنگیزی ہے۔ عصرِ رواں میں سکندر و ہلاکو تو بے شمار ہیں، لیکن فاروق و حیدر کہیں نظر نہیں آتے۔ وجہ صاف ہے کہ جسم کا دل سے اور دل کا اللہ سے رشتہ کٹ چکا ہے۔ زندگی مکاں سے لامکاں اور محدود سے لامحدود کی طرف سرگرم سفر ہے۔ یہ لامحدودیت زمان و مکاں میں کہیں بھی نہیں، اگر ہے تو صرف من کی دنیا میں۔

نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے

اللہ تمام توانائیوں کا سرچشمہ ہے اور اس سرچشمے سے سیراب ہونے کا راستہ ایک ہی ہے کہ ہم اللہ سے ذہنی ربط قائم کریں، تمام حواس کو سمیٹ کر اس پہ دھیان جمائیں۔ لب پہ اسی کا نام ہو، روح اسی کے تصور سے سرشار ہو، آنکھیں اسی کی تلاش میں لگی ہوں اور قدم اسی کی طرف اٹھ رہے ہوں۔ اس عمل کے پیہم تکرار سے روح کو ایک پر اسرار قوت اور ایک آسمانی توانائی کا احساس ہوگا۔ آنکھوں کے سامنے کچھ جلوے رقصاں نظر آئیں گے۔ دل کی چٹانوں سے کیف و سرور کے چشمے پھوٹ نکلیں گے۔ کائنات کی مخفی طاقتیں اشاروں پر ناچنے لگیں گی۔ زندگی حدودِ

دوش وفردا سے ابھر کر بے کراں بن جائے گی اور یہی وہ مقام ہے جہاں فقر شہنشاہی نظر آئے گا اور شکوہِ فقیر کے سامنے جلال سنجر ہیچ معلوم ہوگا۔

خوذی ہو زندہ تو ہے فقر بھی شہنشاہی
نہیں ہے سنجر و طغرل سے کم شکوہِ فقیر

آج تک لاکھوں بادشاہ، علماء، فلاسفہ اور دیگر فاتحین گزر چکے ہیں۔ جمشید، افریدوں، دار بہرام گور جیسے عظیم فرماں روا، ہومر، فردوسی، کالی داس اور امراُ القیس جیسے شعراء، افلاطون، رازی اور فارابی جیسے فلاسفہ، اسکندر، نپولین، تیمور اور چنگیز جیسے فاتحین۔ لیکن اقبال کے ممدوح صرف وہی لوگ ہیں جن کے پہلو میں دل خدا ہیں موجود تھا۔ بے دل کشور کشاؤں کے متعلق تو وہ صرف اتنا ہی کہہ کر گزر جاتا ہے۔

دوزخ کی کسی طاق میں افسردہ پڑی ہے
خاکسترِ اسکندر و دارا و ہلاکو

لیکن ارباب دل کی ثنا میں وہ جھوم کر گیت گاتا ہے۔ حضور پر نور ﷺ کے متعلق لکھتا ہے۔

در شبستانِ حرا خلوت گزید — قوم و آئین و حکومت آفرید
وقتِ ہیجا تیغ او آہن گداز — دیدۂ او اشک بار اندر نماز
از کلید دیں دُور دنیا کشاد — ہم چو او بطن ام گیتی نزاد
ہستی مسلم تجلی گاہ او — طورہا بالد زگردِ راہ او

خاکِ یثرب از دو عالم خوش تراست
اے خنک شہرے کہ آں جا دلبراست

حیدر کرارؓ کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

مسلم اول شہ مرداں علیؓ — عشق را سرمایۂ ایماں علیؓ
از ولائے دودمانش زندہ ام — در جہاں مثلِ گہر تابندہ ام

نرگسم وارفتۂ نظارہ ام — درخیابانش چوبو آوارہ رم
خاکم و از مہر او آئینہ ام — می تواں دیدن نوا در سینہ ام
از رخ او فال پیغمبر گرفت
ملتِ حق از شکوہش فر گرفت

سیدۃ النسا فاطمۃ الزہرہ کی خدمت میں گلہائے عقیدت یوں پیش کرتے ہیں۔

نورِ چشم رحمۃ اللعالمین — آں امام اوّلین و آخریں
بانوے آں تاجدارِ ھل اتیٰ — مرتضٰی، مشکل کشا، شیرِ خدا
مادرِ آں مرکزِ پرکارِ عشق — مادرِ آں کارواں سالارِ عشق
مزرعِ تسلیم را حاصل بتول — مادراں را اسوۂ کامل بتول
آں ادب پروردۂ صبر و رضا — آسیا گردان و لب قرآں سرا
گریہ ہائے او زبالیں بے نیاز — گوہر افشاندے بہ دامانِ نیاز
اشک او برچید جبریل از زمیں
ہم چو شبنم ریخت برعرشِ بریں

شہید کربلا علیہ السلام کی جانسپاری سے تو اس قدر متاثر کہ جہاں بھی موقعہ ملتا ہے، تاجدارِ کربلا پر چمن چمن پھول برساتے ہیں۔ ایک مقام پہ فرماتے ہیں۔

چوں خلافت رشتہ از قرآں گسیخت — حریت را زہر اندر کام ریخت
خاست آں سر جلوۂ خیرالامم — چوں سحاب قبلہ باراں در قدم
بر زمینِ کربلا بارید و رفت — لالہ در ویرانہ ہا کارید و رفت
سر ابراہیم و اسمٰعیل بود — یعنی آں اجمال را تفصیل بود
عزم او چوں کوہساراں استوار — پایدار و تند سیر و کامگار
تیغ لا چو از میاں بیروں کشید — از رگ ارباب باطل خوں کشید
نقش الا اللہ برصحرا نوشت — سطر عنوان نجاتِ ما نوشت

رمزِ قرآں از حسینؓ آموختیم
زِ آتشِ او شعلہ ہا اندوختیم

یہ تو تھے دُودمانِ رسالت کے افرادِ جلیل۔ ہوسکتا ہے کہ اقبال نے ان کی تعریف ایمان وعقیدت کی بنا پر کی ہو۔ ذرا نیچے آیئے اور دیکھیے کہ وہ باقی اربابِ دل کے متعلق کیا کہتے ہیں۔ یہ درست کہ حکیمِ مشرق کے ہاں مردِ کامل وہ ہے جس کے ایک ہاتھ میں تلوار اور دوسرے میں قرآن ہو۔ دن کو پشتِ اسپ پہ ہو اور رات کو مصلّے پر، لیکن آپ نے ایسے لوگوں کی بھی ثناخوانی کی ہے، جن کے پاس دعائے سحرگاہی کے سوا کوئی اور متاع نہیں تھی۔ مثلاً حضرت میانمیر رحمتہ اللہ علیہ کے متعلق لکھتے ہیں۔

حضرت شیخ میانمیرؒ ولی ہر خفی از نورِ جانِ او جلی
بر طریقِ مصطفٰی محکم پے نغمۂ عشق و محبت رانئے
تربتش ایمانِ خاک شہرِ ما مشعل نورِ ہدایت بہرِ ما

حضرت داتا گنج بخش ہجویری کے متعلق ارشاد ہوتا ہے۔

سید ہجویر مخدومِ امم مرقدِ او پیر سنجر را حرم
بند ہائے کوہسار آساں گسیخت در زمینِ ہند تخم سجدہ ریخت
عہدِ فاروقؓ از جمالش تازہ شد حق ز حرفِ او بلند آوازہ شد
پاسبانِ عزتِ ام الکتاب از نگاہش خانۂ باطل خراب

خاکِ پنجاب ازدمِ او زندہ گشت
صبحِ ما از مہرِ او تابندہ گشت

جس طرح موتی حاصل کرنے کے لیے سمندر میں غوطہ لگانا پڑتا ہے۔ آقائی کائنات کے لیے خود کائنات ہی سے برقی وجوہری توانائی کی بھیک مانگنا پڑتی ہے اور اس مقصد کے لیے تجربہ، تجزیہ اور تحقیق وطلب کی کٹھن منازل سے گزرنا پڑتا ہے، اسی طرح روحی توانائی کے لامحدود ذخائر تک پہنچنے کے لیے بڑے جتن کرنا پڑتے ہیں۔ ذکر وتسبیح اور فکر وخلوت کے طویل دور سے

گزرنا ہوتا ہے۔ یکسوئی میں کمال پیدا کرنے کے لیے بعض لوگ غاروں میں جا بیٹھتے ہیں۔ ان میں سے اکثر وہیں رہ جاتے ہیں اور بہت کم واپس آتے ہیں اور جو آتے ہیں وہ طاقت کا اتنا بڑا خزانہ ساتھ لاتے ہیں کہ جدھر نگاہ اٹھاتے ہیں، دلوں میں آسمانی محبت ہو جاتی ہیں۔ وہ چاہیں تو آگ سے حرارت چھین لیں اور دریاؤں سے روانی۔ وہ اشارا کریں تو عصائے شبانی اژدہا بن جائے، پیکرِ گل میں جان پڑ جائے اور چاند کے دو ٹکڑے ہو جائیں۔ یہ مہیب طاقت دل کی گہرائیوں میں نہاں ہے اور صرف ذکر و فکر سے عیاں ہوتی ہے۔ یہ طاقت انبیاء کے بعد اولیاء کو بھی بقدرِ مراتب ملتی ہے۔ اس سلسلے میں اقبالؔ نے بو علی قلندر پانی پتی کی ایک حکایت لکھی ہے۔ آپ بھی سنیں:

از محبت چوں خودی محکم شود — قوتش فرماں دہ عالم شود
پنجۂ او پنجۂ حق می شود — ماہ از انگشت او شق می شود
در خصوماتِ جہاں گردد حکم — تابع فرمانِ او دارا و جم
باتو می گویم حدیث بو علیؒ — در سواد ہند نام او جلی
کوچک ابدالش سوئے بازار رفت — از شراب بو علیؒ سرشار رفت
عامل آں شہر می آمد سوار — ہم رکاب او غلام و چوبدار
پیش رو زد بانگ اے ناہوش مند — بر جلو داران عامل رہ مبند
رفت آں درویش سر افگندہ پیش — غوطہ زن اندر یم افکار خویش
چوبدار از جام استکبار مست — بر سرِ درویش چوب خود شکست
از راہ عامل فقیر آزردہ رفت — دل گران و نا خوش و افسردہ رفت
در حضور بو علیؒ فریاد کرد — اشک از زندان چشم آزاد کرد
صورت برقے کہ بر کہسار ریخت — شیخ سیل آتش از گفتار ریخت
از رگ جاں آتش دیگر کشود — با دبیر خویش ارشادے نمود
خامہ را برگیر و فرمانے نویس — از فقیرے سوئے سلطانے نویس

باز گیراں عالمے بد گو ہرے
ورنہ بخشم ملک تو با دیگرے

یہ خط بادشاہ کو ملا تو۔

لرزہا انداخت بر اندامِ شاہ

ہندوستان کے مشہور شاعر خسرو دہلوی، شاہ کی طرف سے سفارت کے لیے انتخاب ہوئے۔ بوعلی قلندرؒ کی خدمت میں پہنچے، خلوص قلب سے معافی مانگی اور اس طرح ایک درویش خدا مست کے قہر سے نجات ملی۔

درست فرماتے ہیں اقبالؒ:

نیشتر بر قلبِ درویشاں مزن
خویش را در آتش سوزاں مزن

طاقت کے سرچشمے دو ہی ہیں۔

کائنات اور رُوح۔

استحکام خودی اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہم کائنات سے لوہا، تیل، کوئلہ وغیرہ حاصل کریں اور رُوح کی گہرائیوں سے قوت کا وہ خزانہ نکال لائیں جس کی ہیبت سے احد کانپ اٹھے اور سینۂ قلزم شق ہو جائے۔

قوت و ہیبت کے ان دو سرچشموں کی طرف قرآن نے ہمیں بار بار متوجہ کیا ہے۔ ساڑھے ساتھ سو آیات ہیں اس بیرونی کائنات یعنی کوہ و دریا، ابر و باراں، ماہ و انجم کی طرف توجہ دلائی ہے اور کئی ہزار آیات میں ذکر و فکر کا درس دیا ہے۔ تسبیح و تحلیل کے فوائد سمجھائے ہیں اور باطن میں جھانکنے کی ترغیب دی ہے۔

وَفِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ.

ترجمہ: ''کیا تم اپنے باطن میں نہیں جھانکتے''۔

سَنُرِیْهِمْ اٰیٰتِنَا فِی الْاٰفَاقِ وَفِیْٓ اَنْفُسِهِمْ.

ترجمہ: ''ہم انہیں عنقریب ان آیات واَسرار سے آگاہ کرنے والے ہیں،
جو اس کائنات عیاں یعنی آفاق اور کائنات نہاں یعنی اَنفُس
(رُوح، نفس، دل) میں موجود ہیں''۔

انسانیت کی تکمیل اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہماری توجہ دونوں عوالم کی طرف ہو، ہمارا ظاہر مظہرِ جلال ہو اور باطن آئینہ دارِ جمال، ہاتھ میں ذوالفقار حیدری ہو اور اندر روحِ بوذری، جو سینہ آسمانی تصورات، کیفیات اور واردات سے بے خبر ہو، اور جو نگاہ افق سے پرے نہ دیکھ سکے وہ بیکار محض ہے:

ہمت ہو اگر! تو ڈھونڈ وہ فقر　　جس فقر کی اصل ہے حجازی
اس فقر سے آدمی میں پیدا　　اللہ کی شان بے نیازی
کنجشک و حمام کے لیے موت　　ہے اس کا مقام شاہبازی

مومن کی اسی میں ہے امیری
اللہ سے مانگ یہ فقیری

اقبالؔ ان بادشاہوں کا ذکر بڑے پیارے انداز میں کرتے ہیں جو صاحبِ کلاہ ہونے کے ساتھ ساتھ شب زندہ دار بھی تھے۔ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرماتے ہیں:

شاہِ عالمگیر، گردُوں آستاں　　اعتبار دُود مانِ گورگاں
پایۂ اسلامیاں برتر از او　　احترام شرع پیغمبر از او
درمیان کار زار کفر و دیں　　ترکش ما را خدنگِ آخریں
حق گزید از ہند عالمگیر را　　آں فقیر صاحبِ شمشیر را
از پئے احیائے دیں مامور کرد　　بہر تجدید یقیں مامور کرد

شعلۂ توحید را پروانہ بود
چو براہیم اندریں بُت خانہ بود

شاہ مراد کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:۔

قائدِ ملت شہنشاہ مراد تیغ او را برق و تندر خانہ زاد
ہم فقیر ہم شہ گردوں سرے ارد شیرے با روانِ بوذرے
آں مسلماناں کہ میری کردہ اند در شہنشاہی فقیری کردہ اند
در امارات فقررا افزودہ اند مثلِ سلماں در مدائن بودہ اند

حکمرانے بود و سامانے نداشت
دستِ او جز تیغ و قرآنے نداشت

خودی کیا ہے؟

خودی کیا ہے؟ کیونکر پیدا ہوتی اور کیسے محکم بنتی ہے؟ ان سوالات کا جواب اقبالؔ کے کلام میں جا بجا ملتا ہے۔ اقبالؔ کے ہاں خودی جسمانی قوت، وفورِ دولت یا سیاسی سطوت کا نام نہیں بلکہ یہ ایک پراسرار طاقت ہے جو پہلے ضمیر وجود میں جنم لیتی ہے اور پھر ساون کی گھٹا کی طرح حیات پہ چھا جاتی ہے۔ اس سے دیدۂ دل میں نور آتا ہے اور محویت و مستی کی دولت ملتی ہے۔ چونکہ باطن کی فضائیں بے کراں ہیں، جن کے سامنے ارض و سما کی وسعتیں کم مایہ و حقیر نظر آتی ہیں، اس لیے صاحب خودی کی توجہ من کی طرف ہو جاتی ہے، وہ خلوت پسند بن جاتا ہے اور رفتہ رفتہ ایسی فضاؤں میں پہنچ جاتا ہے جہاں دوش و فردا کی پابندی نہ ہو۔ خودی کی ناؤ امواج حوادث کے تھپیڑے سہتے اور تلاش و طلب کی راہیں بدلتے ہوئے مسلسل سرگرم سفر رہتی ہے اور ہر منزل کو ٹھکرا کر آگے بڑھ جاتی ہے:

خدا اس مسافر کی ہمت بڑھائے
جو منزل کو ٹھکرائے منزل سمجھ کر

خودی دل کی گہرائیوں سے وہ قوت حاصل کرتی ہے کہ سمندروں کو ایک ڈانٹ سے خشک اور پہاڑوں کو ریزہ ریزہ کر سکتی ہے:

نیم اس کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
مٹ کر پہاڑ اس کی ہیبت سے رائی

یہ ہر مقام پر اپنا رنگ بدلتی ہے۔ چاند میں کرن، سنگ میں شرر، صدف میں گہر، چمن میں سیل رنگ و بو، صحرا میں سکوت اور ضمیر آدم میں جہان بے کراں بن جاتی ہے۔

زا انجم تا بہ انجم صد جہاں بود خرد ہر جا کہ پر زد آسماں بود

و لیکن چو نجود نگر یستم من

جہاں بے کراں در من نہاں بود

خودی ازل سے ظہور کامل کے لیے بے تاب تھی۔ اس نے ہزار مناظر تلاش کیے، کوہساروں میں عظمت، سمندروں میں جلال، مہ و انجم میں نور اور رگ تاک میں سرور بن کر سمائی لیکن مطمئن نہ ہوئی، بالآخر جب پیکرِ آدم میں جلوہ گر ہوئی تو کائنات میں ایک کہرام بپا ہو گیا۔

نعرہ زد عشق کہ خونیں جگرے پیدا شد

حسن لرزید کہ صاحب نظرے پیدا شد

فطرت آشفت کہ از خاک جہان مجبور

خود گرے، خود شکنے، خود نگرے پیدا شد

خبرے رفت ز گردوں بہ شبستانِ ازل

حذر اے پردگیاں پردہ درے پیدا شد

یعنی عرش کے باسیوں نے پردگیانِ لامکاں کو آواز دی:

''ہوشیار ہو جاؤ کہ کائنات میں اک صاحبِ نظر پیدا ہو گیا ہے جس کی نگاہ تماشا بین سے اب تم نہاں نہیں رہ سکتے''۔

اور زندگی (خودی) نے اللہ کا شکر ادا کیا کہ اسے عیاں ہونے کا ایک راستہ مل گیا ہے۔

زندگی گفت کہ در خاک تپیدم ہمہ عمر

تا ازیں گنبد دیرینہ درے پیدا شد

حیات و خودی کے اس سفر کو اقبال کتنے دل نشیں انداز میں پیش کرتے ہیں۔

دما دم رواں ہے یم زندگی
ہر اک شے سے پیدا رم زندگی

یہ ثابت بھی ہے اور سیّار بھی
عناصر کے پھندوں سے بیزار بھی

چمک اس کی بجلی میں، تارے میں ہے
یہ چاندی میں، سونے میں، پارے میں ہے

اسی کے بیاباں، اسی کے ببول
اسی کے ہیں کانٹے، اسی کے ہیں پھول

کہیں اس کی طاقت سے کُہسار چور
کہیں اس کے پھندے میں جبریل و حور

سفر زندگی کے لیے برگ و ساز
سفر ہے حقیقت، حضر ہے مجاز

الجھ کر سلجھنے میں لذت اسے
تڑپنے پھڑکنے میں راحت اسے

خودی کیا ہے؟ رازِ دُرونِ حیات
خودی کیا ہے؟ بیداریٔ کائنات

خودی جلوہ بدمست و خلوت پسند
سمندر ہے اک بوند پانی میں بند

اندھیرے اجالے میں ہے تابناک
من و تو میں پیدا، من و تو سے پاک

ازل اس کے پیچھے، ابد سامنے
نہ حد اس کے پیچھے، نہ حد سامنے

زمانے کے دریا میں بہتی ہوئی
ستم اس کی موجوں کے سہتی ہوئی

تجسس کی راہیں بدلتی ہوئی
دما دم نگاہیں بدلتی ہوئی

سبک اس کے ہاتھوں میں سنگِ گراں
پہاڑ اس کی ضربوں سے ریگِ رواں

سفر اس کا انجام و آغاز ہے
یہی اس کی تقویم کا راز ہے

کرن چاند میں ہے شرر سنگ میں
یہ بے رنگ ہے ڈوب کر رنگ میں

ازل سے ہے یہ کش مکش میں اسیر
ہوئی خاک آدم میں صورت پذیر

خودی کا نشیمن ترے دل میں ہے
فلک جس طرح آنکھ کے تل میں ہے

خودی شیر مولیٰ جہاں اس کا صید
زمیں اس کی صید، آسماں اس کا صید

جہاں اور بھی ہیں، ابھی بے نمود
کہ خالی نہیں ہے ضمیر وجود

ہر اک منتظر تیری یلغار کا
تری شوخیِ فکر و کردار کا

یہ ہے مقصد گردش روزگار
کہ تیری خودی تجھ پہ ہو آشکار

حیاتِ خودی

خودی ایک سنگھم ہے جہاں سے کئی راہیں نکلتی ہیں۔ ایک راہ سیاست کی ہے، دوسری علم وحکمت ہے تیسری دنیائے دل کی، وقس علیٰ ہذا۔ راہرو کے سامنے کوئی منزل نہ ہو تو قدم اٹھتے ہی نہیں۔ حیات کے سامنے کوئی مقصد نہ ہو تو وہ موت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ آرزو وہ شہپر ہے جس سے یہ مشتِ خاک عرش نشیمن بن جاتی ہے۔ کون ومکاں کا ہنگامہ، یہ موجوں کی بے تابی، بجلیوں کی تڑپ اور گلوں کا ذوق نمود سب اسی آرزو کے کرشمے ہیں۔

ہر لحظہ نیا طور، نئی برق تجلی
اللہ کرے مرحلۂ شوق نہ ہو طے

آغازِ آفرینش میں تمام ذی روح مٹی میں رینگ رہے تھے۔ رفتہ رفتہ مٹی کے ان کھلونوں میں مختلف خواہشات پیدا ہوئیں۔ کسی میں پرواز کی اور اسے پر مل گئے، کسی میں شناوری کی اور اس نے جوف البحر کو اپنا وطن بنالیا۔ کسی میں سبک رفتاری کی اور رم آہو ضرب المثل بن گیا۔ خواہش یا عشق ایک زبردست طاقت ہے جس کے کرشمے کائنات میں ہر سو نمایاں ہیں۔ ستاروں میں شوق رم تھا، سو وہ ازل سے فضائے نیلگوں میں محوِ خرام ہیں۔ زمین تشنہ کو گھٹاؤں کی تلاش تھی اور ابتدا سے اس پر بادل برستے چلے آتے ہیں۔ کلیاں نسیم بہار کی منتظر تھیں اور انہیں یہ نعمت بہ فراوانی عطا ہوئی۔

بباغاں بادِ فروردیں دہد عشق
براغاں غنچہ چوں پرویں دہد عشق
شعاع مہر او قلزم شگاف است
بہ ماہی دیدۂ رہ بیں دہد عشق

آرزو محرک عمل ہے اور مقصدِ محرک آرزو۔ اگر شعلۂ آرزو بجھ جائے تو سینے تاریک ہو

جائیں، ہنگامہائے شوق سرد پڑ جائیں، پاؤں سے طاقت رفتار چھن جائے اور زندگی کی تمام راہیں سونی ہو جائیں۔

زندگانی را بقا از مُدّعاست　　کاروانش را درا از مُدّعاست

زندگی در جستجو پوشیدہ است　　اصل او در آرزو پوشیدہ است

از تمنا رقصِ دل در سینہ ہا　　سینہ ہا ازتابِ او آئینہ ہا

آرزو ہنگامہ آرائے خودی　　موج بیتابے ز دریائے خودی

کبک پا از شوخی رفتار یافت　　بلبل از سعیِ نوا منقار یافت

اے ز رازِ زندگی بیگانہ خیز　　از شراب مقصدے مستانہ خیز

مقصدے از آسماں بالا ترے　　دل رُبائے، دلستانے، دلبرے

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم

از شعاد آرزو تابندہ ایم

خودی اور عشق

ہر جاندار اور بے جان چیز کی خودی مختلف مراحل سے گزر کر کامل بنتی ہے۔ ہلال کا کمال یہ ہے کہ بدر منیر بن جائے۔ کلی کا کمال یہ کہ وہ پھول بن کر فضائے چمن میں لہلہائے۔ ذرے کا یہ کہ وہ طواف کرتے کرتے خورشید تک پہنچ جائے اور قطرے کا کمال یہ کہ وہ گُہر بن جائے۔ بدیگر الفاظ جب تک کوئی شے تکمیل کی تمام منازل طے نہ کر لے، اس کی خودی نہاں رہتی ہے۔ انسان رب کائنات کی بہترین تخلیق ہے۔ ان معنوں میں نہیں کہ وہ زمین سے زیادہ فیاض، مہر و ماہ سے زیادہ حسین، اشجار سے زیادہ ثمر ور اور طوفانوں سے زیادہ تُند رو ہے، بلکہ ان معنوں میں کہ اس کی مختصر سی ہستی میں لامحدود امکانات مضمر ہیں۔ یہ علم کی کمند پھینک کر شمس و قمر کو صید زبوں بنا سکتا ہے اور عشق کے دام میں جبریل و خدا تک کو پھانس سکتا ہے۔ یہ شرف صرف اسے حاصل ہے کہ وہ تماشائے صفات کے ساتھ ساتھ مشاہدۂ ذات بھی کر سکتا ہے۔ طور پہ برق تجلی کا رقص دیکھنے والا ایک انسان ہی تھا۔ حضورِ خداوندی سے

مَا زَاغَ الْبَصَرُ وَمَا طَغٰی. (سورۃ النجم)

ترجمہ: ''اس (ﷺ) کی آنکھ نے غلطی نہیں کی اور نہ بھٹکی''۔

اور

مَا کَذَبَ الْفُؤَادُ مَا رَاٰیo (سورۃ النجم)

ترجمہ: ''اس (ﷺ) کے دل نے اس کے مشاہدے کی تصدیق کی''۔

کی سند ایک بشر ہی کو ملی تھی۔ تماشائے صفات اس آنکھ کا کام ہے جس میں علم سے نور پیدا ہوا اور مشاہدۂ ذات، اس آنکھ کا جو صرف عشق سے کھلتی ہے۔ جب تک یہ دونوں آنکھیں وا نہ ہوں، روح کے در و دیوار پر دھند لکے چھائے رہتے ہیں اور حیات ہر گام پہ ٹھوکریں کھاتی ہے۔ ان حالات میں خودی جادۂ کمال پہ آگے نہیں بڑھ سکتی اور نہ ثبات و استحکام حاصل کر سکتی ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایک ایسی ذات سے عشق ممکن ہے جو نہ صرف آنکھوں سے نہاں ہے بلکہ قوت متخیلہ بھی اس کی کوئی تصویر نہیں کھینچ سکتی؟

ہاں! ممکن ہے۔ کیا آپ تاج محل کو دیکھ کر اس کے معمار کی تعریف نہیں کرتے؟ کیا آپ ایک عمدہ غزل پڑھ کر شاعر کو داد نہیں دیتے؟ کیا آپ ایک دلکش ریکارڈ سن کر مغنی پہ گلہائے تحسین نہیں برساتے؟ کیا آپ غالبؔ، رومیؔ، حافظؔ، خیامؔ، سیناؔ اور رازیؔ ایسے باکمال افراد سے بن دیکھے محبت نہیں کرتے؟ کیا آپ ''شامِ صحرا کے سکوت'' میں غروبِ آفتاب کا مست ساز منظر اور ''ریت کے ٹیلے پر آہو کا بے پروا خرام'' دیکھ کر وجد میں نہیں آجاتے؟ جب بہار کی رنگینیوں سے دامن کوہسار ارم بن جاتا ہے، جب جوئے رواں کی موسیقی سے دشت و جبل گونج اٹھتے ہیں، جب نیلی نیلی فضاؤں میں اودی گھٹائیں لہرانے لگتی ہیں تو ہم بے ساختہ پکار اٹھتے ہیں۔ ''واہ واہ سبحان اللہ''!! اسی کا نام تسبیح ہے جس میں گہرائی آجائے تو عبادت بن جاتی ہے اور عبادت بالآخر عشق میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

والدین سے بچوں کو عشق ہوتا ہے۔ ماں ذرا سی دیر کے لیے آنکھوں سے اوجھل ہو جائے تو بچہ بے چین ہو جاتا ہے۔ یہ عشق کیوں ہے؟ اس لیے کہ والدین بچے کے محافظ، اس کی

روزی کے کفیل اور اس کے دکھ سکھ میں برابر کے شریک ہوتے ہیں۔ کیا اللہ ہمارا محافظ ورب نہیں؟ ہمارے دل کی مشین کون چلا رہا ہے؟ آنکھوں میں نور کون بھر رہا ہے؟ ہماری پیاسی کھیتیوں پہ برکھا کون برساتا ہے؟ زمین کا سینہ چیر کا اشجار واثمار کون پیدا کرتا ہے؟

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ۝ اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ۝ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ۝ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ۝ وَّعِنَبًا وَّ قَضْبًا ۝ وَّ زَيْتُوْنًا وَّ نَخْلًا ۝ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ۝ وَّفَاكِهَةً وَّ اَبًّا ۝ مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْ ۝ (سورۃ عبس: ۲۴۔ ۳۲)

ترجمہ: ''انسان ذرا اپنی روزی پر تو غور کرے کہ کہاں سے آتی ہے۔ ہم نے پہلے گھٹائیں برسائیں، پھر سینۂ زمین کو چیرا، اس سے غلہ، انگور، ترکاری، زیتون، کھجوریں، گھنے باغ، میوے اور چارہ اگایا جو تمہاری اور تمہارے مویشیوں کی زندگی کا سہارا ہے''۔

والدین کی شفقت وربوبیت میں خود غرضی کا بھی ایک پہلو ہوتا ہے کہ بچہ بڑا ہو کر ان کا سہارا بنے گا، لیکن انسان سے اللہ کی محبت وہ خالص محبت ہے جس میں کسی غرض کا شائبہ تک نہیں۔ اللہ مجسم رحمت ہے اور اس کی مقدس ہستی سے رحمت کے دھارے یوں رواں رہتے ہیں جیسے ہمالہ کے دامن سے چشمے۔ انسان فطرتاً مسرت ورحمت کے اس سرچشمہ اول سے محبت کرنے پر مجبور ہے۔ اسی محبت کا تقاضا ہے کہ وہ حمد وثنا کے گیت گاتا، اس کی دہلیز پر سرِ نیاز جھکاتا، روتا اور گڑگڑاتا، خلوت میں اس کے تصور سے باتیں کرتا اور سکوتِ شب میں اپنی تمام طاقتوں کو سمیٹ کر اس پر یوں دھیان جماتا ہے کہ اسے وحدت وہم آہنگی کا احساس ہونے لگتا ہے۔ یہ احساس شدت اختیار کرتا جاتا ہے اور بالآخر ایک حقیقت بن کر سامنے آجاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں عاشق کا ہاتھ محبوب کا ہاتھ بن جاتا ہے، جہاں ماسوئ اللہ سے تمام تعلقات منقطع ہو جاتے ہیں، جہاں عبد، معبود کی رضا میں گم ہو جاتا ہے، جہاں کائنات کی تمام مخفی طاقتیں اس کی معاون بن جاتی ہیں، جہاں اسے اپنے بازوؤں میں ایک غیر معمولی اور ناقابل فہم قوت کا احساس ہوتا ہے۔ جہاں

تقدیریں اس کے اشارۂ ابرو کے مطابق تشکیل پاتی ہیں اور جہاں بعض بے لگام زبانیں انا الحق کا نعرہ لگا دیتی ہیں۔ رب العرش سے اسی قرب کا نام عشق ہے۔ یہ نہ ہو تو خودی ریزۂ سفال سے بھی خام تر ہوتی ہے، ہو تو کوہساروں سے بھی محکم تر بن جاتی ہے۔ خودی کو دو ہی چیزیں محکم بناتی ہیں۔ علم اور عشق۔

خودی ہو علم سے محکم، تو غیرتِ جبریل
اگر ہو عشق سے محکم، تو صورِ اسرافیل

خودی نہ جسم کا نام ہے نہ روح، بلکہ یہ ایک قوت ہے جو ضمیرِ ہستی سے نہاں ہے، جو فکرِ ہستی، آہِ سحر گاہی اور گریۂ نیم شبی سے عیاں ہوتی ہے۔ خودی کو ایک چراغ سمجھیے جو عشق سے نور حاصل کرتا ہے۔ ہر دل میں ایک محبوب نہاں ہے جس کا جلوہ صرف عاشق کی آنکھ ہی دیکھ سکتی ہے اور عشق وہ طاقت ہے جس سے مور ہم مرتبہ جم اور خاک ہمدوشِ ثریا بن جاتی ہے۔

نقطۂ نورے کہ نام او خودی ست   زیرِ خاک ماشرارِ زندگی ست
از محبت می شود پاینده تر   زنده تر، سوزنده تر، تابنده تر
فطرتِ او آتش اندوزد ز عشق   عالم افروزی بیاموزد ز عشق
از نگاہِ عشق خارا شق بود   عشقِ حق آخر سراپا حق بود
عاشقی آموز و محبوبے طلب   چشمِ نوحے، قلبِ ایوبے طلب
کیمیا پیدا کن از مشت گلے   بوسہ زن بر آستانِ کاملے
شمع خود راہمچو رومی بر فروز   روم را در آتشِ تبریز سوز
ہست معشوقے نہاں اندرِ دلت   چشم اگر داری بیا نمائمت

دل ز عشقِ او توانا می شود
خاک ہمدوشِ ثریا می شود

دل میں عشق کی جوت جگانے کا طریقہ ایک ہی ہے کہ اپنے آپ کو چھوڑ کر اللہ کی طرف آؤ۔ ''حرائے دل'' میں مقام بناؤ اور تمام اصنامِ ہوس کو توڑ ڈالو، نیابتِ الٰہی کی مسند حاصل کرنے

کا راستہ یہی ہے۔

اند کے اندر سرائے دل نشیں ترک خود کن سوئے حق ہجرت گزیں
محکم از حق شو سوئے خودگام زن لات و عزائے ہوس را سر شکن
لشکرے پیدا کن از سلطان عشق جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق
تا خدائے کعبہ بنو ازد ترا
شرح انی جاعل سازد ترا

مراحل تکمیل

انسانیت یا خودی کو مقام کمال تک پہنچنے کے لیے تین منازل سے گزرنا پڑتا ہے:

اول: پابندیٔ آئین یا طاعت

انسانی خودی ایک پراسرار چیز ہے، اس کی منزل بہت دور دراز ہے اور راہیں ناپید، اللہ نے کمال لطف و کرم سے منزل کا پتہ بتلایا اور لاکھوں راز داں بھیج کر راستہ دکھایا۔ اس راہ پہ چلنے کا نام طاعت ہے۔ مہ و انجم میں چمک اسی لیے ہے کہ وہ معین راہوں پہ سرگرم سفر ہیں اور ایک لمحہ کے لیے بھی ان کو نہیں چھوڑتے۔ لالۂ صحرا کی نمود اسی لیے ہے کہ وہ بیاباں کی تنہائیوں میں قندیل راہب کی طرح جل رہا ہے۔ آئین وصل سے قطرے دریا بنتے ہیں اور ذرے صحرا۔

ہر کہ تسخیرِ مہ و پرویں کند خویش را زنجیریٔ آئین کند
باد را زندانِ گل خوشبو کند قید، بو را نافۂ آہو کند
می زند اختر سوئے منزل قدم پیشِ آئینے سر تسلیم خم
لالہ، پیہم سوختن قانونِ او برجہد اندر رگِ او خون او
قطرہا دریاست از آئین وصل ذرہا صحراست از آئین وصل
شکوہ سنج آئین مشو
از حدودِ مصطفٰے بیروں مشو

دوم: ضبط

انسان جسم و جان کا نام ہے۔ جان یعنی روح غیر فانی ہے اور جسم محض آنی۔ حیاتِ ابدی کی مسرات ولذات تہذیب روح کا نتیجہ ہیں جو لوگ جسمانی لذات کو اپنی منزل بنا لیتے ہیں، شب وروز شکم پری، زراندوزی اور دیگر پست اغراض کے لیے مارے مارے پھرتے ہیں وہ علو و کمال کی راہوں سے بھٹک جاتے ہیں، ان کی انسانیت، حیوانیت میں بدل جاتی ہے۔ ان کے سینے بت خان ہائے ہوس بن جاتے ہیں اور حرص و آز کی تند آندھیاں انہیں اٹھا کر انسانیت کی منزل جمیل سے بہت دور پھینک دیتی ہے۔

وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ. (الحج :۳۱)

ترجمہ: ''ایک آئین شکن مشرک گویا آسمانی بلندیوں سے گر پڑتا ہے، اسے راہ میں یا تو پرندے اچک لیتے ہیں یا تند آندھیاں اسے اڑا کر کسی دور دراز مقام پہ پھینک دیتی ہیں''۔

نفس تو مثل شتر خود پرور است خود پرست، و خود سوار و خود سراست

مرد شو، آور زمامِ او بدست تا شوی گوہر اگر باشی خزف

ہر کہ برخود نیست فرمانش رواں

می شود فرماں پذیر از دیگراں

ضروریات جسمانی کے لیے ہماری مجنونانہ تگ و دو کی وجہ خوف ہے۔ مستقبل کا خوف، اولاد کے قلاش ہو جانے کا خوف، حالات کے اچانک بگڑ جانے کا خوف اور آلام و امراض کا خوف، اس کا تنہا علاج اللہ کی پناہ میں آ جاتا ہے۔ اللہ بڑا کارساز ہے، وہ اپنے بندوں کو کبھی بھوک سے مرنے نہیں دیتا اور غیب سے کچھ ایسے اسباب فراہم کرتا ہے کہ انسان حیرت میں کھو جاتا ہے:

وَمَنْ يَّتَّقِ اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّهٗ مَخْرَجًا ۝ وَّيَرْزُقْهُ مِنْ حَيْثُ لَا

يَحْتَسِبُ ط وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ ط اِنَّ اللّٰهَ بَالِغُ اَمْرِهٖ ط قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا٥ (۶۵:۲۔۳)

ترجمہ: ''جو شخص اللہ سے ڈرتا اور نافرمانی سے بچتا ہے۔ اللہ اس کے لیے مصائب سے نکلنے کی راہیں کھول دیتا ہے اور ایسی جگہ سے رزق بھیجتا ہے جو اس کے وہم و گمان میں نہیں ہوتی۔ اللہ ان لوگوں کا کفیل ہے جو اس پر اعتماد کرتے ہیں اور وہ اپنے کام کو تکمیل تک پہنچانے کا طریقہ جانتا ہے، اس نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے''۔

طرحِ تعمیرِ تو از گلِ ریختند　　با محبت خوف را آمیختند
خوفِ دنیا، خوفِ عقبیٰ، خوفِ جاں　　خوفِ آلامِ زمین و آسماں
تا عصائے لا الٰہ داری بدست　　ہر طلسم خوف را خواہی شکست
ہر کہ در اقلیم لا آباد شد
فارغ از بندِ زن و اولاد شد

سوم: نیابتِ الٰہی

اطاعت اور ضبطِ نفس کے مراحل کو طے کرنے کے بعد خودی نیابتِ الٰہی کے مقام بلند پہ پہنچ جاتی ہے۔ یہ وہ مقام ہے جہاں شتربان جہاں باں بن جاتے ہیں۔ عناصر ان کے تصرف میں آ جاتے ہیں اور ان کی نگاہ ہر جزو و کل کو دیکھنے لگتی ہے۔ یہی وہ مقام ہے جہاں مردِ حر کی فطرت بے تاب جہانِ کینہ کی بساط الٹ دیتی ہے۔ وہ ہر خام کو پختہ بناتا، پیری کو رنگِ شباب اور شباب کو پیامِ انقلاب دیتا ہے۔ وہ شبدیز روزگار کو تازیانہ لگاتا ہے۔ اس کی ہیبت سے قلزم شق ہو جاتا ہے اور اس کی نوائے قُم سے مردے جی اٹھتے ہیں۔

گر شتر بانی جہانبانی کنی　　زیبِ سرتاجِ سلیمان کنی
تا جہاں باشد جہاں آرا شوی　　تاجدارِ ملکِ لا یبلیٰ شوی

نائب حق در جہاں بودن خوش است ـــ بر عناصر حکمراں بود خوش است
نائبِ حق ہمچو جانِ عالم است ـــ ہستی او ظلِ اسمِ اعظم است
از رموزِ جزو و کُل آگاہ بود ـــ در جہاں قائم بامر اللہ بود
خیمہ چوں در ساحت عالم زند ـــ ایں بساط کہنہ را برہم زند
پختہ سازو فطرتِ ہر خام را ـــ از حرم بیروں کند اصنام را
مشیب را آموزد آہنگِ شباب ـــ می دہد ہر چیز را رنگ شباب
نوع انساں را بشیر و ہم نذیر ـــ ہم سپاہی، ہم سپہ گر، ہم امیر

وجدان

اللہ نے جسم کو دو آنکھیں دی ہیں اور روح کو ایک، جس کا نام وجدان ہے۔ تاروں کی بکھری ہوئی محفل، کہساروں کی بلند و پست چوٹیوں اور کائنات کے منتشر اجزا میں اگر کوئی رشتۂ وحدت نظر آتا ہے تو اسی آنکھ سے۔ یہی وہ آلۂ بصارت ہے جس کی زد میں لامکاں بھی ہے اور صاحب لامکاں بھی۔ اسی سے وہ مخفی ہاتھ نظر آتا ہے جو پھولوں میں رنگ و بو بھرتا، زمین کا سینہ چیرتا اور بے کیف و رنگ شاخوں کے ساتھ رنگتروں کے قمقمے لٹکاتا ہے خودی اسی آنکھ سے ضمائر وجود کو دیکھتی اور جزو و کُل کا احاطہ کرتی ہے۔ اسی کو اقبالؔ کہیں دل بینا کا نام دیتا ہے۔

دل بینا تو کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

اور کہیں نگاہِ شوق کا۔

کچھ اور ہی نظر آتا ہے کاروبارِ جہاں ـــ نگاہِ شوق اگر ہو شریکِ بینائی
اسی نگاہ میں ہے قاہری و جباری ـــ اسی نگاہ میں ہے دلبری و رعنائی

نگاہِ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

اقبالؔ نے اپنے خطبات میں وجدان پر کافی کچھ کہا ہے۔ چند اقتباسات کا خلاصہ

حاضر ہے:

"ایمان محض ایک جذبہ نہیں بلکہ اس میں ایک خاص قسم کی عقل بھی پائی جاتی ہے جو ایک زندہ و پائیدار عنصر ہے۔ اسی عقل خصوصی کی بدولت بعض مہاجر پرندے ہزار میل کی مسافت طے کرتے اور منزل کو جا لیتے ہیں۔ اسی کی مدد سے نحل شہد تیار کرتی ہے۔ اسلام اور یورپ دونوں پر ایسے دور گزرے ہیں جب عقل ہی کو سب کچھ سمجھا جاتا تھا اور ماورائے حقائق کے سمجھنے میں بھی اس سے مدد لی جاتی تھی۔ اسلام میں عقلیت کے خلاف پہلی جنگ غزالیؔ نے کی اور جرمنی میں کانٹؔ نے۔ دونوں میں ایک فرق تھا۔ کانٹؔ تو اتنا ہی کہہ کر رک گیا کہ خدا کو عقل سے ثابت نہیں کیا جا سکتا، مگر غزالیؔ نے کہا کہ خدا کو وجدان کی آنکھ سے دیکھا جا سکتا ہے اور اس طرح اس نے ایمان کے لیے ایک نئی اساس تلاش کر لی۔

حضرت مسیحؑ نے اس حقیقت کا انکشاف کیا تھا کہ روحانی دنیا اس خارجی دنیا سے الگ مستقل وجود رکھتی ہے، اسلام نے اس کی تائید کی اور ساتھ ہی کہا کہ یہ دنیائیں ایک دوسرے سے بے تعلق نہیں بلکہ انفس و آفاق ایک ہی حقیقت کے دو پہلو ہیں۔ ہر ظاہر کا ایک باطن ہوتا ہے اور ہر باطن کا ایک ظاہر۔ "آفاق" ظاہر ہے اور "انفس" باطن۔ صرف ایک ہستی ایسی ہے جو ظاہر بھی ہے اور باطن بھی اور وہ اللہ۔ صرف مادہ سے وابستگی انسان کو مادی بنا دیتی ہے اور مادہ سے بے تعلقی رہبانیت کی طرف لے جاتی ہے اور یہ دونوں صورتیں حیات کے لیے سم قاتل ہیں۔ قرآن کی رو سے یہ کائنات کوئی بے مقصد تماشا نہیں بلکہ اس کے مظاہر (شب و روز، برق و باراں وغیرہ) آیاتِ الٰہی ہیں، جن کے مطالعہ سے روح بیدار، دل زندہ اور آنکھیں روشن ہوتی ہیں۔ یہی عرفان گریہ نیم شبی کے

ساتھ مل کر وجدان میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

انسان کو اللہ نے یہ صلاحیت دی ہے کہ وہ آفاق کی تسخیر کرے اور حاصل شدہ توانائی کو انسانوں کی خدمت اور خودی کی تکمیل پہ صرف کرے۔ زندگی کی ابتدا تو ہے لیکن انتہا کوئی نہیں، بشرطیکہ خودی کو انفس و آفاق کی قوت سے محکم کر دیا جائے۔

قرآن انسان کو شہود سے غیب کی طرف لے جاتا ہے اور پھر غیر مرئی سے مرئی کی طرف بلاتا ہے۔ تمام قرآن مطالعہ کائنات کی ترغیب سے لبریز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اسلام اور سائنس میں کبھی تصادم نہیں ہو سکتا۔ اسلام محسوسات کو نہ فریبِ نظر سمجھتا ہے اور نہ ذلیل و حقیر۔ ان دونوں جہانوں کو رشتۂ وحدت میں پرونا اور ایک حقیقت کے دو پہلو قرار دینا اسلام کا عظیم کارنامہ ہے۔

وجدان، نوع انسانی کا ایک وسیع تجربہ ہے۔ آدم سے لے کر اب تک لاتعداد افراد کو یہ تجربہ ہو چکا ہے۔ یہ لوگ بڑے راستباز اور مخلص تھے، ان کے تجربہ و مشاہدہ کو بے دلیل رد کر دینا صحیح نہیں۔ ظاہر کی آنکھ محسوسات کو دیکھتی ہے اور باطن کی آنکھ خدا کو لیکن ہم اس تجربے کو نہ بیان کر سکتے ہیں اور نہ سمجھا سکتے ہیں۔

قرآن کے ہاں لیل و نہار، ابر و باد، الوان والسنہ وغیرہ آیاتِ الٰہیہ ہیں، جن پر غور کرنا عبادت ہے۔ اس سے حیرت و تحسین کے جذبات بیدار ہوتے ہیں۔ دل حمدِ صانع کے ترانے گانے لگتا ہے۔ صانع کا تصور دل و دماغ پہ چھا جاتا ہے اور اتنا راسخ ہو جاتا ہے کہ بالآخر روح کی ایک صفت بن جاتا ہے۔

پیرو مذہب تین منازل سے گزرتا ہے۔ شروع میں بے چون

وچرا ایک ضابطۂ عمل کو قبول کرتا ہے۔ کچھ عرصے کے بعد اس کے احکام پر حکیمانہ نظر ڈالنے لگتا ہے اور بالآخر کائنات کی حقیقت کبریٰ سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کرتا ہے۔ یہ منازل شریعت، حکمت اور تصوف کہلاتی ہے۔ تصوف میں چشمِ دل اسی طرح دیکھتی ہے جیسے یہ دیدۂ ظاہر۔

ہمارے روگ کا علاج نہ اشتراک میں ہے نہ وطنیت میں اور نہ قدیم تصوف میں۔ ہماری نجات عمیق روحانی عرفان میں ہے۔ علوم جدیدہ نے جو ذمہ داریاں انسان پہ ڈال دی ہیں، ان سے وہ اسی عرفان کی بدولت عہدہ برآ ہو سکتا ہے۔ عہد حاضر کی کشمکش سے نجات کی صورت یہی ہے کہ انسان اپنی خودی میں ڈوب کر اپنی ماہیت، اپنے مبدا اور مقصد کو پالے۔

روحانی وجدان کا مقصد جذبات کو کچلنا نہیں، بلکہ ضعف خودی کو مٹانا اور اس کی بقا کا سامان کرنا ہے۔ یہ بقا حقیقت مطلقہ سے رابطہ پیدا کرنے کے بعد ہی حاصل ہو سکتی ہے۔ شیخ سرہندی فرماتے ہیں کہ باطن کے سفر میں بہت سے مقامات آتے ہیں۔ اول روح، دوم سرِ اخفی، جہاں نئے قسم کے تجربات و مشاہدات سے واسطہ پڑتا ہے۔ ذرا آگے صفاتِ الٰہیہ کا جلوہ ہے اور آخر میں جلوۂ خداوندی"۔

یہ تھے اقبال کے تصورات ظاہر و باطن، روحانی عرفان اور وجدان کے متعلق۔ یوں معلوم ہوتا ہے کہ ایک ولی بول رہا ہے جو معرفت کے تمام منازل طے کر چکا ہو۔ اس میں کلام نہیں کہ اقبال ایک صوفی تھا لیکن اس کے انگریزی لباس اور عبا و ریش سے بے نیازی نے اس کے متعلق مختلف تصورات پیدا کر دیے گئے۔

کوئی کہتا ہے کہ اقبال ہے صوفی مشرب
کوئی کہتا ہے کہ شیدائے حسیناں ہوں میں

زاہد تنگ نظر نے مجھے کافر جانا
اور کافر یہ سمجھتا ہے مسلماں ہوں میں

اقبالؔ کے تصوف اور قدیم تصوف میں ایک بنیادی فرق ہے۔ ایک آدھ استثناء کے سوا ہمارے تمام صوفیا عالم خارجی سے گریز کا درس دیتے رہے لیکن اقبالؔ خارج و باطن کو ایک ہی حقیقت کے دو پہلو سمجھتا ہے۔ دونوں کو مآخذ قوت قرار دیتا ہے اور نفس یا خودی کے بقا و استحکام کے لیے دونوں کو ضروری سمجھتا ہے، یہی وہ قوت ہے جس کے حصول کے بعد وجود میں شورِ رستخیز اور کائنات میں ہنگامے بپا ہو جاتے ہیں اور اگر یہ نہ ہو تو چارسو جمود و سکوت طاری ہو جاتا ہے۔

یا وسعتِ افلاک میں تکبیرِ مسلسل
یا خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات
وہ مذہبِ مردانِ خود آگاہ و خدا مست
یہ مذہبِ مُلّا و نباتات و جمادات

اقبالؔ کا یہ خیال حدِ یقین تک پہنچا ہوا تھا کہ یہ عالم درہم و برہم ہو رہا ہے اور اس کی خاکستر سے ایک ایسی دنیا پیدا ہو رہی ہے جس کا دھندلا سا خاکہ آئن سٹائن اور برگساں کے ہاں ملتا ہے۔ اس قسم کا ایک ہمہ گیر اضطراب مشرق میں بھی عیاں ہے۔

"لیکن اقوام مشرق کو یہ محسوس کر لینا چاہیے کہ زندگی اپنے حوالی میں کسی قسم کا انقلاب پیدا نہیں کر سکتی، جب تک کہ اس کی اندرونی گہرائیوں میں انقلاب نہ ہو"۔ (اقبالؔ۔ دیباچہ پیامِ مشرق صفحہ ۵)

زخاکِ خویش طلب آتشے کہ پیدا نیست — تجلّی دگرے در خورِ تماشا نیست
بہ مُلکِ جم ندہم مصرعِ نظری را — کسے کہ کشتہ نہ شد از قبیلۂ ما نیست
تو رہ شناس نۂ و ز مقامِ بے خبری — چہ نغمہ ایست کہ در بربطِ سلیمےٰ نیست
نظر بخویش چناں بستہ ام کہ جلوۂ دوست — جہاں گرفت و مرا فرصتِ تماشا نیست
زقید و صید نہنگاں حکایتے آور — مگو کہ زورقِ ما روشناسِ دریا نیست

مرید ہمت آں رہروم کہ پا نہ گذاشت
بہ جادۂ کہ درو کوہ و دشت و دریا نیست

برہنہ حرف نگفتن کمالِ گویائیست
حدیث خلوتیاں جز بہ رمز و ایمانیست

(پیامِ مشرق)

عقل و عشق

اقبالؔ نے جا بجا عقل کو بری طرح لتاڑا ہے۔ کہیں اسے حیلۂ جو، کہیں بت خانہ تصورات، کہیں بولہب اور کہیں آتش نمرود کہا ہے۔

خرد آتش فروزد، دل بسوزد
ہمیں تفسیر نمرود و خلیل است

اور ساتھ ہی بار بار ترغیب دی ہے کہ عقل کے پیچھے مت چلو۔ یہ رہ و رسمِ منزل سے نا آشنا ہے۔

نشانِ راہ ز عقل ہزار حیلہ مپرس
بیا کہ عشق کمالے زیک فنی دارد

اس کی پرواز سرحدِ محسوسات تک ہے اور حدود لامکاں میں یہ پر نہیں مار سکتی۔

عقل گو آستاں سے دور نہیں
اس کی تقدیر میں حضور نہیں

یہ ایک "جوئے تنک مایہ" ہے، جس میں موتیوں کی تلاش بے سود ہے۔

بگذر از عقل و بیا ویز بہ موجِ یم عشق
کہ دراں جوئے تنک مایہ گہر پیدا نیست

یا

رہِ عاقلی رہا کن کہ بہ او تواں رسیدان
بہ دل نیاز مندے، بہ نگاہِ پاک بازے

یہ غلام تخمین وظن ہے، جھگڑالو اور باتونی ہے۔ زائیدہ منطق اور بنت الکتاب ہے۔

علم نے مجھ سے کہا عشق ہے دیوانہ پن
عشق نے مجھ سے کہا علم ہے تخمین و ظن
بندۂ تخمین و ظن! کرم کتابی نہ بن
عشق سراپا حضور، علم سراپا حجاب

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر عقل اتنی ہی حقیر و کم مایہ چیز تھی تو اللہ نے بار بار اس سے کام لینے کی کیوں تاکید کی اور علم و عقل کی بنا پر آدم کو کیوں مسجودِ ملائک بنایا؟

بات یہ ہے کہ عقل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو مادیات میں الجھی ہوئی، عالم ماورا سے قطعاً بے خبر، وارداتِ دل سے ناآشنا اور لذات جسمانی کو منتہائے تگ و دو سمجھتی ہو۔ ساتھ ہی مکار، حیلہ جو، بزدل اور جھگڑالو ہو۔ دوسری وہ جو ضمیر کائنات میں غوطہ زن، دل کی معاون اور عشق کی ہم رکاب ہو۔ پہلی عقل برہانی ہے اور دوسری نورانی۔ عقل برہانی کی انتہا حیرت ہے اور عقل نورانی سوز و مستی، نیاز و گداز اور ایمان و یقین کی امین۔

اک دانشِ نورانی، اک دانشِ برہانی
ہے دانشِ برہانی، حیرت کی فراوانی

عقل نورانی اور وجدان ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔ ایک کا تعلق مظاہرات سے ہے اور دوسری کا قلبی واردات سے۔ ایک پابندِ زمان و مکان ہے اور دوسری ان قیود سے آزاد۔ برگساں کا خیال یہ ہے کہ وجدان ایک بلند تر عقل کا نام ہے جو ضمیر وجود میں اتر جاتی ہے۔

اے خوش آں عقل کہ پہنائے دو عالم با اوست
نورِ افرشتہ و سوزِ دل آدم با اوست

آج مغرب کے پاس نہ عقل نورانی ہے، نہ وجدان اور نہ عشق۔ نتیجتاً ان کا برہانی علم، جس کے کمند میں ساری کائنات گرفتار ہے، نوعِ انسانی کے لیے ایک مصیبت بنا ہوا ہے۔

من دروں شیشہ ہائے عصر حاضر دیدہ ام!
آں چناں زہرے کہ از وے مارہا در پیچ و تاب

انقلاب اے انقلاب

طورِ مغرب پر علم کے جلوے تو بے شک رقصاں ہیں لیکن وہاں کوئی کلیم نظر نہیں آتا اور نہ وہاں کے شعلوں میں کوئی خلیل دکھائی دیتا ہے۔ شاہراہِ عشق پہ سب سے زیادہ خوفناک رہزن وعقل ہے جو ہمرکابِ دل نہ ہو۔

جلوۂ او بے کلیم و شعلۂ او بے خلیل
عقل بے پروا متاعِ عشق را غارت گر است

عقل خود بین دگر و عقل جہاں بیں دگر است
بالِ بلبل دگر و بازوئے شاہیں دگر است

عقل مقامِ فکر ہے۔ ہماری کشاد کار فکر میں نہیں بلکہ ذکر میں ہے جو کرشمۂ عشق ہے۔ علم مقام خبر ہے اور عشق مقام نظر۔ رازی حکمت قرآں کا درس تو دے سکتا ہے لیکن رومی، عطار کی نظر عطا نہیں کرسکتا۔

مقامِ ذکر، کمالاتِ رومی و عطار　　مقامِ فکر، مقالاتِ بو علی سینا
مقامِ فکر ہے، پیمائشِ زمان و مکاں　　مقامِ ذکر ہے سبحان ربی الاعلیٰ

ز رازی حکمتِ قرآں بیاموز　　چراغے از چراغِ او بر افروز
وے ایں نکتہ را ازمن فرو گیر　　کہ نتواں زیستن بے مستی و سوز

جب عقل، عشق سے کچھ جلوے مستعار لے لیتی ہے تو پھر اس کے نور سے حیات کے درودیوار جگمگا اٹھتے ہیں۔ حیرتِ فارابی کی سرحدیں سوزِ رومی سے مل جاتی ہیں اور ضمیرِ روح میں ایک آسمانی چین مچلنے لگتا ہے۔

عقلے کہ جہاں سوز دیک جلوۂ بے باکش — از عشق بیا موزد آئین جہاں تابی

عشق است کہ در جانت ہر کیفیت انگیزد — از تاب و تب رومی تا حیرتِ فارابی

ایں حرف نشاط آور می گویم و می رقصم

از عشق دل آساید با ایں ہمہ بے تابی

اقبالؔ اور دولتِ عشق

اقبالؔ ۱۹۰۵ء میں یورپ سے واپس آئے۔ وہاں آپ نے ڈاکٹریٹ کے لیے ''ایرانیوں کے مابعدالطبیعی تصورات'' پہ مقالہ لکھا تھا۔ ظاہر ہے کہ اس سلسلے میں آپ نے خیام، ابو سعید، ابوالخیر، اب بابا طاہر انصاری، رازی، سینا، نظامی، جامی، سعدی، حافظ، عراقی، سنائی، رومی سب کا مطالعہ کیا ہوگا۔ فطرت تھی صالح، طبیعت تھی حسّاس، مزاج تھا خلوت پسند، گھر کے مذہبی ماحول اور مولانا میر حسن جیسے اساتذہ کی تربیت کا گہرا اثر، نتیجہ یہ ہوا کہ اقبالؔ ڈاکٹری اور بیرسٹری لینے گئے تھے اور ایک اچھے خاصے صوفی بن کر واپس آئے۔ جوانی کے دن ہوں اور لندن کی رومانی فضائیں، تو گریۂ نیم شبی کا خیال ہی کہاں پیدا ہوتا ہے لیکن انہی دنوں سر عبدالقادر کو ایک خط میں لکھا۔

نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

فارسی شعراء میں رومیؔ وہ واحد مردِ راہ داں ہے جس کا تصوف محض خانقاہیت نہیں یا شکستہ توکل نہیں، بے جان قناعت نہیں، حیات سے فرار نہیں بلکہ دین و دنیا، روح تن اور جلال و جمال کا حسین اِمتزاج ہے۔ اقبال کو یہ تنومند فلسفہ پسند آیا اور رومیؔ کا دامن تھام لیا۔

زچشم مست رومیؔ دام کردم

سرورے از مقام کبریائی

حکیم سنائی نے بھی یہ دولت اسی ماخذ سے حاصل کی تھی۔

نصیبے ز آتشے دارم کہ اول

سنائی از دل رومیؔ برانگیخت

فلسفۂ رومیؔ سے اقبال پہ اسرارِ حیات کھلنے لگے اور اسے یقین ہو گیا کہ محسوسات سے آگے بھی ایک جہان آباد ہے جس کے جلوے ہوش ربا، بہاریں جنون خیز اور فضائیں بے کراں ہیں۔ لیکن وہاں تک علم کی نظر نہیں پہنچ سکتی۔ یہ صرف عشق ہی ہے جس کی نگاہِ تیز ''دل وجود'' کو چیر سکتی ہے۔

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پر ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بہ جیب، ایک کلیم سر بہ کف

پیامِ رومیؔ سے سرشار ہونے کے بعد اقبال نے دنیا کو آواز دی کہ آؤ اور مینائے رومیؔ سے ایک آدھ ساغر لو، کہ اس کے بغیر تمہاری زندگی نامحکم اور خودی نااستوار رہے گی۔

بیا کہ من زخمِ پیرِ روم آور دم
مے سخن کہ جواں تر زبادۂ عنبی است
گسستہ تار ہے تیری خودی کا ساز اب تک
کہ تو ہے نغمۂ رومی سے بے نیاز اب تک

اقبال مطرب سے یہ نہیں کہتا کہ درباری یا بھیرویں کا خیال سناؤ، یا داغؔ و امیرؔ کی غزل گاؤ بلکہ کلامِ رومیؔ کی فرمائش کرتا ہے تاکہ روح آسمانی کیفیات میں ڈوب جائے اور سینے میں وہی شعلہ بھڑک اٹھے جس نے کبھی بسطام و تبریز کو روشن کیا تھا۔

اے نغمہ سرا بیتے از مرشدِ روم آور
تا غوطہ زند جانم در آتش تبریزے

''اسرار و رموز'' لکھنے سے پہلے اقبال نے ایک خواب دیکھا تھا جس کی تفصیل ''اسرار'' میں یوں درج کرتے ہیں۔

شب دل من مائل فریاد بود — خامشی از ''یارب'' ام آباد بود
شکوہ آشوب غمِ دوراں بُدم — از تہی پیمانگی نالاں بدم
ایں قدر نظارہ ام بے تاب شد — بال و پر بشکست و آخر خواب شد

روئے خود بنمود پیرِ حق سرشت آں کہ اندر پہلوی قرآں نوشت
گفت اے دیوانۂ اربابِ عشق جُرعۂ گیر از شراب نابِ عشق
برجگر ہنگامۂ محشر بزن شیشہ برسر، دیدہ برنشتر بزن
آتش استی بزمِ عالم برفروز دیگراں راہم زسوز خود بسوز
نالہ را اندازِ نو ایجاد کُن بزم را ازہا و ہُو آباد کُن

اس خواب کا اثر یہ ہوا کہ:

زیں سخن آتش بہ پیراہن شدم مثلِ نَے ہنگامہ آبستن شدم
چوں نوا ازتار خود برخاستم جنتے از بہرِ گوش آراستم
برگرفتم پردہ زِ اسرارِ خودی وا انمودم سرِ اعجازِ خودی
بود نقش ھتیم انگارۂ نا قبولے، ناکسے، نارکاۂ
عشق سوہاں زدمرا، آدم شدم عالم کیف و کم عالم شدم
از درون کارگاہ ممکنات برکشیدم سرِّ تقویم حیات
خامہ ام از ہمّت فکرِ، بلند
راز ایں نہ پردہ در صحرا فگند

تصریحات بالا کے مطابق اقبال نے رازِ خودی سے پردہ اٹھایا، تقویم حیات کا سبق سیکھا اور دنیائے دل میں ہنگاموں کا ایک جہان آباد کرلیا۔

کیسے؟ اس کے لیے کون سا طریقہ استعمال کیا؟

اقبال ہی سے سنیے:

چو خود را درکنارِ خود کشیدم بہ نورِ تو مقام خویش دیدم
دریں دیر از نوائے صبح گاہی
جہانِ عشق و مستی آفریدم
نوازنیم و بہ بزم بہاری سوزیم
شرر بہ مشت پر مازِ نالۂ سحر است

متاعِ عشق ہزار کم بہا سہی، دنیا اس کی کیفیات، واردات و حادثات سے نا آشنا سہی، لیکن اقبال اس کی مستیوں کے مقابلے میں کلاہِ خسروی اور دیہیم جہانبانی کو کوئی وقعت نہیں دیتا۔

گرچہ متاعِ عشق را عقل، بہائے کم نہد
من ندہم بہ تختِ جم آہِ جگر گداز را

ایک زمانہ تھا کہ اقبال چشمِ گریاں، نگاہِ تیز، صدقِ سنائی اور فقرِ صدیق کے لیے دُعائیں مانگا کرتا تھا۔

گلستانے زِ خاکِ من بر انگیز
نمِ چشمم بخونِ لالہ آمیز
اگر شایاں نیم تیغِ علیؑ را
نگاہے دِہ چو شمشیرِ علیؑ تیز

ازاں فقرے کہ با صدیق دادی بشورے آور ایں آسودہ جاں را

عطا کن شورِ رومیؔ، سوزِ خسروؔ عطا کن صدق و اخلاصِ سنائی

اور پھر یہ دور آیا کہ رومیؔ کی طرح اقبال بھی پیر میخانہ بن گیا اور اپنے خُم سے جام بھر بھر کو دوسروں کو پلانے لگا۔

بیا بہ مجلسِ اقبالؔ و یک دو ساغر کش
اگرچہ سر نتراشد قلندری داند

دنیا کو اُس جہانِ تازہ کی خبر دی جو اس کے ضمیر میں بیدار ہو چکا تھا۔

جہانے کو زتخمِ لا اِلٰہ است
بیا بہ نگر بآغوشِ ضمیرم

اس نور کا پتہ دیا جس سے اس کی چشمِ خود بیں، خدا بیں بن گئی تھی۔

اگرچہ زادۂ ہندام، فروغِ چشمِ من است
زِ خاکِ پاکِ بخارا و کابل و تبریز!

اس راز سے پردہ اٹھایا کہ تسخیرِ عالم شمشیرِ خارا شگاف سے بھی ہو سکتی ہے اور نوائے دل گداز سے بھی۔

بہ ملا زمانِ سلطاں خبرے دہم زِ رازے

کہ جہاں تواں گرفتن بہ نوائے دل گدازے

نہیں فقر و سلطنت میں کوئی امتیاز ایسا

یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگاہ کی تیغ بازی

اور اللہ سے رو رو کر دُعائیں کیں کہ اے مہ و انجم کے خالق! میرے پاس ایک ہی متاع ہے، یعنی میرے نالوں کا نیاز اور میرے دل کا گداز، اسے میری قوم میں لٹا دے۔

ترے آسمانوں کے تاروں کی خیر

زمینوں کے شب زندہ داروں کی خیر

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے

مرا عشق، میری نظر بخش دے

مرے دیدۂ ترکی بے خوابیاں

مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں

مرے نالۂ نیم شب کا نیاز

مری خلوت و انجمن کا نیاز

امنگیں مری، آرزوئیں مری

امیدیں مری، جستجوئیں مری

یہی کچھ ہے ساقی متاعِ فقیر

اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر

مرے قافلے میں لٹا دے اسے

لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

ماحصل

اقبال کے فلسفۂ خودی کا ماحصل یہ ہے کہ علم کی قوت سے فطرت کو مسخر کرو۔ خودی کی طاقت سے، جو ضمیر وجود میں نہاں ہے اور نالہ ہائے نیم شبی سے عیاں ہوسکتی ہے، کائنات کی مخفی طاقتوں پہ کمند ڈالو، جلال کو جمال سے، سلطنت کو فقر سے آشنا کرو، عقل کو دل کا ہم سفر بناؤ، اللہ سے، جو عظیم توانائی کا مصدر و ماخذ ہے، رابطہ پیدا کرو، اور یہ سبھی کچھ اسی صورت میں ممکن ہے کہ ہوا وہوس کے تمام بت توڑ دیں اور ظاہر و باطن میں صرف اللہ ہی اللہ نظر آئے۔

خودی کا سِرّ نہاں لا الٰہ الاّ اللہ
خودی ہے تیغ، فساں لا الٰہ الاّ اللہ
یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے
صنم کدہ ہے جہاں، لا الٰہ الاّ اللہ
یہ مال و دولت دنیا، یہ رشتہ و پیوند
بتانِ وہم و گماں، لا الٰہ الاّ اللہ
یہ نغمہ فصلِ گُل و لالہ کا نہیں پابند
بہار ہو کہ خزاں لا الٰہ الاّ اللہ

باب نمبر ۸

میرے مطبوعہ مضامین

کچھ عرصہ ہوا دل، اثیر اور روح وغیرہ پر میرے چند مضامین مختلف رسائل میں شائع ہوئے تھے۔ ان میں کچھ نئے مسائل بھی زیر بحث آئے تھے اس لیے انہیں اس کتاب میں شامل کیا جا رہا ہے:

لیل و نہار

("لیل و نہار" ۳۔ جولائی ۱۹۶۰ء)

آرتھر فنڈلے کا قول ہے:

"The real universe is the etheric, and physical matter is but an intrusion in what we call space, where the real universe exists." (On the Edge of Etheric, p. 15)

ترجمہ: "اصل کائنات اثیری ہے اور خلا میں جہاں حقیقی کائنات آباد ہے، مادہ ایک اجنبی سا عنصر معلوم ہوتا ہے"۔

اس حکیم نے کتنی عجیب بات ہے کہہ دی کہ حقیقی کائنات نظر نہیں آتی اور جو کچھ نظر آ رہا ہے یعنی مادّہ، اس کی حقیقت "دخل در معقولات" سے زیادہ نہیں۔

کبھی آپ نے غور فرمایا کہ دیودار کے کئی سو من وزنی اور ڈیڑھ سو فٹ اونچے درخت کو کس قوت نے ہوا میں تھام رکھا ہے؟ وہ کون سی چیز ہے جس کے بل پر وہ کششِ ثقل اور طوفانوں کا مقابلہ کر رہا ہے اور گرتا نہیں؟

جواب ہے: "حیات"۔

حیات، مادّہ سے ہزار گنا زیادہ طاقت ور ہے۔ اسی سے انسان دوڑتا، اچھلتا اور کودتا

ہے۔ جب یہ ختم ہو جاتی ہے تو انسان اور درخت دونوں منہ کے بل گر پڑتے ہیں۔

وادیٔ کائنات میں یمِ زندگی ہر سُو رَواں ہے، کہیں پرسکون اور کہیں مضطرب۔ بیج میں زندگی ساکن ہے لیکن جب اسے زمین میں دبا دیا جاتا ہے تو زندگی ظہور کے لیے بے تاب ہو جاتی ہے۔ پٹرول ایک بے ضرر سا سیال ہے لیکن جب اسے آگ دکھا دی جاتی ہے تو منوں بھاری طیارے کو اٹھا کر فضا میں اُڑ جاتا ہے۔

طیارہ، بیج، موٹر، انسان، حیوان، پرندے تو نظر آتے ہیں لیکن حقیقت نظر نہیں آتی اور نہ آج تک معلوم ہو سکا کہ یہ کہاں سے آتی ہے۔ ماہرین روح کی تازہ تحقیقات اور ارباب نظر کے تجربات سے معلوم ہوتا ہے کہ زندگی کے دھارے اثیر سے پھوٹتے ہیں یا یوں کہیے کہ زندگی کے بادل اثیر میں چھائے ہوئے ہیں، جب وہ برستے ہیں تو کوئی قطرہ پھول کی صورت اختیار کر لیتا ہے اور کوئی پھل، پرندے اور انسان کی:

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗۤ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ○

(الحجر :۲۱)

ترجمہ: ''تمام اشیاء کے خزائن ہمارے پاس ہیں اور ہم ہر شے کو ایک معین مقدار میں نازل کرتے ہیں''۔

رجوع

عربی زبان میں لفظ ''رجوع'' کے معنی بازگشت یا لوٹ جانا ہے۔ اگر ایک آدمی کسی مقام سے آئے اور پھر وہیں واپس چلا جائے تو عرب کہیں گے ھُوَ رَجَعَ اِلٰی مَقَامِهٖ کہ فلاں آدمی اپنے مقام کی طرف رجوع کر گیا یعنی لوٹ گیا ہے۔ جب کسی آدمی کی وفات ہو جاتی ہے تو ہماری زبان سے بے ساختہ یہ آیت نکلتی ہے:

اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ○ (البقرہ)

ترجمہ: ''ہم اللہ ہی کی ملکیت ہیں اور اسی کی طرف لوٹ (رجوع کر)

جائیں گے"۔

انسان دو قسم کے ہیں۔ ایک وہ جنہوں نے سیہ کاری سے روح میں زہر بھر لیا اور جہان بھر کا اضطراب خرید لیا۔ دوسرے وہ جنہوں نے حسین و بلند اعمال سے روح میں سکون و مسرت کی دنیا بسالی۔ جب مؤخر الذکر لوگ اس دنیا سے رخصت ہوں گے تو اللہ کی طرف سے آواز آئے گی:

يٰۤاَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ٥ ارْجِعِىْۤ اِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ٥ فَادْخُلِىْ فِىْ عِبٰدِىْ وَادْخُلِىْ جَنَّتِىْ ٥

(الفجر ۲۷۔ ۳۰)

ترجمہ: "اے مطمئن روح! اب تو ہمارے ہاں لوٹ آ! ہم تم سے خوش ہیں اور تو ہم سے، ہمارے پیارے بندوں میں شامل اور جنت میں داخل ہو جا"۔

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ روح اللہ کی طرف سے آتی ہے، کچھ مدت تک جسم میں رہتی ہے اگر یہاں بدکاری سے آلودہ نہ ہو جائے تو اپنے وطن میں لوٹ جاتی ہے، ورنہ اثیر کے آتشیں طبقوں میں صدیوں بھٹکتی رہتی ہے۔

نوّے فیصد مخفی

زمین کی تمام تر رونق انسان سے ہے اور انسانیت انسان کی عقل ہے۔

سوال یہ ہے کہ عقل کہاں سے آئی؟

کیا پہاڑوں سے نکلی؟

پانی سے پیدا ہوئی یا فضا سے برسی؟

اس کا جواب صرف ایک ہے کہ جہان مخفی یعنی اثیر سے آئی۔ انسان کے دیگر جذبات غم و مسرت بھی اسی دنیا سے آئے ہیں۔ پھولوں میں ایک مخفی ہاتھ رنگ و بو بھر رہا ہے۔ کوئی ایسی بھٹی لازماً موجود ہے جس میں دیودار کے سینکڑوں فٹ طویل شہتیر ڈھل رہے ہیں۔ ایسے بے شمار

سانچے حتماً موجود ہیں جن سے آم، آڑو اور سیب نکل رہے ہیں۔ آم کا رنگ، ذائقہ، خوشبو، لذت سب کی سب آسمانی چیزیں ہیں۔ زمین میں یہ کہیں موجود نہیں۔ نہ آم کے درخت میں نہ شاخوں میں، نہ پتوں میں، نہ پانی میں، نہ کھاد میں، نہ دھوپ میں، نہ ہوا میں۔ اسی طرح علوم وفنون پہ غور فرمائیے۔ الفاظ تو بے شک مادی ہیں لیکن معانی کہیں نظر نہیں آتے۔ پھر یہ راز بھی آج تک نہ کھل سکا کہ چند کتابیں پڑھنے کے بعد بصیرت میں جلا کہاں سے آجاتی ہے؟ آدمی عقل مند کیسے بن جاتا ہے؟ جب کوئی آدمی سائیکل چلانا سیکھنے لگتا ہے تو بار بار کیوں گرتا ہے؟ کیا اسے سائیکل گراتی ہے؟ زمین دھکے مارتی ہے؟ ارادہ کیا چیز ہے؟ تجویز کہاں سے آتی ہے؟ نئی خواہش کیسے پیدا ہوتی ہے؟ اگر ایک درخت پر صرف ایک مخفی کارکن مقرر ہو تو ان کارکنوں کا حساب لگائیے، اگر ہر پھول میں صرف ایک ہاتھ رنگ وبو بھر رہا ہو تو ان ہاتھوں کو گنیے، معاً آپ کو یقین ہو جائے گا کہ اس کائنات کے نوّے فیصد پہلو ہماری آنکھوں سے اوجھل ہیں اور جو کچھ نظر آرہا ہے وہ بہ مشکل دس فیصد ہے۔

اِتفاقات وحوادث

جب صورت حال یہ ہے کہ کروڑوں مخفی ہاتھ کائنات میں کارفرما ہیں۔ بادلوں کو دور دراز سے کھینچ کر ہماری کھیتیوں پہ برسا رہے ہیں، بیج کو چیر کر پودے، پتے اور دانے بنا رہے ہیں، بجلیاں چمکا چمکا کر مردہ زمین کی نس نس میں زندگی بھر رہے ہیں اور ہر مقام پر اسباب وعلل کا سلسلہ فراہم کر رہے ہیں تو پھر ''اتفاقات'' کی کوئی حقیقت نہیں رہ جاتی۔ ہم ہر اس واقعہ کو ''اتفاق یا حسن اتفاق'' کہہ دیتے ہیں جو ہماری کوشش کا نتیجہ نہ ہو یا جس کے اسباب وقوع کا ہمیں علم نہ ہو۔ اگر کولمبس کو امریکہ مل جائے، سکندر آب حیواں تک نہ پہنچ سکے، کلیم اللہ آگ لینے جائے اور پیمبری مل جائے، تیمور ریوڑ چراتے چراتے بادشاہ بن جائے، یعقوب لیث ٹھٹھیار پن چھوڑ کر اورنگ جہاں بانی پہ جا بیٹھے، تو ہم ان تمام واقعات کو ''اتفاقات'' کہہ دیتے ہیں۔ حالانکہ ان تمام واقعات کے پیچھے ایک مخفی دماغ کام کر رہا ہوتا ہے، جو اسباب کی مختلف کڑیاں فراہم کرتا ہے، ان کڑیوں پر ہماری نظر نہیں ہوتی اور جب نتائج دفعتہً سامنے آتے ہیں تو ہم انہیں ''اتفاقات'' کہہ کر مطمئن ہو جاتے ہیں۔ میرے نقطۂ نظر سے یہ گاڑیاں اور بسوں کا آئے دن تصادم، جانوں کا نقصان، آتش

زنی وغیرہ کے واقعات اتفاقی حوادث نہیں بلکہ ایک مخفی پلان کا نتیجہ ہیں۔ وہ رب حکیم کسی کی بگڑی بنانے یا کسی بدکار وظالم کو کیفر کردار تک پہنچانے کے لیے اسباب کا ایک مخفی سلسلہ فراہم کرتا ہے جس سے وہی نتائج نکلتے ہیں جو وہ چاہتا ہے۔

داستانِ موسیٰؑ

آپ کو تاریخ کا یہ واقعہ معلوم ہوگا کہ فرعون، اسرائیل کے ہر نومولود کو قتل کر دیتا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو ان کی والدہ خوفِ انجام سے سخت بے تاب ہو گئیں۔ ماماتا آنکھوں کے سامنے بچے کا قتل کیسے برداشت کر سکتی تھی، چنانچہ اسے خیال آیا کہ اس سے بہتر تو یہ ہے کہ بچے کو دریا میں بہا دیا جائے۔ چنانچہ ایک صندوق میں ڈال کر دریا کے حوالے کر دیا۔ لہروں نے صندوق کو ساحل کے اُس حصے پر پھینک دیا جہاں ''اتفاقاً'' فرعون کی بیوی سیر کر رہی تھی۔ اس نے صندوق کو کھولا اور اس میں ایک پیارا سا بچہ دیکھ کر بہت خوش ہوئی۔ جب فرعون نے بچے کو دیکھا تو اس کی طرف کھنچتا ہی چلا گیا اور اسے پالنے کا فیصلہ کر لیا۔ جب دایہ کی ضرورت پیش آئی تو حضرت موسیٰ کی ہمشیرہ، فرعون کے گھر جا پہنچی، اس سے بھی کسی نے پوچھ لیا۔ اس نے اپنی ماں کا ذکر کر دیا۔ اس طرح ماں بیٹے کی ''اتفاقاً'' ملاقات ہو گئی۔ چونکہ مصر کی فضا بالیدگی روح کے لیے ناموزوں تھی اور موسیٰ کو وہاں سے نکال کر موزوں ماحول میں لے جانا مقصود تھا، لہٰذا جہانِ مخفی کی مخفی کونسل نے اک نیا منصوبہ تیار کیا۔ ایک روز حضرت موسیٰ علیہ السلام کہیں سے گزر رہے تھے کہ ''اتفاقاً'' دو آدمی لڑتے ہوئے نظر آئے، ایک قبطی (از قبیلہ فرعون) تھا اور دوسرا اسرائیلی۔ جب موسیٰ علیہ السلام نے دیکھا کہ مغرور قبطی غریب اسرائیلی کو بے رحمی سے پیٹ رہا ہے تو انہوں نے آگے بڑھ کر قبطی کو ایک ایسا گھونسہ رسید کیا کہ وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ موسیٰ علیہ السلام خوفِ پاداش سے بھاگ نکلے اور مدین میں حضرت شعیب علیہ السلام کے ہاں ''اتفاقاً'' پہنچ گئے۔ وہ اس طرح کہ چلتے چلتے ایک ایسے مقام پہ جا نکلے جہاں لوگ ریوڑوں کو پانی پلا رہے تھے، وہاں دیکھا کہ دو لڑکیاں کافی عرصہ سے اپنی باری کا انتظار کر رہی ہیں اور انہیں دوسرے گڈریے موقع ہی نہیں دیتے۔ موسیٰ علیہ السلام آگے بڑھے اور ان کے ریوڑ کو پانی پلایا۔ اس سلوک سے لڑکیاں بہت

متاثر ہوئیں اور کہنے لگیں کہ ہمارے گھر چلیے۔ اس طرح حضرت شعیب علیہ السّلام اور موسیٰ علیہ السّلام کی ''اتفاقاً'' ملاقات ہوگئی۔ موسیٰ علیہ السّلام اس مردِ خدا رسیدہ کے ہاں کئی برس رہے۔ تہذیب وتزکیہ کی تمام منازل طے کیں اور بالآخر اس مقام پہ جا پہنچے جس پر اللہ انہیں فائز کرنا چاہتا تھا۔

اگر کوئی شعیب آئے میسر
شبانی سے کلیمی دو قدم ہے
(اقبالؔ)

اس داستان کی تمام لڑکیاں بظاہر ''اتفاقی واقعات'' معلوم ہوتی ہیں۔ والدۂ موسیٰ کے دماغ میں دریا کا خیال آیا، دریا کا صندوق کو ساحل پہ پھینک دینا، وہاں فرعون کی بیوی کا موجود ہونا، فرعون کا یہ فیصلہ کرنا کہ بچے کو پالا جائے۔ وہاں اُختِ موسیٰ کا پہنچ جانا، قبطی کا ایک گھونسے سے مر جانا، موسیٰ علیہ السلام کا بھاگ نکلنا، راہ میں شعیب علیہ السّلام کی بچیوں سے ملاقات ہو جانا اور اس طرح شعیبؑ تک اور شعیبؑ سے کلیمی تک پہنچ جانا، یہ سب کچھ ''اتفاق'' نظر آتا ہے۔ لیکن درحقیقت یہ تمام واقعات اس پلان (منصوبہ) کا حصہ تھے، جو مخفی کونسل نے تیار کیا تھا۔

یہی کہانی اللہ کی زبانی سنیے:

جب اللہ نے موسیٰ علیہ السّلام کو حکم دیا کہ فرعون کے ہاں جاؤ تو موسیٰ نے کہا:

''اے رب! ہارون کو بھی میرے ساتھ بھیج، کیونکہ وہ بڑا فصیح اللسان ہے، اس سے میری ہمت بڑھے گی اور ہم مل کر تیری حمد وثنا کے گیت گائیں گے''۔

جواب ملا:

''ہم تمہاری درخواست منظور کرتے ہیں اور

وَلَقَدْ مَنَنَّا عَلَيْكَ مَرَّةً أُخْرَىٰ ○ إِذْ أَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّكَ مَا يُوحَىٰ ○ أَنِ اقْذِفِيهِ فِي التَّابُوتِ فَاقْذِفِيهِ فِي الْيَمِّ فَلْيُلْقِهِ

الْيَمِّ بِالسَّاحِلِ يَأْخُذْهُ عَدُوٌّ لِّي وَ عَدُوٌّ لَّهٗ ؕ وَاَلْقَيْتُ عَلَيْكَ مَحَبَّةً مِّنِّيْ ۚ وَلِتُصْنَعَ عَلٰى عَيْنِيْ ۝ اِذْ تَمْشِيْ اُخْتُكَ تَقُوْلُ هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى مَنْ يَّكْفُلُهٗ ؕ فَرَجَعْنٰكَ اِلٰى اُمِّكَ كَيْ تَقَرَّ عَيْنُهَا وَلَا تَحْزَنَ ۚ وَقَتَلْتَ نَفْسًا فَنَجَّيْنٰكَ مِنَ الْغَمِّ وَ فَتَنّٰكَ فُتُوْنًا ۝ فَلَبِثْتَ سِنِيْنَ فِيْۤ اَهْلِ مَدْيَنَ ۙ ثُمَّ جِئْتَ عَلٰى قَدَرٍ يّٰمُوْسٰى ۝ (طٰہٰ:۳۷:۴۰)

ترجمہ: ''ہم نے یہ تم پر دوسرا احسان کیا ہے۔ پہلا احسان اس وقت کیا تھا جب تمہاری والدہ کے دماغ میں یہ تجویز ڈالی تھی کہ بچے کو صندوق میں رکھ کر دریا میں بہادو، پھر دریا کو حکم دیا کہ صندوق کو ساحل پہ پھینک دو تا کہ تیرا اور میرا دشمن یعنی فرعون صندوق کو اٹھالے۔ میں نے تمہاری شخصیت میں کشش و محبت پیدا کردی تا کہ تمہاری پرورش ہماری نگرانی میں ہو۔ وہ وقت بھی یاد کرو جب تمہاری بہن فرعون کے گھر جا پہنچی اور کہنے لگی: کیا میں تمہیں ایسی دایہ بتاؤں، جو اس بچے کی اچھی طرح دیکھ بھال کر سکے۔ اس طرح ہم نے تم کو تمہاری ماں کے پاس لوٹا دیا تا کہ اس کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں اور اس کی بے قراری سکون میں بدل جائے۔ تم نے ایک آدمی کو مار ڈالا تھا، ہم نے تمہیں پاداش قتل سے بچالیا۔ ہم نے تمہیں مختلف ابتلاؤں میں ڈالا تم مدین میں کئی برس رہے اور ان تمام مراحل کو طے کرنے کے بعد اس مقام پر آہی گئے جہاں ہم تمہیں لانا چاہتے تھے''۔

مخفی کونسل کے اس تمام پلان کا مقصد کیا تھا؟ یہ صدرِ کونسل سبحانہ وتعالیٰ کی زبان سے سنیے:

وَنُرِيْدُ اَنْ نَّمُنَّ عَلَى الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا فِي الْاَرْضِ وَ

نَجْعَلَهُمْ اَئِمَّةً وَّ نَجْعَلَهُمُ الْوٰرِثِيْنَ o وَنُمَكِّنَ لَهُمْ فِي الْاَرْضِ وَنُرِيَ فِرْعَوْنَ وَ هَامَانَ وَ جُنُوْدَهُمَا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَحْذَرُوْنَ o (القصص: ٥۔ ٦)

ترجمہ: ''ہمارا ارادہ یہ تھا کہ ہم ان بنی اسرائیل کو نوازیں، جنہیں ضعیف و ذلیل کر دیا گیا تھا۔ انہیں کائنات کا امام اور زمین کا وارث بنائیں۔ انہیں قوت و غلبہ عطا کریں پھر فرعون، ہامان اور ان کے عساکر کو وہ نتائج دکھائیں جن سے وہ خائف تھے''۔

یہ تھی وہ انتہا جس کی ابتدا حضرت موسیٰ علیہ السّلام تھے۔ آپ کے بعد انہی بنی اسرائیل سے، جنہیں آپ نے فرعون کی روح گداز اور انسانیت سوز غلامی سے نجات دلائی تھی، انبیاء کا ایک عظیم و جلیل سلسلہ شروع ہوا، جن کی تعلیمات سے انسانیت کی تقدیر و تاریخ بدل گئی۔ آج جس قدر الہامی صحائف دنیا میں موجود ہیں، خواہ وہ چین و ہند میں ہوں یا ایران و عرب میں، ان کا نزول موسیٰ کے بعد ہوا تھا، موسیٰ علیہ السلام سے پہلے نازل شدہ الہام کا ایک ورق تک دنیا میں موجود نہیں۔

غور فرمایئے کہ اس عظیم مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کارکنانِ قضا و قدر کو کیا کچھ کرنا پڑا اور داستان موسیٰ کن پُر اسرار راہوں سے ہوتی ہوئی انتہا پہ پہنچی۔

مجھے دوبارہ یہ کہنے کی اجازت دیجیے کہ دنیا میں حادثہ یا اتفاق کوئی چیز نہیں۔ ہر واقعہ پلان کے تحت ظہور میں آتا ہے۔ یہ پلان کبھی انسانی ہوتا ہے اور کبھی خدائی۔ موخر الذکر کو ہم اپنی زبان میں اتفاق یا حادثہ کہہ دیتے ہیں۔

ہمارے اعمال کا اثر پلان پر

جب ہم کائنات پر ایک نظر ڈالتے ہیں تو یہ حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ اللہ کی ہر تخلیق، ہر فعل اور ہر اقدام ہمارے فائدے کے لیے ہے۔ یہ بادل ہماری کھیتیوں کے لیے ہیں، یہ درخت

ہماری زمین کو سجانے، ہمارے لیے پھل بہم پہنچانے اور ہمیں دھوپ سے بچانے کے لیے ہیں۔ یہ ہوا، یہ پانی، یہ آگ، یہ روشنی، یہ خزاں، یہ بہار، یہ زمیں، یہ آسماں، یہ چاند، یہ سورج سب کے سب ہماری خدمت پہ لگے ہوئے ہیں۔ ہماری جسمانی ضروریات کے ساتھ ساتھ اس نے ہمارے روحانی تقاضوں کی تسکین کا بھی انتظام کیا ہوا ہے۔ اس نے سینکڑوں کتابیں اتاریں، لاکھوں انبیاء بھیجے اور علماء و اولیاء کا ایک تانتا باندھ دیا۔ جب اللہ کی ہر تخلیق ہمارے فائدے کے لیے ہے اور اسی بنا پر ہم اسے رب العالمین، رحیم اور کریم کہتے ہیں تو پھر ہم یہ نتیجہ نکالنے پر مجبور ہیں کہ فیض رسان، لطیف اور جمیل رب کو انہی لوگوں سے پیار ہو سکتا ہے جن میں رحم، محبت، فیاضی، خدمت اور مروت کے خدائی اوصاف موجود ہوں۔ فیاض خدا، بے فیض انسان کو کیسے پسند کر سکتا ہے؟ ساری کائنات سے محبت کرنے والا رب ظالم، سنگدل اور جفا کار کو کیسے برداشت کر سکتا ہے؟ پاکیزہ، جمیل اور لطیف، اللہ کی دوستی ناپاک، غلیظ اور بدکار افراد سے کیسے ممکن ہے؟

جمیل و رفیع اعمال ہی وہ رشتہ ہے جو ہمیں رب کائنات سے منسلک کر سکتا ہے۔ یہ رشتہ قائم ہونے کے بعد جہان مخفی کی تمام اچھی طاقتیں (ملائکہ و ارواح) ہماری معاون بن جاتی ہیں۔ ہر معاملے میں ہماری مدد کرتی، اُمِ موسیٰ کا دریا میں بہایا ہوا صندوق ساحل پہ لگاتی اور موسیٰ و شعیبؑ کی ملاقات کا انتظام کرتی ہیں۔

جو مخفی ہاتھ گلہائے چمن میں رنگ بھر رہا ہے وہ آپ کے افسانۂ حیات کو بھی رنگین بنا سکتا ہے، وہ ملاح جو آسمان کی نیلگوں جھیل میں گھٹاؤں کے سفینے چلا رہا ہے وہ تمہارے جیون کی نیا کو بھی ساحل آشنا کر سکتا ہے اور وہ حنائی انگلیاں جو کلی کو گدگدا کر پھول بنا رہی ہیں وہ تمہارے غنچہ آرزو کو بھی کھلا سکتی ہیں لیکن شرط یہ ہے کہ ہم کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے ان مخفی دوستوں کا مزاج برہم ہو جائے۔ جن لوگوں نے اس مخفی دنیا سے رابطہ قائم کیا ہے مثلاً اولیاء، انبیاء وغیرہ۔ ان تمام کا تجربہ یہ ہے کہ وہ طاقتیں نیکی سے خوش ہوتی ہیں اور گناہ سے ان کی پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں۔

مغرب کا ایک صوفی لیڈ بیٹر اپنی کتاب ''ماسٹرز اینڈ دی پاتھ'' میں لکھتا ہے کہ کرائے

رہے ایک طرف:

"بعض چھوٹی چھوٹی چیزیں مثلاً ناشائستہ ریمارکس اور مخول وغیرہ بھی جسم لطیف (داخلی انسان) کو پریشان کر دیتے ہیں اور مضر اثرات کا دروازہ کھول دیتے ہیں"۔

ایک اور حکیم لکھتا ہے:

"جو شخص اللہ پہ اپنی توجہ مرتکز کر لیتا ہے، وہ حتماً اس کے ساتھ ایک رابطہ پیدا کر لیتا ہے۔ غیب بینوں نے یہ رابطہ ایک نورانی لکیر کی صورت میں دیکھا۔ خدا اس نورانی لکیر کے تعلق کو محسوس کرتا ہے اور رابطہ پیدا کرنے والے کی طرف ایسی مقناطیسی لہریں بھیجتا ہے جو مسرت میں بدل جاتی ہیں"۔

میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ اللہ کے کچھ انعامات ایسے ہیں جو براہ راست ہم تک آتے ہیں۔ مثلاً بارش، ہوا، روشنی وغیرہ اور کچھ انسانوں کی وساطت سے ہمیں ملتے ہیں۔ مثلاً علم، موسیقی، محبت وغیرہ۔ خدا سے تعلق قائم کرنے کے بعد صاحبِ رابطہ خدا اور مخلوق خدا کے درمیان ایک واسطہ بن جاتا ہے:

"اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ اللہ نے انسان کو چند ایسی طاقتیں بھی دی ہیں، جن سے وہ مادی اور اثیری دنیا پر اثر انداز ہو سکتا ہے۔ ایک بے غرض انسان کا رویہ ہمیشہ یہ ہوتا ہے کہ وہ دوسروں سے محبت نیز ان کی خدمت کرے۔ ہر فرد در حقیقت ایک ٹرانسمٹر (آگے بھیجنے والا) ہے جو اپنی اندرونی قوتوں کو دوسروں تک پہنچاتا ہے"۔ (ٹرائن)

قرآن حکیم میں درج ہے:

وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْ فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط وَاِنَّ اللّٰهَ لَمَعَ الْمُحْسِنِيْنَ (العنکبوت:٦٩)

ترجمہ: ''جو لوگ ہم سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں ہم انہیں بلندی کی راہیں دکھاتے ہیں اور اللہ ہمیشہ نیک لوگوں کا ساتھ دیتا ہے''۔

حوادث اور قرآن

ہم عرض کر چکے ہیں کہ اس کائنات میں ''اتفاق'' کوئی چیز نہیں، بلکہ ہر واقعہ ایک سکیم اور پلان کے تحت ظہور میں آتا ہے اگر ہم کسی بیماری یا حادثے کا شکار ہوتے ہیں تو اس کی وجہ کسی طبیعی، اخلاقی یا روحانی قانون کی خلاف ورزی ہوتی ہے۔ ایک کمزور کشتی کو سمندر کی طوفانی امواج میں ڈال دینا طبیعی قانون کی خلاف ورزی ہے۔ اس کشتی کا ڈوب جانا یقینی ہے۔ آگ میں کودنے کا لازمی نتیجہ جلنا ہے۔ آگ اور جلنے کا رشتہ بالکل واضح ہے۔ دوسری طرف انسانی زندگی کچھ ایسے حوادث سے بھی دوچار ہوتی ہے، جہاں اعمال و نتائج میں کوئی علاقہ قائم کرنا دشوار ہوتا ہے۔ فرض کیجیے کہ ایک دولت مند مردم آزار اپنے رسوخ کی بدولت ملکی قانون کی گرفت سے بچتا چلا جاتا ہے اور پھر کسی نہ کسی منزل پر اس پر فالج گر جاتا ہے۔ لوگ یہی کہیں گے کہ اسے اپنے کرتوتوں کی سزا ملی لیکن یہ بات کوئی شخص نہیں سمجھا سکے گا، کہ کس قاعدے سے مردم آزاری، فالج کی علت بنی۔ ہر بدکار کی زندگی پہ ایسے حوادث آئے دن ٹوٹتے رہتے ہیں کہ کبھی حوالات میں پہنچ جاتا ہے، کبھی تانگے سے ٹکرا کر لات تڑوا بیٹھتا ہے اور کبھی اس کا کوئی بچہ چھت سے گر پڑتا ہے۔

وَلَا يَزَالُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا تُصِيْبُهُمْ بِمَا صَنَعُوْا قَارِعَةٌ

(الرعد :۳۱)

ترجمہ: ''نافرمانوں پر ان کے کرتوتوں کی وجہ سے کوئی نہ کوئی مصیبت ہمیشہ ٹوٹتی ہی رہتی ہے''۔

وَمِنْ اٰيٰتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْاَعْلَامِ ○ اِنْ يَّشَاْ يُسْكِنِ الرِّيْحَ فَيَظْلَلْنَ رَوَاكِدَ عَلٰى ظَهْرِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ○ اَوْ يُوْبِقْهُنَّ بِمَا كَسَبُوْا وَ يَعْفُ عَنْ كَثِيْرٍ ○

(شوریٰ :۳۲. ۳۴)

ترجمہ: ''سمندر میں پہاڑوں جیسے جہاز اللہ کی علامات ہیں۔ اگر اللہ چاہے تو ہوا کو روک کر جہازوں کو سطح بحر پہ ساکن کر دے۔ اس میں صابرو شاکر انسان کے لیے کچھ اسباق موجود ہیں اور یا مسافروں کو ان کے اعمال بد کی پاداش میں غرق کر دے لیکن اللہ تعالیٰ اکثر لوگوں کو معاف کر دیتا ہے''۔

گناہ اور دکھ، نیز نیکی اور سکھ میں کوئی ایسا رشتہ موجود ہے جسے ہم نہ دیکھ سکتے ہیں اور نہ سمجھ سکتے ہیں، لیکن یہ رشتہ اتنا محکم ہے کہ فلک نیلوفری کی کوئی گردش اور جہان رواں کا کوئی حادثہ اسے نہیں توڑ سکتا۔ بظاہر یوں نظر آتا ہے کہ کنجوسی سے دولت بڑھتی ہے لیکن اللہ اسے تنگی رزق کی وجہ قرار دیتا ہے:

وَاَمَّآ اِذَا مَا ابْتَلٰهُ فَقَدَرَ عَلَيْهِ رِزْقَهٗ ۝ فَيَقُوْلُ رَبِّیْٓ اَهَانَنِ ۝ كَلَّا بَلْ لَّا تُكْرِمُوْنَ الْيَتِيْمَ ۝ وَلَا تَحٰٓضُّوْنَ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ۝ (الفجر: ۱۶۔ ۱۸)

ترجمہ: ''جب اللہ کسی کو ابتلا میں ڈال کر اس کا رزق کم کر دیتا ہے، تو وہ پکار اٹھتا ہے ''اللہ نے مجھے ذلیل کر دیا'' حالانکہ بات یوں نہیں، حقیقت یہ ہے کہ تم یتیم کی خاطر داری نہیں کرتے اور مسکین کو کھانا کھلانے کی ترغیب نہیں دیتے''۔

اس سے زیادہ واضح آیت یہ ہے:

فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى ۝ وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى ۝ وَاَمَّا مَنْۢ بَخِلَ وَاسْتَغْنٰى ۝ وَكَذَّبَ بِالْحُسْنٰى ۝ فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْعُسْرٰى ۝ وَمَا يُغْنِیْ عَنْهُ مَالُهٗٓ اِذَا تَرَدّٰى ۝ (اللیل: ۵۔ ۱۱)

ترجمہ: ''جو شخص اللہ کی راہ میں خرچ کرتا، گناہ سے بچتا اور اچھی طرح باتوں کو صحیح سمجھتا ہے، ہم اس کے لیے آسانیاں (فراخیِ رزق، سکون) بہم پہنچائیں گے۔ دوسری طرف جو آدمی بخل کرتا، لوگوں کی تکالیف سے بے نیاز رہتا اور اچھی باتوں کو جھٹلاتا ہے ہم اسے دکھ اور تنگیِ رزق میں مبتلا کر دیں گے''۔

ذکرِ خُدا

ہم عرض کر چکے ہیں کہ حیات کا سفر اللہ سے شروع ہو کر اللہ ہی پر ختم ہوتا ہے گویا اللہ انسان کی آخری منزل ہے:

وَاَنَّ اِلٰی رَبِّکَ الْمُنْتَہٰی۔ (القمر: ۴۲)

ترجمہ: ''تمہاری آخری منزل اللہ ہے''۔

کوئی مسافر منزل کے تصور سے غافل نہیں ہو سکتا اور پورا خیال رکھتا ہے کہ راہ سے بھٹک نہ جائے۔ شاہراہ حیات پر ہر مسافر کو مختلف حوادث پیش آتے ہیں۔ کبھی شاہراہ کو چھوڑ کر کسی پگڈنڈی پر چل پڑتا ہے۔ کبھی گناہ کے غاروں میں گر جاتا ہے اور کبھی عارضی دلکشیوں میں اُلجھ کر منزل سے غافل ہو جاتا ہے۔ رب رحیم و کریم نے ہم پہ یہ خاص نوازش فرمائی ہے کہ منزل کی تمام علامات بتلا دیں۔ پگڈنڈیوں سے خبردار کر دیا۔ غاروں اور گڑھوں کا پتہ دیا۔ نیز فرمایا کہ ہماری جبروت و عزت کے گن گانے والے اور راتوں کو ہمارے حضور میں گڑگڑانے والے نہ تو راہ سے بھٹکیں گے اور نہ مصائب کا شکار ہوں گے۔

منطقی طور پر ذکر خدا اور مسرت میں کوئی رابطہ قائم کرنا، ناممکن ہے لیکن یہ ایک زبردست حقیقت ہے کہ جو لوگ تمام گناہوں سے بچنے کے بعد نغمہائے حمد و ثنا گاتے ہیں، وہ دولتِ اطمینان سے بہرہ وافر پاتے ہیں:

اَلَا بِذِکْرِ اللّٰہِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ۔ (۲۸:)

ترجمہ: "یاد رکھو کہ اللہ کی یاد سے دلوں کو اطمینان حاصل ہوتا ہے"۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا وَ مِنْ اٰنَاۤئِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰى ٥

(طٰهٰ:۱۳۰)

ترجمہ: "طلوع و غروب آفتاب سے پہلے، شب کے دوران اور دن کے کناروں پر اللہ کی حمد کیا کرو تا کہ تمہیں سکون و اطمینان نصیب ہو"۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ارْكَعُوْا وَاسْجُدُوْا وَاعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَافْعَلُوا الْخَيْرَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ٥ (الحج ۷۷)

ترجمہ: "ایمان والو! اللہ کے سامنے جھک جاؤ، سجدے کرو، صرف اسی کی عبادت کرو اور نیکی کی شاہراہ پر بڑھے چلو، تا کہ تمہیں کامیابی حاصل ہو"۔

دو کہانیاں

اللہ نے قرآن میں دو کہانیاں بیان فرمائی ہیں۔ آپ بھی سنیں:

اول: ایک بستی کے لوگ اپنے کھیتوں میں اس خیال سے بہت سویرے جا پہنچے کہ مساکین کے آنے سے پہلے ہی سب کچھ سمیٹ کر گھروں کو واپس چلے جائیں۔ جا کر دیکھتے ہیں کہ سارا خرمن جل چکا ہے:

فَلَمَّا رَاَوْهَا قَالُوْۤا اِنَّا لَضَآلُّوْنَ ٥ بَلْ نَحْنُ مَحْرُوْمُوْنَ ٥ قَالَ اَوْسَطُهُمْ اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ لَوْلَا تُسَبِّحُوْنَ ٥ قَالُوْا سُبْحٰنَ رَبِّنَاۤ اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ. (القلم:۲۶۔ ۲۹)

ترجمہ: "جب یہ حالت دیکھی تو کہنے لگے، شاید ہم راستہ بھول کر کہیں اور آ نکلے ہیں۔ پھر کہنے لگے اف! ہم لٹ گئے۔ ان میں سے ایک نیک آدمی نے کہا۔ کیا میں تمہیں ہمیشہ یہ نصیحت نہیں کیا کرتا تھا کہ اللہ کو یاد کرو۔ سب

نے کہا۔ اللہ ہر عیب سے پاک ہے، قصور ہمارا ہی تھا"۔

اس حکایت سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ذکر و تسبیح سے آسمانی حوادث ٹل جاتے ہیں۔

دوم: حضرت ذُوالنّون علیہ السّلام کسی بات پر اللہ سے بگڑ گئے اور اللہ نے اس گستاخی کی سزا یوں دی:

فَالْتَقَمَهُ الْحُوْتُ وَهُوَ مُلِيْمٌ ٥ فَلَوْلَآ اَنَّهٗ كَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِيْنَ ٥ لَلَبِثَ فِيْ بَطْنِهٖٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ٥ فَنَبَذْنٰهُ بِالْعَرَآءِ وَهُوَ سَقِيْمٌ ٥ (الصّٰفّٰت: ۱۴۲۔ ۱۴۵)

ترجمہ: "ایک مچھلی اسے نگل گئی اور وہ بہت نادم ہوا۔ اگر وہ ہمارے ثنا خوانوں (تسبیح کرنے والوں) میں نہ ہوتا تو بطن ماہی میں قیامت تک رہتا۔ لیکن ہم نے اسے نکال کر میدان پہ پھینک دیا اور وہ بہت نڈھال تھا"۔

کتنی عجیب بات ہے کہ حضرت یونسؑ (ذوالنون) بطنِ ماہی سے اس بنا پہ نکل آئے کہ وہ اللہ کا ذکر کیا کرتے تھے اور عجیب تر یہ کہ اگر وہ بستی والے خدا کو یاد کیا کرتے تو ان کا خرمن بجلیوں سے محفوظ رہتا۔

میرا خیال یہ ہے کہ ذکرِ الٰہی سے جہان مخفی کی وہ طاقتیں، جنہیں ملائکہ کہا جاتا ہے، خوش ہوتی ہیں۔ حسین و وجیہہ آدمی کی کون قدر نہیں کرتا۔ ذکر و تقویٰ سے وہ داخلی انسان جو اس جسم خاکی کے غلاف میں لپٹا ہوا ہے جمیل و لطیف بن جاتا ہے اور فرشتے اس سے پیار کرنے لگتے ہیں۔ ملائکہ اجسام لطیف ہیں۔ ان کا رشتہ ہمارے جسم لطیف سے ہوتا ہے۔ اگر گناہ کی وجہ سے جسم لطیف مسخ و غلیظ ہو چکا ہو، اس سے تعفن کی لپٹیں اٹھ رہی ہوں تو فرشتوں کی کیا مجال کہ قریب بھی پھٹک سکیں۔ نیک لوگوں کے بیشتر بلکہ تمام امور ملائکہ کی امداد سے سرانجام پاتے ہیں۔ وہ جہاد میں جائیں تو فرشتے ساتھ ہوتے ہیں، (بدر و حنین کے واقعات) انہیں حوادث سے بچاتے ہیں۔

کامرانی و مسرت کی نئی نئی تجاویز ان کے دماغوں میں ڈالتے ہیں۔ اسباب کی بعض کڑیاں بہم پہنچاتے ہیں۔ ہر دل میں ان کے لیے جذبۂ احترام پیدا کرتے ہیں، جو احترام رومی، خیام، شمس تبریز، خواجہ اجمیری، داتا گنج بخش، اور باہو کو حاصل ہوا تھا وہ بڑے سے بڑے شہنشاہ و فاتح کو بھی نہ مل سکا۔ سوچنے کا مقام ہے کہ ان بے نوا فقیروں کو کس چیز نے محبوب عالم بنایا تھا؟ کیا اس کی وجہ علم تھی؟ کیا یہ لوگ فرائیڈ، ایڈیسن اور نیوٹن سے زیادہ علم رکھتے تھے؟ تو پھر فرائیڈ کیوں رومی نہ بن سکا؟ کیا ان کی مقبولیت کی وجہ دولت تھی؟ تو پھر ڈالمیا اور برلے کو اجمیری و شکر گنج کا مقام کیوں حاصل نہ ہوا؟ ان حضرات کو دنیا سے رخصت ہوئے کئی صدیاں گزر چکی ہیں لیکن کروڑوں دلوں پر ان کی محبت کا تخت بدستور بچھا ہوا ہے اور آج بھی ایک دنیا ان راہوں کو چوم رہی ہے جن سے یہ بے نوا بھی گزرے تھے۔

سحر خیزی

یہ "سحر خیزی" ہی وہ ادارہ ہے جہاں رومی و عطار نے تربیت حاصل کی تھی جس کے متعلق حکیم مشرق نے فرمایا تھا:

عطار ہو، رومی ہو، رازی ہو، غزالی ہو
کچھ ہاتھ نہیں آتا، بے آہِ سحر گاہی

جس کے متعلق سرورِ عالم ﷺ کو یوں تاکید کی گئی تھی:

وَمِنَ الَّيْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ نَافِلَةً لَّكَ ۖ عَسٰٓى اَنْ يَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا ۝ (بنی اسرائیل: ۷۸)

ترجمہ: "رات کے ایک حصے میں جاگ کر نماز پڑھا کرو۔ ہم (بطور صلہ) عنقریب تمہیں ایک ایسے مقام پر پہنچا دیں گے کہ ایک دنیا اس کی تعریف کرے گی"۔

احترام و محبوبیت کا یہ مقام جلیل شب خیزی کے بغیر میسر نہیں آ سکتا۔ قرآن میں شب

خیزی کے دو اور فوائد بھی بیان ہوئے ہیں:

اول: اس سے نفس سرکش پہ ضبط حاصل ہوتا ہے۔

دوم: بات میں وزن پیدا ہوتا ہے۔

پہلی بات کسی توضیح کی محتاج نہیں، سحر خیز کی نظر آخری منزل یعنی اللہ پہ ہوتی ہے اور جہان رنگ و بو کی کوئی کشش اسے اپنے مقصد سے غافل نہیں کر سکتی۔

رہی دوسری بات، تو تجربہ و مشاہدہ کا فیصلہ یہی ہے۔ کہ یہ ایک بہت بڑی حقیقت ہے۔ گزشتہ سو برس میں نہ جانے کتنے ہی ایسے شُعراء، اُدباء اور مُصنفین ہند میں پیدا ہوئے کہ ناولوں، دیوانوں اور کتابوں کے انبار لگا گئے۔ لیکن اس دفتر بے معنی کو پڑھنے والے نہ اس وقت موجود تھے اور نہ اب ہیں۔

تحریر روح کی صدا ہے۔

اگر روح مفلس و ضعیف ہو تو اس کی صدا کون سنے گا؟

دوسری طرف رومی و غزالی کی تصانیف میں وہ دلکشی، حسن اور وزن ہے کہ صدیوں سے زندہ ہیں اور قرنوں تک زندہ رہیں گی۔ ان کے ادب میں زندگی کہاں سے آئی؟ ان کی روح سے! اور روح کو توانائی ملی شب خیزی سے۔

إِنَّ نَاشِئَةَ اللَّيْلِ هِيَ أَشَدُّ وَطْأً وَأَقْوَمُ قِيلًا ۝ (مزمل: ٦)

ترجمہ: ''شب بیداری نفس کو کچلنے کے لیے بہت مفید ہے۔ اس سے بات میں وزن بھی آتا ہے''۔

آج پاکستان کے ہر بڑے شہر میں سینکڑوں شُعراء و اُدباء موجود ہیں جن کے کلام میں پرواز تخیل، لطافت مضامین، دقت استعارات، حُسنِ تشبیہات سب کچھ موجود ہے، لیکن ان تمام میں ایک بھی حافظ، جامی، نظامی یا عراقی نہیں ملتا، کیوں؟ اس لیے کہ یہ حضرات اس ادارے (سحر خیزی) میں داخل ہی نہیں ہوئے، جہاں سے روح کو نم، جمال، لطافت اور قوت ملتی ہے اور اس لیے ان کا کلام اس گداز سے خالی ہے جو حافظ و سعدی کے کلام کا طرۂ امتیاز تھا۔ حکیم مشرق کو بھی یہ

دولت اسی منبع سے ملی تھی۔

وہ خود فرماتے ہیں۔

نہ چھوٹے مجھ سے لندن میں بھی آدابِ سحر خیزی

سلطان باہوؒ، بلھے شاہؒ اور بابا فریدؒ کو گزرے مدتیں ہو چکی ہیں لیکن ان کے کلام کا چرچا کچھ بڑھ ہی رہا ہے۔ دیہات میں گھومیے، مزاروں، روضوں اور پیران طریقت کی گدیوں پر جائیے، میلوں کی سیر کیجیے، ہر جگہ ایسے مطرب ملیں گے جو ان حضرات کا کلام گا رہے ہوں گے۔ مقبولیت عامہ کا یہ مقام انہیں کیسے حاصل ہوا؟ جواب ایک ہی ہے کہ سحر خیزی کی بدولت۔ اگر یہ بات نہ ہوئی تو تبریز و شیراز اور لاہور و دہلی سے اب تک ہزاروں رومی پیدا ہو چکے ہوتے۔ حالانکہ کیفیت یہ ہے کہ۔

نہ اٹھا پھر کوئی رومی عجم کے لالہ زاروں سے
وہی آب و گلِ ایراں، وہی تبریز ہے ساقی
(اقبالؔ)

اِلَیْهِ یَصْعَدُ الْکَلِمُ الطَّیِّبُ وَالْعَمَلُ الصَّالِحُ یَرْفَعُهٗ.
(فاطر: ۱۰)

ترجمہ: ”پاکیزہ کلام، اعمال صالحہ کے پر لگا کر اللہ کی طرف اڑتا ہے“۔

لیڈ بیٹر کا ارشاد ہے:

”جس سیرت کی بنیاد تقویٰ کی محکم چٹان پہ ڈالی جائے، وہ خیر و فیاضی کی ایک مسلسل، مرتقی اور غیر مختتم ایجنسی بن جاتی ہے۔ یہ سیرت بعد از موت بھی زندہ رہتی ہے اور صحرائے ابد پر نقوش قدم چھوڑ جاتی ہے۔ انسان محدود اور فانی ہے۔ روح اور لذات روح غیر محدود لا فانی۔ روح کی لذات میں ڈوبے ہوئے لوگ حدودِ زماں و مکاں کو توڑ کر فانی و بے کراں بن جاتے ہیں“۔

نہیں ساحل تیری قسمت میں اے موج!
اچھل کر جس طرف چاہے نکل جا

باب نمبر ۹

دل کی دنیا

(ثقافت: اکتوبر ۱۹۵۹ء)

دل کی دنیا ایک ایسی پراسرار دنیا ہے جس کی واردات و کیفیات کا ادراک ہماری عقل نارسا نہیں کر سکتی۔ یوں تو کائنات میں اور بھی بے شمار ایسی اشیا موجود ہیں جو ہمارے فہم سے وراتر ہیں۔ مثلاً عقل، نظر، زمانہ، شعور، تحت الشعور، وجدان وغیرہ۔ لیکن ہم ان کے وجود کا انکار نہیں کرتے اور اپنی نافہمی کا اعتراف کر لیتے ہیں۔ دوسری طرف جب کوئی خدارسیدہ انسان ہم سے نور و سرور، وجد و مستی، غیبی طاقتوں اور آوازوں کا ذکر کرتا ہے تو ہم اسے خبطی سمجھ کر نظرانداز کر دیتے ہیں، حالانکہ دنیا کے بڑے بڑے اخلاقی و سیاسی انقلابات انہی ''دیوانوں'' کے پیدا کردہ تھے۔ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ جب تک کسی جذبہ میں شدت کی جنبش یا حرکت پیدا نہ ہو، انسان کوئی غیر معمولی کارنامہ دکھا ہی نہیں سکتا۔ چنگیز و سکندر کی نام آوری کا سبب ان کا جذبہ ملک گیری تھا۔ برلا اور ڈالمیا کے تمول کا محرک خوفِ افلاس تھا اور بڑے بڑے اہل قلم کی تخلیقات یا تو جذبہ شہرت کا نتیجہ تھیں یا جذبہ اصلاح و تجدید کا۔ جب تک ایک آدمی عقل کے زیر اثر رہتا ہے تو وہ ہر اقدام سے پہلے سود و زیاں کا اندازہ لگاتا، خطرات کا جائزہ لیتا اور ہر قدم پھونک پھونک کر رکھتا ہے۔ ایسا آدمی عموماً بزدل اور بے کار سمجھا جاتا ہے، لیکن جب کسی شخص پر کوئی جذبہ غالب آ جاتا ہے تو اس سے غیر معمولی اعمال سرزد ہونے لگتے ہیں۔ عشق میں فرہاد نے تنہا پہاڑ کاٹ ڈالا تھا۔ ایڈورڈ ہفتم نے تخت چھوڑ دیا تھا۔ غصے کی حالت میں کسی دوسرے کو قتل کر دینے کے واقعات آئے دن دیکھنے اور سننے میں آتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کہ اگر ہمارے شعراء اولیاء اور مصلحین زبردست حساس ور ''جذباتی'' نہ ہوتے تو غالباً ان کے کارناموں پر دنیائے انسانی یوں نازاں نہ ہوتی، جب ان دیوانوں پر کوئی بری روح مسلط ہو جاتی ہے تو چنگیز، ہلاکو، فرعون، قارون اور نمرود بن جاتے ہیں اور جب ان پر کسی پاک و عظیم روح کا قبضہ ہو جاتا ہے تو یہ موسیٰؑ و ابراہیمؑ، سقراط، افلاطون،

اقبال و گوئٹے اور حسینؑ و حیدرؓ کی صورت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

اچھی اور بُری رُوح کا تسلّط

گو ہماری محدود عقل اس بات کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ لیکن لاکھوں انسانوں کا مشاہدہ تجربہ شاہد ہے کہ بعض اوقات اچھی یا بری ارواح دماغ پر قابض ہو جاتی ہیں، ہاتھ پاؤں مڑ جاتے ہیں۔ منہ سے ڈراؤنی چیخیں نکلتی ہیں، چہرہ بھیانک بن جاتا ہے اور آنکھوں سے آگ برسنے لگتی ہے۔ ایسا آدمی یا تو مہمل جملے منہ سے نکالتا ہے یا عربی، فارسی، انگریزی وغیرہ کی عبارتیں پڑھنا شروع کر دیتا ہے اور یا بیہوش ہو جاتا ہے۔ اس صورت حال کو ''جن پڑ جانا'' کہتے ہیں۔ اس حملے کے دوران جو جملے مریض کی زبان سے نکلتے ہیں، وہ اس کے اپنے نہیں ہوتے بلکہ اس روح کی کارستانی ہوتی ہے جو دماغ پر چھا جاتی ہے۔ اس صورت حال کا ایک ناقص سا منظر اس لڑکی میں بھی نظر آتا ہے جسے ہپناٹزم کا ماہر بے ہوش کر کے اپنا ارادہ اس پر مسلط کر دیتا ہے اور وہ لڑکی اس کی خواہش کے مطابق بولتی، ہاتھ پاؤں ہلاتی، بلکہ کسی سہارے کے بغیر ہوا میں معلق ہو جاتی ہے۔ مجھے اس طرح کے کئی مناظر اپنی آنکھوں سے دیکھنے کا اتفاق ہوا ہے۔ ۱۹۱۸ء میں ایک طالب علم کو دیکھا کہ حملے کے دوران اس کے ہاتھ پاؤں مڑ گئے، وہ بار بار چیخیں مارتا اور ساتھ ہی ایسی زبانوں کی عبارتیں پڑھتا جن سے وہ نا آشنا تھا۔ ۱۹۳۴ء میں ہوشیار پور کے ایک سینما ہال میں بنگال کے ایک پروفیسر نے ایک لڑکی کو اسٹول پر کھڑا کر کے پہلے بے ہوش کیا، اس کے بعد وہ اسٹول کھینچ لیا اور وہ لڑکی ہوا میں معلق ہو کر رہ گئی۔ گورنمنٹ کالج کیمبل پور کے ایک لیکچرار ۱۹۸۵ء میں کراچی گئے اور وہاں انہیں دل ڈوبنے کے دورے پڑنے لگے، جب طبی علاج ناکام ہو گیا تو کسی نے ایک ایسی خاتون کا پتہ دیا جو ارواح کو طلب کر سکتی تھی۔ چنانچہ اس خاتون کے پاس گئے اس نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور کہنے لگی کہ میں خود تو کچھ نہیں جانتی البتہ اتنا کر سکتی ہوں کہ کسی بڑے طبیب یا ڈاکٹر مثلاً بقراط، بوعلی سینا وغیرہ کی روح کو طلب کر لوں اور آپ اس سے مشورہ لے لیں۔ اس وقت ان کے ساتھ ایک ایسے صاحب بھی تھے جو پامسٹری میں دلچسپی رکھتے تھے، انہوں نے اصرار کیا کہ سب پہلے پامسٹری کے مشہور ماہر کیرو کی روح کو طلب کیا جائے۔ چونکہ وہ خاتون روح

کے تسلط سے بے ہوش ہو جاتی تھی اور اس کا جسم چور ہو جاتا تھا اس لیے اس نے کہا کہ وہ ایک دن میں صرف ایک ہی روح کو طلب کر سکتی ہے۔ فیصلہ یہی ہوا کہ اس روز کیرو کی روح کو بلایا جائے۔ اس کے بعد ہوا یہ کہ اس خاتون کے کہنے پر پروفیسر کے ساتھی نے اپنی ہتھیلی میز پر رکھ دی اور وہ خاتون بے ہوش ہو گئی۔ اس حالت میں اس کے منہ سے چھ سات منٹ تک ایک تقریر جاری رہی جس کی ابتدا یوں ہوئی:

''گڈ مارننگ ایوری باڈی! کیرو سپیکنگ''۔

"Good morning, everybody, Chariospeaking."

اور اس کے بعد ہاتھ کی تمام لکیروں پر سیر حاصل بحث کی۔ آخر میں کہا:

''گڈ مارننگ!''

اور پسینے میں ڈوبی ہوئی خاتون دوبارہ ہوش میں آ گئی۔

ان واقعات پر علم و عقل کی روشنی میں بحث ناممکن ہے۔ عقل انہیں کوئی اہمیت نہیں دیتی۔ لیکن یہ ایسے ٹھوس واقعات ہیں جو تخلیق آدم سے آج تک لاتعداد انسانوں کے مشاہدہ میں آ چکے ہیں۔ ان انسانوں میں اولیاء و انبیاء تک شامل ہیں اور ہم اس قیاس آرائی پر مجبور ہیں کہ کائنات میں کچھ ایسی خفیہ طاقتیں موجود ہیں جو انسانی دماغ کو اپنے بس میں کر لیتی ہیں۔ طاقتیں بری بھی اور اچھی بھی۔ بری کو طاقتوں کی اصطلاحاً جن یا شیطان کہا جاتا ہے اور اچھی کو فرشتہ۔ ایک رسول کی وحی بھی کچھ اسی طرح کی ہوتی ہے کہ ایک مقدس فرشتہ پیغمبر کے دماغ اور زبان کو اپنے بس میں کر لیتا ہے اور اس وقت اس کے منہ سے ایسے کلمات نکلتے ہیں جو پیغمبر کے اپنے نہیں ہوتے بلکہ اس فرشتے کے ہوتے ہیں۔ ہمارے حضور ﷺ کی وحی کے متعلق قرآن میں کچھ اسی قسم کی بات کہی گئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّهٗ لَقَوْلُ رَسُوْلٍ كَرِيْمٍ ۝ ذِىْ قُوَّةٍ عِنْدَ ذِى الْعَرْشِ مَكِيْنٍ ۝
مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِيْنٍ ۝ وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُوْنٍ ۝ وَلَقَدْ رَاٰهُ

بِالْاُفُقِ الْمُبِیْنِ o وَمَا ھُوَ عَلَی الْغَیْبِ بِضَنِیْنٍ o وَمَا ھُوَ بِقَوْلِ شَیْطٰنٍ الرَّجِیْمٍ o (التکویر ۲۰:۲۵)

ترجمہ: ''یہ قرآن ایک جلیل و بزرگ فرشتے کا کلام ہے، جو صاحبِ قوت ہے۔ رب العرش کے پاس مقیم ہے۔ آسمانوں میں اس کی اطاعت کی جاتی ہے۔ جو بے حد دیانت دار ہے۔ تمہارا نبی کسی جن کے زیر اثر یعنی مجنوں نہیں۔ تمہارے رسول نے اس بزرگ فرشتے کو ایک روشن افق پر دیکھا تھا یہ فرشتہ امورِ غیب کو بتانے میں بخل سے کام نہیں لیتا اور یہ قرآن کسی مردہ وشیطان کا کلام نہیں''۔

دماغ پر فرشتے کے اس شدید تسلّط کا سلسلہ وحی کے خاتمہ کے ساتھ ختم ہو چکا ہے اور تسلط جن کے واقعات اس قدر شاذ و نادر ہیں کہ قابل توجہ نہیں، البتہ خفیہ طاقتوں کے دوامی اور دھیمے تسلط کو ہم نظر انداز نہیں کر سکتے۔ ہمیں اپنے اردگرد دو قسم کے انسان نظر آتے ہیں۔ ایک وہ جو نیکی کی سیدھی راہ پر چل رہے ہیں، ان کے سینے سرور اطمینان سے لبریز ہیں اور ان کا دماغ خوف و اضطراب سے آزاد۔ ان کے ہر اقدام کا نتیجہ کامرانی و مسرت ہے۔ ان کے دماغ میں جو اسکیم یا منصوبہ آتا ہے وہ خود ان کے لیے اور دوسروں کے لیے منفعت بخش ہوتا ہے اور دوسری طرف ایسے لوگ بھی ہیں جن کا معمول جھوٹ، فریب، بددیانتی اور فتنہ انگیزی ہے اور ان کے دماغ میں جو تجویز یا اسکیم آتی ہے وہ خود ان کے لیے اور دوسروں کے لیے نقصان رساں ہوتی ہے۔ ان دونوں طبقوں کو دیکھ کر یہی نتیجہ اخذ کیا جا سکتا ہے کہ اول الذکر افراد کو کسی ایسی خفیہ روح کی رہنمائی حاصل ہے جو ان کے دماغ میں صرف نیک ارادے اور تجاویز ڈالتی ہے اور دوسرے طبقہ پر کوئی خبیث روح مسلط ہے جو اسے ہمیشہ بدکاری اور بداندیشی کی ترغیب دیتی ہے۔ پہلے طبقے سے لوگ محبت کرتے ہیں اور دوسرے سے نفرت۔ ان دونوں طبقوں کی اس دماغی کیفیت کے متعلق کچھ ارشادات قرآن حکیم میں بھی ملتے ہیں۔ مثلاً:

اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا تَتَنَزَّلُ عَلَیْھِمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ

اِلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا...... (حٰمٓ سجدہ: ۳۰)

ترجمہ: ''جو لوگ اللہ کو اپنا رب مان کر اس راہ پر عزم و استقلال سے چل پڑتے ہیں ہم ان پر فرشتے نازل کرتے ہیں جو انہیں یہ بشارت دیتے ہیں کہ خوش ہو جاؤ کہ اب خوف و خطر کی کوئی وجہ باقی نہیں رہی''۔

غور فرمایئے کہ شہد کی مکھی کس صناعی و چابک دستی سے چھتہ تیار کرتی اور اس میں شہد بھرتی ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ مکھی کو یہ فن کس نے سکھایا؟ قرآن کہتا ہے کہ وَاَوْحَیْنَا اِلَی النَّحْلِ کہ اللہ نے اسے بذریعہ وحی اس ہنر کی تعلیم دی۔ معلوم ہوتا ہے کہ سوچنا اور سوجھنا کسی خارجی خفیہ طاقت کے تصرف سے عمل میں آتا ہے۔ بدکاروں کے متعلق ارشاد ہوتا ہے:

اِسْتَحْوَذَ عَلَیْهِمُ الشَّیْطٰنُ فَاَنْسَاهُمْ ذِکْرَ اللّٰهِ.

(مجادلہ ۱۹)

ترجمہ: ''بدکاروں پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے جو انہیں اللہ سے بالکل غافل کر دیتا ہے''۔

اس سے واضح تر آیت یہ ہے:

وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا .اَوْلِیٰٓاءُ هُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَهُمْ مِنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ. (بقرہ ۲۵۷)

ترجمہ: ''سیہ کار لوگوں کی دوستی شیاطین سے ہو جاتی ہے جو انہیں نور کی دنیا سے نکال کر اندھیرے کی طرف لے جاتے ہیں''۔

یہ ''اندھیرے کی طرف لے جانے'' کی تاویل یہی ہے کہ شیاطین ان سیہ کاروں کے دماغ میں برے ارادے ڈالتے ہیں۔

ڈاکٹر ہٹی کا تجربہ

امریکہ کے مشہور پروفیسر ولیم جیمز اپنی کتاب ۔۔۔۔۔۔۔ میں ڈاکٹر ہٹی کا تجربہ

یوں بیان کرتے ہیں:

"میرا تجربہ یہ ہے کہ خدا پر بھروسہ رکھنے والا تمام خطرات سے محفوظ گزر جاتا ہے۔ عین ضرورت کے وقت کوئی شخص پردۂ غیب سے آکر معاون بن جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ جس طرف جانا خطرناک ہو، اس طرف خود بخود رکاوٹیں کھڑی ہو جاتی ہیں اور جو چیز مفید ہو، اس کی راہ سے تمام رکاوٹیں از خود ہٹ جاتی ہیں۔ عین وقت پر کوئی کام کرنے کی ہمت پیدا ہو جاتی ہے یا غیب سے ایسی تجویز دماغ میں آتی ہے جو مفید ہو۔۔۔۔ ایسے آدمی کو یقین ہوتا ہے کہ وقت آنے پر کام خود بخود ہو جائے گا"۔

عین وقت پر کوئی نئی تجویز سوجھ جانا، مقالہ یا نظم لکھتے وقت دماغ میں کوئی نیا نکتہ یا خیال آجانا، ایسے واقعات ہیں جو ہر صاحبِ قلم کو عموماً پیش آتے رہتے ہیں۔ یہ نئے خیالات کہاں سے آتے ہیں؟ اور انہیں دماغ میں کون ڈالتا ہے؟ ان سوالات کا جواب ایک ماہر نفسیات یہ دے گا کہ یہ سب کچھ دماغ کی کارستانی ہے اور ہمارے صوفیاء یہ کہیں گے کہ خیالات عقل کی تخلیق ہیں اور عقل پر ایک خفیہ طاقت ہر وقت مسلط رہتی ہے۔ اگر یہ طاقت اچھی ہو تو تخلیقاتِ عقل اچھی ہوں گی ورنہ بری۔ صوفیاء یہ بھی بتاتے ہیں کہ ایک آدمی کے دماغ پر شیطان اور فرشتہ بہ یک وقت اپنا اپنا اثر ڈالتے ہیں۔ فرشتہ اللہ کی طرف بلاتا ہے اور شیطان بدی کی ترغیب دیتا ہے۔ اثر اندازی کا یہ مقابلہ برسوں جاری رہتا ہے۔ اگر یہ آدمی اللہ کا ہو جائے تو شیطان مایوس ہو کر اسے چھوڑ جاتا ہے اور اگر یہ مائل بہ شر ہو جائے تو پھر فرشتہ رخصت ہو جاتا ہے۔

خدا

انیسویں صدی کے مغربی سائنس دانوں کا خیال یہ تھا کہ کائنات کے اس عظیم کارکے پیچھے کوئی دماغ کارفرما نہیں، بلکہ بجلی کے مثبت و منفی ذرات، جن سے یہ کائنات تعمیر ہوئی اتفاقاً پیدا ہو گئے تھے۔ ان گنت صدیوں کی تعمیر و تخریب کے بعد یہ مہ و انجم اور یہ کہسار چمن زار خود بخود وجود میں آگئے تھے۔ یہ موسموں کا تغیر و تبدل اور یہ نور ظلمت کا حیرت انگیز نظام، محض اتفاق ہے۔

بیسویں صدی میں جب سائنس نے کتاب کائنات کے چند اوراق الٹے اور فطرت کے ہر پہلو میں اسے کمال ہی کمال نظر آیا کہیں کوئی بدنظمی اور نقص دکھائی نہ دیا تو سائنس دان سوچنے لگے کہ تخلیق وتدوین کے یہ کرشمے اتفاقیہ نہیں ہو سکتے چنانچہ پروفیسر ولیم میکمر ایڈ نے کہا:

"Can any one seriously suggest that this directing and regulating power originated in chance of atoms? Can the stream rise higher than its fountain?"

ترجمہ: ''کیا کوئی شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ کائنات میں نظم وتوازن برقی ذرات کی اتفاقیہ ترکیب وآمیزش سے پیدا ہو گئی تھی؟ کیا کوئی چشمہ اپنے منبع سے اونچا جا سکتا ہے؟''

"The universe is ruled by mind, and whether it be the mind of a mathematician or of an artist or of a poet or all of them; it is the one reality which gives meaning to existence, wnriches our daily task, encourages our hope and energizes us with faith wherever knowledge fails."

ترجمہ: ''کائنات پر ایک دماغ حکومت کر رہا ہے، اس سے بحث نہیں کہ وہ دماغ ریاضی دان کا ہے یا آرٹسٹ یا شاعر یا سب کا۔ یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو ہماری حیات کو پُر معنی بناتی، کاروبار زندگی میں جان ڈالتی، امیدوں کو ابھارتی اور جہاں علم ناکام ہو جائے وہاں ہمارے ایمان کو مستحکم بناتی ہے''۔

اٹھارھویں صدی کا ایک صاحب نظر ڈرہم لکھتا ہے:

''آغاز سے اب تک جتنے انسان پیدا ہوئے، سب کے چہرے الگ

الگ تھے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ اگر سب کے چہرے یکساں ہوتے تو
قطعاً معلوم نہ ہو سکتا کہ باپ کون ہے اور بیٹا کون، افسر کون ہے اور ماتحت
کون، فلاں عورت کا شوہر کون ہے اور بھائی کون؟ ہر چیز کا ہر شخص مالک
بن بیٹھتا۔ چہروں کا یہ اختلاف بہت بڑی حکمت کا حامل ہے اور اس کا
انتظام کوئی ایسی ہستی کر رہی ہے جس کا دانش کا کوئی کنارہ نہیں"۔

جو خدا کائنات کے ہر شعبے کا انتظام کر رہا ہے، سیاروں کو ان کی معینہ گزرگاہوں پر چلا رہا ہے، سمندروں کا کروڑوں ٹن پانی ہوا کے کندھوں پر لاد کر ہماری کھیتیوں پر برسا رہا ہے۔ پھولوں کو رنگ و بو دے رہا ہے، وہ انسانی احوال و معاملات پر بھی یقیناً اثر انداز ہوگا۔ جس طرح مکھی کے انڈے سے آج تک مچھر پیدا نہیں ہوا اور آک کے ساتھ آج تک آم نہیں لگے۔ اسی طرح انسان کی طویل تاریخ میں بدکاری کا نتیجہ آج تک اچھا نہیں ہوا اور نہ نیکی کا انجام کبھی خراب رہا۔ ہر عمل کے ساتھ ایک نتیجہ بندھا ہوا ہے بلندی سے گرنے کا نتیجہ چوٹ، آگ میں ہاتھ ڈالنے کا جلن، سستی کا رسوائی، محنت کا سربلندی ہے۔ وقس علیٰ ہذا۔ ہم اعمال کے انتخاب میں تو آزاد ہیں لیکن نتائج بھگتنے پر مجبور ہیں۔ ہم ان نتائج کو کسی چال یا فریب سے نہیں ٹال سکتے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ نتائج کہاں سے آتے ہیں؟ انہیں اٹل کس نے بنایا؟ ازل سے اب تک یکسانیت کیوں ہے؟ جواب ایک ہی ہے کہ جو طاقت مچھر اور مکھی تک کی نگرانی کر رہی ہے، وہ انسانی اعمال و افعال سے غافل نہیں ہو سکتی۔ اس طاقت کے ساتھ تعلق قائم کرنے سے انسان عظیم بن جاتا ہے اور اس سے بچھڑ جائے تو حقیر و ذلیل رہ جاتا ہے۔

اللہ سے رابطہ

جس طرح انسانی تعلقات کے کئی درجے ہیں، مثلاً پہلے شناسائی، پھر دوستی، پھر گہری محبت اور آخر میں عشق، اسی طرح اللہ تعالیٰ سے تعلقات کے کئی مراحل ہیں۔ پہلے ترکِ گناہ، پھر بلند اعمالی، پھر شب بیداری اور آخر میں فنافی الذات، لیکن میں آپ کو اس کٹھن سفر میں بہت دور نہیں لے جانا چاہتا، صرف پہلی منزل ہی کی سیر کرانا چاہتا ہوں۔ اللہ سے رابطہ پیدا کرنے کی

بنیادی شرط یہ ہے کہ انسان گناہ کو چھوڑ دے۔ جھوٹ، فریب، فحش کاری، بددیانتی، بے رحمی، رعونت، لالچ اور دیگر رذائل کو ترک کرنے کے بعد دوسرا قدم یہ اٹھائے کہ اعمال و خیالات میں بلندی و پاکیزگی پیدا کر لے۔ اس اقدام کا فائدہ یہ ہوگا کہ دماغ خوف و خطر سے آزاد ہو جائے گا۔ نہ دنیا میں کسی محاسبے کا ڈر رہے گا اور نہ آخرت میں۔ نگاہ میں رجائیت گی یہ دنیا جو بدکاروں کے لیے آنسوؤں کی ایک وادی ہے حسین و جمیل نظر آنے لگے گی۔ حرص ناپید ہو جائے گی۔ دنیوی لذات حقیر معلوم ہونے لگیں گی۔ دنیائے دل بے نیازی سے معمور ہو جائے گی اور تسلیم و رضا کی نعمت مل جائے گی۔ اس کائنات پر ایک سرسری نظر ڈالنے کے بعد یہ حقیقت کھل جاتی ہے کہ اللہ جو کچھ کرتا ہے ہماری بہتری کے لیے کرتا ہے۔ اس کی گھٹائیں ہماری کھیتیوں کے لیے، اور ہوا میں رشتۂ حیات قائم رکھنے کے لیے ہیں۔ اس کے آفتاب ہمارے پھل پکا رہے ہیں۔ اس کے ماہتاب ہماری راتوں کو حسین و پرسکون بنا رہے ہیں۔ اس کی زمین ہمارا بسیرا، ہمارا ذخیرہ خانہ اور ہماری سیرگاہ ہے۔ اگر اللہ کی ہر تخلیق، اس کا ہر اقدام اور ہر فعل ہمارے فائدے کے لیے ہے تو کیا ہمارے لیے یہ بہتر نہیں کہ ہم اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دیں اور دکھ اور سکھ دونوں کو نعمت سمجھ کر قبول کر لیں۔ ہم آئے دن ریلوں، موٹروں اور کشتیوں میں سوار ہونے کے بعد اپنے آپ کو ملاحوں اور ڈرائیوروں کے رحم و کرم پر چھوڑ دیتے ہیں۔ خیال یہ ہوتا ہے کہ ملاح ہوشیار ہے، پرخطر مقامات سے آگاہ ہے، وہ ہماری کشتی کو ساحل تک بہ حفاظت پہنچا دے گا۔ یہ دنیا بھی ایک سمندر ہے جس میں زندگی کی نیا رواں ہے، ہمارا کھیون ہار اللہ ہے، وہ راہ کی چٹانوں سے واقف اور منزل سے شناسا ہے، اس پر بھروسہ کیجیے، اپنے آپ کو اس کے حوالے کر دیجیے، آپ پر کوئی زد نہیں پڑے گی اور اس تسلیم و رضا سے آپ کی زندگی مسرور، مطمئن اور سرمدی بن جائے گی۔

مارکس ایلیس کی یہ صدا کتنی روح افزا ہے:

> "اے رب! جو کچھ تجھے پسند ہے وہ مجھے بھی پسند ہے۔ تیرے ہر عمل میں مجھے بہتری نظر آتی ہے۔ تو جس چیز کے لیے جو وقت مقرر کرے وہ بالکل درست ہے۔ تیرے طمانچے مجھے ماں کی تھپک معلوم ہوتے ہیں۔

تمام اشیاء کا وجود تجھی سے ہے۔ تو ہی سب کا مبداء و منتہا ہے۔

اے رب! یہ حسین کائنات تیری بستی ہے!"

وجد و کیف

انسانی دماغ پر مختلف کیفیات طاری رہتی ہیں۔ کیفیت کی ایک قسم وہ ہے جو اچھا نغمہ سن کر پیدا ہوتی ہے۔ ایک وہ جو عمدہ شعر سے طاری ہوتی ہے، ایک وہ جو مشاہدۂ جمال و تماشائے حسن سے پیدا ہوتی ہے اور ایک وہ جو ذکرِ الٰہی سے جنم لیتی ہے۔ اس کیفیت کا رنگ ہی جداگانہ ہے۔ یہ تمام دیگر کیفیات سے عمیق اور دیرپا ہوتی ہے۔ ذکرِ الٰہی بظاہر اسمائے الٰہی کی تکرار ہے لیکن درحقیقت یہ روح کا سفر ہے، منبع نور و قوت کی طرف۔ یہی وہ سفر ہے جو روح میں بالیدگی و وسعت پیدا کرتا ہے۔ روح میں یقین و ایمان کی حرارت پیدا ہوتی ہے اور کائنات کے جسم میں ایک روحِ عظیم رواں دواں نظر آنے لگتی ہے۔ اس کے بعد پہاڑوں کے ان بلند و پست سلسلوں اور ستاروں کی بکھری ہوئی محفل میں چشمِ وجدان ایک ایسا رشتۂ وحدت دیکھ لیتی ہے جو زمان و مکان کی تمام تفریقات کو مٹا دیتا ہے۔ اس وجدان کے مقابلے میں عقل ایک نہایت ادنیٰ اور سطحی چیز ہے۔

فرانسس تھامپسن کیا خوب فرماتے ہیں:

"مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ ہمارے اردگرد ایک روحانی عالم بھی موجود ہے۔ جس طرح نفس میں ایک پست سطح ہوتی ہے، جسے تحت الشعور کہتے ہیں۔ اسی طرح ایک بلند تر سطح بھی ہے جو فلسفہ و خرد کے ادراک سے باہر ہے اور جسے روحانی عالم کہنا زیادہ موزوں ہوگا۔ ہماری روح کی طاقت کا سرچشمہ یہی عالم ہے اور اسی بلند سطح پر پہنچ کر ہمیں اپنی غیر معمولی طاقتوں کا احساس، اور اپنے لافانی ہونے کا یقین حاصل ہوتا ہے"۔

پروفیسر ولیم جیمز کیا پتے کی بات کہتے ہیں:

"میں یوں محسوس کرتا ہوں کہ اس دنیا سے پرے بھی ایک دنیا

ہے جس کی سرحدیں اس مادی دنیا سے ملی ہوئی ہیں۔ ہمارے بلند مقاصد وتحریکات وہیں سے آتی ہیں۔ ہماری زندگی اسی سے متاثر ہوتی ہے اور یہ تاثر ہمارے اعمال وافکار میں عظیم انقلاب پیدا کر دیتا ہے۔ مذاہب اس فوق الفطرت سرچشمہ قوت کو خدا کہتے ہیں۔ خدا ایک ایسی ہستی ہے جو ہمارے اعمال پر اثر انداز ہوتی ہے۔ اگر آسمانوں میں کوئی ایسا خدا بھی موجود ہے جو ہمارے شخصی معاملات سے بے نیاز ہے تو وہ بے کار محض ہے اور ہمیں اس کی قطعاً ضرورت نہیں''۔

تصریحات بالا کا ماحصل یہ ہے کہ خدا سے رابطہ قائم کرنے اور اپنے آپ کو اس کے سپرد کر دینے کے بعد دل میں آسمانی سکون پیدا ہو جاتا ہے۔ انسان کو اپنی غیر معمولی طاقتوں کا احساس ہونے لگتا ہے۔ بہارستان کائنات کی ہر روش پر کسی کے لطیف قدموں کی چاپ سنائی دیتی ہے۔ کثرت میں وحدت نظر آنے لگتی ہے اور کچھ خفیہ طاقتیں ہمارے پاکیزہ ارادوں کی تکمیل میں ہماری معاون بن جاتی ہیں۔ عقل شاید کسی منزل پر بھی میری تائید نہ کرے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر عقل وارداتِ دل سے ناآشنا ہے تو رازِ زندگی کو قطعاً نہیں پاسکتی۔ بقول اقبال۔

یہ عقل جو مہ و پرویں کا کھیلتی ہے شکار
شریک شورش پنہاں نہیں، تو کچھ بھی نہیں

یہ زندگی۔۔۔وہ زندگی

(چٹان۔۲۵ جنوری ۱۹۶۰ء)

وہ زندگی

قرآن حکیم کہتا ہے کہ انسان کی زندگیاں دو ہیں۔ایک یہ جو محض عارضی و فانی ہے اور دوسری وہ جو بعد از موت شروع ہو گی اور جس کا کوئی انجام نہیں۔ ہر زمانے میں انسانوں کا ایک طبقہ اس زندگی کا منکر رہا ہے۔خود مسلمانوں میں ایسے افراد کی کمی نہیں جو جنت و جہنم کے افسانوں کو ڈھکوسلا سمجھتے اور اسی زندگی کو سب کچھ قرار دیتے ہیں۔

اس زندگی کو کسی نے نہیں دیکھا اور جو لوگ وہاں پہنچ چکے ہیں ان سے ہمارا سلسلہ نامہ و پیام قائم نہیں۔پس یہ مسئلہ یا تو ان انبیاء سے پوچھا جا سکتا ہے جن کا تعلق براہِ راست اللہ سے قائم تھا یا ان اولیاء سے جن کی چشمِ وجدان عالم شہود کی سرحدوں سے پرے بھی دیکھ سکتی تھی اور یا ان ارباب علم سے جن کی زندگیاں ہی شہود و غیب کی چھان بین میں بسر ہوئیں۔

انبیاء و اولیاء کے اقوال یہاں پیش کرنے کی ضرورت نہیں کہ قارئین کی اکثریت اسلام سے تعلق رکھتی ہے، البتہ موجودہ حکماء کے چند اقوال پیش کرنا غیر مناسب نہیں۔

آرتھر فنڈ لے گلاسکو کی ایک سوسائٹی سائیکک ریسرچ (روح کے متعلق تحقیقات) کا وائس پریذیڈنٹ تھا۔یہ اپنی کتاب "On the Edge of the Etheric" کے صفحہ نمبر ۱۰ پر لکھتا ہے:

"We are spirits clothed in physical bodies and death only means a separation of this spirit from the physical covering. The etheric body (spirit) is the real and enduring body."

ترجمہ: ''ہم دراصل خاکی اجسام میں چھپی ہوئی ارواح ہیں۔موت ہمیں

اس مادی غلاف یعنی جسم سے الگ کر دے گی۔ یہ جسم لطیف (روح) ہی حقیقی اور مستقل چیز ہے"۔

ایک اور حکیم ڈاکٹر الیکسز Alexis کہتا ہے:

"Man overflows and is greater than the organism which he inhabits." (Invisible Helpers, p.70)

ترجمہ: "شرابِ زندگی جامِ خاکی کی ظرف سے زیادہ ہے اور اسی لیے باہر چھلک رہی ہے"۔

میرے پاس ایسے اقوال کا ایک انبار موجود ہے۔ مغرب کے بیشتر پروفیسر، سائنس دان اور فلاسفر اس حقیقت پر ایمان رکھتے ہیں کہ حقیقی انسان جسم کے اندر رہتا ہے، اور وہ غیر فانی ہے۔

جسمِ خاکی

جسم خاکی کی عمر اوسطاً ساٹھ ستر برس سے زیادہ نہیں ہوتی اور جسم لطیف ابدی و سرمدی ہے۔ دونوں اجسام کے تقاضے الگ الگ ہیں۔ جسم خاکی کی زندگی غذا سے وابستہ ہے اور جسم لطیف کی تسلیم و عبادت سے۔ غذا کے بغیر جسم خاکی مر جاتا ہے اور نیکی و طاعت کے بغیر جسم لطیف۔ حیرت ہے کہ انسان اس چند سالہ زندگی کے تقاضوں کو تو ہر طریقے سے پورا کرتا ہے، کہیں محنت سے، کہیں لوٹ مار سے، کہیں انصاف بیچ کر اور کہیں ایمان دے کر، لیکن داخلی انسان کی خبر تک نہیں پوچھتا۔

منصوبہ بندی

اپنے اردگرد نظر ڈالیے۔ یہ بازاروں میں چہل پہل، دفتروں میں ہماہمی، تانگوں، سائیکلوں اور موٹروں کی دوڑ بھاگ، کسان کا ہل، مزدور کا کدال، منشی کا قلم، طالب علم کی کتاب، یہ

سب کیا ہیں؟ جسمانی ضروریات بہم پہنچانے کے وسائل، دولت فراہم کرنے کے لیے ہر انسان کا قدم اس تیزی سے اٹھ رہا ہے، گویا کتے اس کا پیچھا کر رہے ہیں۔ اس راہ میں نہ وہ کسی رکاوٹ کی پروا کرتا ہے اور نہ کسی مصیبت کو خاطر میں لاتا ہے۔ آج کراچی میں ہے تو کل لندن اور پرسوں واشنگٹن میں۔ سفر عین راحت اور کلفت عین مسرت۔ اگر کسی چیز میں دو سال بعد چار آنے کا فائدہ دیکھے تو اسے آج خرید کر گوداموں میں بھر لیتا ہے۔ اگر دس سال بعد مالٹوں کی فروخت سے اسے دو چار سو روپے وصول ہو سکتے ہوں تو ان کے پودے آج لگا کر دس سال تک انہیں کھاد اور پانی دیتا ہے۔ جس بچے نے سولہ برس بعد ایم۔ اے کر کے نوکری کرنا ہوا سے سو سال تک درس گاہوں میں بھیجتا اور اس کے مصارف برداشت کرتا ہے۔ عارضی جسم کی عارضی ضروریات کے لیے تو ہماری دوڑ دھوپ کا یہ عالم ہے۔ لیکن جس جسم نے ان گنت صدیوں تک زندہ رہنا ہے۔ اس کی پرواہی نہیں کی جاتی۔ آخر منصوبہ بندی کی یہ کون سی قسم ہے؟ کیا شب و روز کو چوبیس گھنٹوں میں سے روح کی نشو و نما کے لیے آپ ایک گھنٹہ بھی نہیں نکال سکتے۔ کیا روح کی زندگی سے آپ کو اتنی چڑ ہے؟ کیا آپ کو جنت کی بہاروں سے اتنی نفرت ہے؟

نیکی و بدی

دنیوی منصوبہ بندی کے لیے دو چیزیں بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔ صحیح تجویز اور جسمانی صحت، تجاویز غلط ہوں تو نتائج کبھی صحیح نہیں نکل سکتے۔ جسمانی صحت جواب دے جائے تو انسان چارپائی کا بوجھ بن کر رہ جاتا ہے۔ تجاویز عالم بالا سے آتی ہیں اور وہاں دو قسم کی طاقتیں رہتی ہیں۔

نیک یعنی ملائکہ

اور

بد یعنی شیطان،

یہ دونوں طاقتیں دماغ میں مسلسل تجاویز ڈالتی رہتی ہیں۔ جب کسی انسان کا تعلق ملائکہ سے کٹ جائے تو اس پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور پھر اس کی ہر تجویز کا انجام تباہ کن ہوتا ہے۔ ایسا آدمی ایسی بس پر سوار ہوتا ہے جس نے آگے چل کر کسی کھڈ میں گرنا ہو۔ اللہ کے نیک

بندوں کو ایسے حوادث سے دوچار نہیں ہونا پڑتا۔ ملائکہ ان کے دماغ میں صحیح تجاویز ڈالتے ہیں:

لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَ مِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ.

(رعد:۱۱)

ترجمہ: ''ہم نے انسان کے آگے اور پیچھے محافظ مقرر کر رکھے ہیں جو اسے ہمارا اشارہ پاکر ہر مصیبت سے بچاتے ہیں''۔

اور گنہگار سے یہ محافظ چھین لیے جاتے ہیں۔

سانحہ

پادری لیڈ بیٹر یورپ کے بہت بڑے صوفیاء میں سے تھے۔ ان کی روحانی طاقت کا یہ عالم تھا کہ بہ یک وقت لنڈن اور جاپان میں ہوتے تھے اور تیسری آنکھ سے جسم لطیف کو دیکھ سکتے تھے۔ یہ ایک کتاب میں لکھتے ہیں کہ میں نے ایک مزدور کے جسم لطیف کو دیکھا تو وہ ناسوروں سے بھرا ہوا نظر آیا۔ اسے پاس بلا کر اس کے جسم خاکی کا معائنہ کیا تو وہاں بھی تین ناسور نظر آئے۔ میں نے اسے اپنے پاس رکھ لیا۔ ہر روز اس سے عبادت اور زبور مقدس کی تلاوت کراتا تھا۔ اندازاً دو ماہ کے بعد اسے مکمل شفا ہوگئی، میں نے اس کے جسم لطیف پر نظر ڈالی تو وہ بھی صحت پا چکا تھا۔ اس واقعہ اور بعد کے لاتعداد تجربات سے لیڈ بیٹر اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ بیماری پہلے جسم لطیف کو لگتی اور وہاں سے جسم خاکی میں منتقل ہوتی ہے اور یہ امراض گناہ (بدزبانی، بدکاری، بداندیشی وغیرہ) سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسمائے الٰہیہ اور آیات میں یہ طاقت موجود ہے کہ گناہ کے اثرات کو زائل کر دیں۔ اس لیے اگر کوئی شخص گناہوں کی وجہ سے مبتلائے امراض ہے تو وہ تین کام کرے:

اول: گناہ سے توبہ

دوم: عبادت، ورد، تلاوت

سوم: زبان، قلم، ہاتھ اور مال سے انسانی خدمت

مرض لازماً دور ہو جائے گا۔

موجودہ صوفیائے مغرب سالہا سال کی تحقیق کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ جسم لطیف ایک سانچہ ہے جس میں جسم خاکی ڈھلتا ہے۔ اگر سانچہ ٹیڑھا یا بدنما ہو تو ڈھلی ہوئی چیز کا بدنما ہونا یقینی ہے۔ گناہ سے جسم لطیف بدنما اور طاعت و عبادت سے حسین و دلکش بن جاتا ہے۔ بدکاروں کے اجسام لطیفہ مرجھا جاتے ہیں اور ساتھ ہی ان کے چہروں پر خشکی، یبوست اور نحوست ناچنے لگتی ہے۔ آپ روزانہ ایسے چہرے دیکھتے ہوں گے، جن کی ہڈیاں ٹیڑھی، تناسب مفقود، رونق گم اور بحیثیت مجموعی بدنما و نفرت انگیز۔

امریکہ کا ایک ڈاکٹر کہتا ہے:

"The mind is the natural protector of the body. Vice of all sorts produces leprosy and other diseases in the soul which reproduces them in the body. Anger changes the chemical porperties of the saliva to a poison dangerous to life... On the other hand love, goodwill, benevolence and kindliness tend to stimulate healthy, purifying and life-giving flow of bodily secretions which counteract the diseases-giving effects of the vices." (In The with the Infinite-by R. W. Trine, p. 39)

ترجمہ: ''دماغ جسم کا فطری محافظ ہے۔ گناہ کسی قسم کا بھی ہو، جس لطیف (روح) میں مختلف امراض پیدا کرتا ہے اور وہاں سے یہ بیماریاں جسم میں منتقل ہو جاتی ہیں۔ غصہ سے تھوک میں ایسی کیمیائی تبدیلی آتی ہے کہ وہ خطرناک زہر میں بدل جاتی ہے۔ دوسری طرف محبت نیک دلی، فیاضی اور مہربانی سے جسم میں ایسی رطوبتیں پیدا ہوتی ہیں جو گناہ کے امراض آفریں اثرات کو دور کر دیتی ہیں''۔

حضرت مسیحؑ اور مریض

آپ جانتے ہیں کہ حضرت مسیح علیہ السلام زبردست روحانی طاقت کے مالک تھے۔ آپ مادرزاد اندھوں، بہروں اور برسوں کے کوڑھیوں اور فالج زدہ انسانوں کو صرف چھو کر اچھا کر دیتے تھے۔ جب کوئی مریض آپ کے پاس جاتا تو پوچھتے:

Do you believe?

ترجمہ: کیا تم اللہ پر ایمان رکھتے ہو؟

اور پھر اسے اچھا کرنے کے بعد ہدایت دیتے:

go and sin no more

ترجمہ: جاؤ اور آئندہ گناہ نہ کرو۔

آپ کا ایک اور ارشاد ہے:

"My words are life to them that find them and health to all their flesh."

ترجمہ: میرا کلام ماننے والوں کے لیے زندگی اور ان کے اجسام کے لیے صحت ہے۔

یورپ کے ایک فلاسفر کا قول ہے:

"Suffering is designed to continue so long as sin continues. The moment the violation ceases, the cause of suffering is gone."

ترجمہ: ''دکھ اسی وقت تک باقی رہتا ہے جب تک کہ گناہ باقی رہے۔ گناہ چھوڑتے ہی دکھ دور ہو جاتا ہے۔ کیونکہ دُکھ کا سبب باقی نہیں رہتا''۔

کائنات سے ہم آہنگی

کائنات پر ذرا نظر ڈالیے، آپ کو ہر چیز پیکرِ تسلیم نظر آئے گی۔ کروڑوں آفتاب و ماہتاب نہایت باقاعدگی سے ان راہوں پہ چل رہے ہیں جو اللہ نے ان کے لیے تجویز کی ہیں۔ پھولوں کے قافلے معیّن اوقات پر آجارہے ہیں۔ نحل ازل سے شہد بنارہی ہے اور پانی ابتدا سے نشیب کی طرف جارہا ہے۔ کائنات کا یہ حسن تسلیم کے دم سے قائم ہے۔ اگر آج یہ سیارے باغی ہو جائیں تو فضاؤں میں آگ بھڑک اٹھے اور کوئی چیز باقی نہ رہے۔

اس کائنات میں صرف ایک مخلوق ایسی ہے جسے یہ اختیار ہے کہ چاہے تو اللہ کی مجوزہ راہ پر چل کر جمیل و جلیل بنے، یا اسے چھوڑ کر خوار و ذلیل ہو جائے۔ کائنات کی ہر چیز جادۂ تسلیم پر طوعاً و کرہاً رواں دواں ہے۔ انسان بھی جب اس راہ پر چل پڑتا ہے تو وہ قافلہ موجودات کا ہم قدم بن جاتا ہے۔ اس کے بعد میں کوہساروں کا جلال سمندروں کی ہیبت اور بہاروں کا جمال پیدا ہو جاتا ہے۔

وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَ قَبْلَ غُرُوْبِهَا وَ مِنْ اٰنَاۤءِ الَّيْلِ فَسَبِّحْ وَ اَطْرَافَ النَّهَارِ لَعَلَّكَ تَرْضٰىO

(طٰهٰ:۱۳۰)

ترجمہ: ''طلوع آفتاب سے پہلے غروب کے بعد، دورانِ شب اور دن کے دونوں کناروں پر اللہ کو یاد کیا کرو تا کہ تمہیں مسرت حاصل ہو''۔

وَمَاۤ اُوْتِيْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَمَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتُهَا وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ وَّ اَبْقٰىO (النحل ۱۶:۱۳۰)

ترجمہ: ''یہ مال و اسباب متاعِ و زینتِ دنیا ہے اور جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہتر اور پائیدار ہے''۔

وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ. (العنکبوت ۲۹:۶۴)

ترجمہ: ''اگلی زندگی ہی اصلی زندگی ہے''۔

وَمَا اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ (البقرہ)

ترجمہ: ''تمہاری ہر مصیبت تمہارے ہی اعمال کا نتیجہ ہے''۔

وَلِلّٰهِ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى فَادْعُوْهُ بِهَا. (اعراف:۱۸۰)

ترجمہ: ''اللہ کے نام بڑے خوبصورت ہیں، اسے انہی ناموں سے بلاؤ''۔

فَاَمَّا مَنْ تَابَ وَ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَعَسٰۤى اَنْ يَّكُوْنَ مِنَ الْمُفْلِحِيْنَ٥ (القصص ۲۸:۶۷)

ترجمہ: ''ایک تائب ایماندار اور صالح العمل انسان کامیاب رہے گا''۔

.... لَاٰيٰتٍ لِّاُولِى الْاَلْبَابِ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ..... (ال عمران ۳:۱۸۹، ۱۹۰)

ترجمہ: ''میں اہل دانش کے لیے آیات ہیں اور اہل دانش وہ ہیں جو اللہ کو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹے یاد کرتے ہیں۔۔۔۔''

گناہ کی صورتیں

الہامی صحائف سے معلوم ہوتا ہے کہ گناہ مندرجہ ذیل اشکال میں نمودار ہوتا ہے:

۱۔ مرض

۲۔ غم، بے چینی، حوادث

۳۔ افلاس

۴۔ ناکامی

۵۔ ذلت ورسوائی

۶۔ بے رونق، یبوست زدہ اور بگڑا ہوا چہرہ

۷۔ نفرت انگیز پرسنلٹی

۸۔ اقرباواحباب سے بگاڑ

۹۔ غلط تجاویز وغلط اقدامات

۱۰۔ ملائکہ کی امداد سے محرومی

اور

۱۱۔ بالآخر جہنم

نیکی کی صورتیں

نیکی مندرجہ ذیل صورتیں اختیار کرتی ہے:

۱۔ اطمینانِ قلب

۲۔ صحت

۳۔ فراخیٔ رزق

۴۔ ہر اقدام میں کامیابی

۵۔ معاشرہ میں سچی عزت

۶۔ احباب واقارب سے پیار

۷۔ عالمِ بالا سے صحیح تجاویز کا القاء

۸۔ ملائکہ کی امداد

۹۔ دل کش اور دل نواز شخصیت

۱۰۔ ہر جائز دُعا قبول

اور

۱۱۔ موت کے بعد انبیاء واولیاء اور فلاسفہ وحکماء کی رفاقت

اب خود ہی فیصلہ کیجیے کہ آپ نے کیا لینا اور کدھر جانا ہے۔

وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُکَفِّرَنَّ عَنْھُمْ سَیِّاٰتِھِمْ وَ

لَنَجْزِيَنَّهُمْ اَحْسَنَ الَّذِىْ كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ط (العنکبوت۷:۶)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لانے کے بعد پاکیزہ، نیک اور عمدہ کام کریں گے ہم ان کے دُکھ یقیناً دور کریں گے اور انہیں بہترین اجر دیں گے''۔

یہ ہے اللہ کا وعدہ جو کبھی غلط نہیں ہو سکتا:

اِنَّ وَعْدَ اللّٰهِ حَقٌّ

اللہ کا وعدہ سچا ہوتا ہے

جلال و جمال

(''چٹان'' ۲۲۔فروری ۱۹۶۰ء)

پچھلے دنوں ''چٹان'' میں میرے دو مضامین شائع ہوئے تھے:

''میری زندگی کا ایک عظیم واقعہ''

اور

''یہ زندگی ۔۔۔۔ وہ زندگی''۔

اس پر ملک کی مختلف اطراف سے مجھے بڑی تعداد میں خطوط موصول ہوئے۔ ان میں سے تین خط ایسے ہیں جن کا موضوع یہ ہے:

''اللہ کی شان، جو برق سیف وسنان کی طرف دعوت دیا کرتا تھا۔ وہ آج عجمی، فلاطونی اور مردہ تصوّف کی تبلیغ کر رہا ہے۔ قوم کو گوسفند بنا رہا ہے اور ملت کو اوراد و وظائف کی افیون کھلا رہا ہے۔۔۔۔''

اور اس سلسلے میں بعض حضرات نے اقبال کے چند اشعار ''۔۔۔۔۔۔ خاک کی آغوش میں تسبیح و مناجات'' وغیرہ بھی درج فرمائے۔

جلال اور جمال

سو گزارش یہ ہے کہ قرآن اپنے پیروؤں میں دو صفات پیدا کرنا چاہتا ہے۔

جلال اور جمال۔

جلال نام ہے علمی بلندی اور ایسی مہیب عسکری قوت کا، کہ ہمارا نام سن کر مہینوں کی مسافت پہ ہمارے اعدا لرزنے لگیں۔ یہ مقام حضور ﷺ کو حاصل تھا۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے:

نُصِرْتُ بِالرُّعْبِ مَسِيرَةَ شَهْرٍ. (حدیث)

ترجمہ: ''ایک مہینے کی مسافت پر رہنے والا دشمن بھی میری ہیبت سے کانپ اٹھتا ہے''۔

وَاَعِدُّوْا لَهُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّةٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَيْلِ تُرْهِبُوْنَ بِهٖ عَدُوَّ اللّٰهِ وَ عَدُوَّكُمْ. (الانفال:٦٠)

ترجمہ: ''تم قوت و ہیبت کے وہ وسائل فراہم کرو، تمہارے تھانوں پہ گھوڑے اس ٹھاٹھ سے بندھے ہوں کہ خدا و اسلام کے دشمن تمہارا نام سن کر غش کھا جائیں''۔

یہ قوت و ہیبت، فولاد، تیل، کوئلہ، نیز اتحاد و تنظیم میں نہاں ہے۔ قوت کے یہ وسائل فراہم کرنا حکومت کا کام ہے۔

رہا جمال۔ تو اس کا تعلق دل سے ہے۔ بعض دل ایسے ہوتے ہیں جن میں لالچ، بغض، بخل، نفرت، خود غرضی اور ہوس کی ظلمتوں کے سوا کچھ بھی نہیں ہوتا۔ ان کی تمام دوڑ دھوپ چند پست اغراض کے لیے ہوتی ہے اور بس۔

دوسری طرف کچھ ایسے سینے بھی ہیں جن میں محبت، فیاضی، پاکیزگی اور گداز کی شمعیں جل رہی ہوتی ہیں۔ ان کی جبینوں سے عبادت کا نور نکل رہا ہوتا ہے۔ یہ لوگ مشیت ایزدی کے

سانچے میں ڈھل کر جادۂ تسلیم و رضا پہ کچھ اس انداز سے رواں ہوتے ہیں:

یَسْعٰی نُوْرُهُمْ بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ. (حدید: ۱۲)

ترجمہ: ''ان کے سامنے امواجِ نور رقصاں ہوتی ہیں''۔

قرآن اسی نور کی طرف بلاتا ہے۔

كِتَابٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ.

(ابراهیم: ۱)

ترجمہ: ''اے رسولؐ! ہم نے یہ کتاب تم پر اس لیے نازل کی ہے کہ تم لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لے جاؤ''۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ.

(بقرہ: ۲۵۷)

ترجمہ: ''اللہ اہلِ ایمان کا دوست ہے، انہیں تاریکیوں سے روشنی کی طرف بلاتا ہے''۔

مسلم و غیر مسلم میں بنیادی فرق یہی ہے کہ غیر مسلم کی نظر صرف مادّی دنیا پہ ہوتی ہے۔ یہ دنیائے دل سے ناواقف، لذتِ نیاز و گداز سے ناآشنا اور دوامِ حیات کا منکر ہوتا ہے۔ (کچھ مستثنیات بھی ہیں) لیکن ایک مسلم آخرت پر ایمان رکھتا ہے۔ اسے یقین ہوتا ہے کہ یہ زندگی اگلی لامتناہی زندگی کی ایک چھوٹی سی کسر ہے۔ اس کی نظر دونوں زندگیوں پر ہوتی ہے۔ یہ مادّی زندگی کو شان سے گزارنے کے لیے قوت و ہیبت کے وسائل فراہم کرتا ہے اور اگلی زندگی میں چمک پیدا کرنے کے لیے سینے میں گداز و محبت کی قندیلیں جلاتا ہے۔ یہ نہ تو مادّی ہے اور نہ بالکل روحانی، بلکہ ان دونوں کا حسین امتزاج ہے۔ یہ روح و جسم ہر دو کے تقاضوں پر نظر رکھتا ہے۔ اس کے ہاں اصل چیز داخلی انسان یعنی روح ہے اور یہ کوئی ایسا قدم نہیں اٹھاتا جس سے روح کو چوٹ لگے۔

ذکرِ خدا

پادری لیڈ بیٹر اپنی کتاب "Masters and the Path" کے صفحہ نمبر ۳۶ پر لکھتے ہیں:

''ہمارا ہر لفظ اثیر میں ایک خاص شکل (پھول، موتی، بچھو، انگارہ، سانپ، پھوڑا وغیرہ) اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً لفظ ''نفرت'' سے ایک ایسی خوفناک اور مکروہ صورت تیار ہوتی ہے کہ ایک مرتبہ میں نے یہ چیز دیکھ لی اور اس کے بعد اس لفظ کو کبھی استعمال نہیں کیا۔ بعض الفاظ سے اثیر میں نہایت حسین اشیا تیار ہوتی ہیں اور ایسے الفاظ کی تکرار (ورد) مفید ہے۔ صرف خیال سے بھی اثیر میں یہ صُوَر تعمیر ہوتی ہیں''۔

اگر اللہ نے کم از کم سو مرتبہ قرآن میں یہ حکم دیا ہے کہ:

یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِیْرًا وَّ سَبِّحُوْهُ بُكْرَةً وَّ اَصِیْلًا۔ (احزاب: ۴۲)

ترجمہ: ''اے ایمان والو! اللہ کو بہت یاد کرو اور صبح و شام اس کی حمد و ثنا کے گیت گاؤ''۔

تسبیح:

وَلَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ

ترجمہ: ''ذکرِ خدا بہت بڑی چیز ہے''۔

تو اس میں اللہ کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ ہمارا کفر اللہ سے نہ اس کا تخت چھین سکتا ہے نہ تاروں کی شمعیں بجھا سکتا ہے اور نہ حیات و نور کی امواج کو روک سکتا ہے۔ یہ ہمارے ہی فائدے کے لیے ہے، اس سے ہم میں جمال، لچک اور لطافت پیدا ہوتی ہے۔ دکھ درد دور ہوتے ہیں۔ ہستی میں جاذبیت آتی ہے اور وہ ذاتِ برتر ہماری دوست، مددگار، وکیل، کفیل اور محافظ بن جاتی ہے۔

آپ کو یہاں سے جانے کے بعد ہمیشہ کے لیے اثیر میں رہنا ہوگا۔ کیا آپ نہیں چاہتے کہ وہاں آپ کو رہنے کے لیے محل، سیر کے لیے گلشن، کھانے کے لیے شہد و ثمر اور پینے کے لیے آبِ حیواں ملے۔ تو یاد رکھیے کہ تمام اشیا پاکیزہ اقوال و اعمال ہی سے تیار ہو سکتی ہیں۔

الفاظ کی طاقت

ہر لفظ توانائی کا ایک خزانہ ہے۔ اندھیری رات میں کسی مظلوم کی پکار ہزاروں دلوں کو ہلا دیتی ہے۔ ایک بیمار کی کراہ روح کو چیر کر نکل جاتی ہے۔ کسی آتش بیاں کی تقریر، اورنگ جہانبانی کو الٹ سکتی ہے۔

یورپ کے ایک غیب بیں نے حروفِ تہجی کو ''تیسری آنکھ'' سے دیکھا، تو اسے مختلف حروف سے مختلف رنگ کی شعاعیں نکلتی دکھائی دیں اور جب الہامی صحائف کے حروف کو دیکھا تو ان شعاعوں کا دائرہ وسیع تر پایا اور وہ اس نتیجہ پہ پہنچا کہ الہامی الفاظ توانائی کے زبردست یونٹ (highly energised) ہیں جن سے جسم خاکی کے امراض تک کو دور کیا جا سکتا ہے۔

قرآن کی اصطلاح میں بیماری اور دکھ (غم، مرض، افلاس وغیرہ) دونوں کو ''سیئہ'' کہتے ہیں، جمع ہے ''سیئات'' قرآن میں اس مضمون کی سینکڑوں آیات موجود ہیں کہ جب کوئی آدمی راہِ راست پہ آ جاتا ہے تو ہم اس کی ''سیئات'' (دکھ، غم، مرض وغیرہ) دور کر دیتے ہیں۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَنُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ.

(العنکبوت :۷)

ترجمہ: ''جو لوگ ایمان لانے کے بعد پاکیزہ اعمال بن جاتے ہیں ہم ان کے تمام دکھ دور کر دیتے ہیں''۔

پاکیزہ اعمال میں ذکرِ الٰہی کو بڑا مقام حاصل ہے اور ذکر کیا ہے؟ چند طاقت سے لبریز الفاظ و اسماء کی تکرار۔

لفظ کی طاقت کا اس سے بہتر مظاہرہ کیا ہو سکتا ہے کہ خدا نے کہا:

''آجاؤ''!

اور کائنات فوراً سامنے آ گئی۔

"By the word of Lord were the heavens made."

ترجمہ: ''یہ آسمان خدا کے ایک لفظ سے تعمیر ہوئے تھے''۔

"God said, Let there be light and there was light.'

ترجمہ: ''خدا نے کہا'' اُجالا ہو جائے''۔ اور اُجالا ہو گیا۔

"My words are life to them that find and health to all their flesh."

ترجمہ: ''میرے الفاظ میرے ماننے والوں کے لیے زندگی اور ان کے اجسام کے لیے صحت ہیں''۔

جمال اور اقبالؔ

اقبالؔ کے متعلق یہ تصور کہ وہ تسبیح و مناجات کا مخالف تھا غلط ہے، وہ بے شک اس تصوف کا دشمن تھا جو ترکِ دنیا کا سبق دے۔ لیکن اس تصوف کو جو نیاز و گداز کا مترادف ہے اپنا مسلک سمجھتا تھا۔

عشق مختلف صورتوں میں ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی سوزِ رومی اور کبھی ذوالفقارِ حیدری کی صورت میں وہ جمال ہے اور یہ جلال۔

کبھی تنہائی کوہ و دمن عشق
کبھی سوز و سرور و انجمن عشق
کبھی سرمایۂ محراب و منبر
کبھی مولا علیؓ خیبر شکن عشق

فقر و سلطنت ایک ہی حقیقت کے دو رخ ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ۔

یہ سپہ کی تیغ بازی، وہ نگہ کی تیغ بازی

رومی وعطار کی عظمت کا راز کیا تھا؟

علم؟

ہر گز نہیں!

آج علم کی حدود چاند تک پھیلی ہوئی ہیں۔آج لوہا ہوا میں اڑ رہا ہے۔آج انسان نے مہیب سمندروں اور نیلگوں فضاؤں کو روند کر رکھ دیا ہے، لیکن ساری کائنات میں کوئی رومی، کوئی جنید اور کوئی عطار نظر نہیں آتا۔

کیا غضب ہے کہ اس زمانے میں
ایک بھی صاحبِ سرور نہیں

سرور آئے کہاں سے؟

یہ چیز پیدا ہوتی ہے نالۂ نیم شب کے نیاز، خلوت کے گداز، دیدہ تر کی بے خوابیوں اور دل کی پوشیدہ بے تابیوں سے اور آج کے اہل علم ان لذتوں سے نا آشنا ہیں۔

یہ درست کہ بہاروں میں بڑی مستی ہے۔جھومتی ہوئی گھٹاؤں، طلوع وغروبِ آفتاب اور کوہساروں میں آبشاروں کا ترنم از بس وجد آور ہے لیکن جو مستی ذکر وفکر سے حاصل ہوتی ہے۔ اس میں اس قدر وسعت وگہرائی ہے کہ اس کے سامنے کائنات کی تمام لذتیں ہیچ نظر آتی ہیں۔ جب انسانِ حقیر، ربِّ عظیم کے تصور میں کھو جاتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ قطرہ سمندر میں جذب ہو کر بے کراں بن رہا ہے۔دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ روح بلند ہو رہی ہے اور حدودِ زمان ومکاں سے ابھر کر دور جا رہی ہے۔روح کی بالیدگی، وسعت، حرکت اور اس کا سفر، ذکر کی بدولت ہے۔

خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس گداز کو پالیں کہ ابن آدم کا جمال یہی ہے۔

حدیثِ دل کسی درویش بے کلاہ سے پوچھ
خدا کرے تجھے تیرے مقام سے آگاہ

یورپ کے مشہور فاضل ایمرسن کا قول ہے:

''اللہ کے دائرے میں آتے ہی انسانی ہستی میں بے پناہ وسعت وپہنائی

آجاتی ہے"۔

مغرب کے ایک فلسفی آر۔ ڈبلیو۔ ٹرائن کہتے ہیں:

"Open your heart and mind to the Divine inflow, put yourself in the receptive attitude, then you will feel a quiet, peaceful, illumining power that will harmonize your soul and body. Carry this realization with you, live in it working, walking, sleeping and thinking. The spirit of infinite Love will guide, and lead you. This is a new birth." (In Tune with the Infinite, p.210)

ترجمہ: "دل و دماغ کے دروازے کھول دو۔ خدائی فیوض کو اندر آنے دو۔ اس سے بھیک مانگنے اور لینے کا انداز اختیار کرو۔ اس کے بعد تمہیں ایک خاموش، پرسکون اور نورانی طاقت کا احساس ہوگا۔ یہ طاقت تمہارے جسم و روح کو ہم آہنگ بنا دے گی۔ اس احساس کو ساتھ رکھو اور کام کرتے، چلتے، جاگتے، سوتے اور سوچتے اس سے فیض حاصل کرو۔ مجسم محبت (خدا کی روح) تمہاری حفاظت و رہنمائی کرے گی اور یہ ہوگا کہ نیا جنم"۔

نُورِ عبادت

رات کو کسی مکان کے روشن دانوں پہ نظر ڈالیے، روشنی شیشوں سے چھن چھن کر باہر آ رہی ہوگی۔ خیال آتا ہے کہ کہیں یہ آفتاب و ماہتاب، ایوان الوھیت کے روشن دان نہ ہوں؟

قرآن حکیم کچھ اسی طرح کی بات کہتا ہے:

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ اَلْمِصْبَاحُ فِيْ زُجَاجَةٍ ؕ (نور: ۳۵)

ترجمہ: ''اللہ زمین و آسمان کا نور ہے، یہ نور اس چراغ کی طرح ہے جو کسی چراغ دان میں جل رہا ہو اور اس کے گرد شیشہ ہو۔۔۔۔۔''

اللہ کائنات میں کہیں نظر نہیں آتا لیکن اس ''چراغ'' کا نور ہر روزن سے نکل کر دنیا کو منور کر رہا ہے۔ اگر میں غلط نہیں سمجھا تو انسان کا روشن دان اس کا چہرہ ہے۔ جب اللہ دل میں گھر بنا لیتا ہے تو اس کا نور اسی روشن دان سے چھن چھن کر باہر نکلتا ہے ورا گر دل میں اللہ کی جگہ شیطان بس جائے تو چہرے سے خشونت، یبوست، نحوست آنکھوں سے شیطنت ٹپکنے لگتی ہے۔ انسانی چہروں پہ نگاہ ڈالیے، سو میں سے بچانوے ایسے ہیں جن کے خدو خال بگڑ چکے ہیں، پیشانیاں پچکی ہوئیں، ہڈیاں ٹیڑھی، تناسب مفقود، آنکھیں بے نور اور چمک غائب۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے سینوں کے چراغ بجھ چکے ہیں اور اسی لیے ان کے ''روشن دان'' تاریک ہیں۔

شاید کوئی یہ کہے کہ

بے نور چہروں کا سبب افلاس ہے۔

یہ بات نہیں؟

افلاس خدائی نور کو نہیں ڈھانپ سکتا۔ ہمارے حضور پر نور ﷺ پر سات سات دن کے فاقے آتے تھے۔ صحابہ کرامؓ کی اکثریت فاقے پہ فاقے کاٹتی تھے اور کچھ ملتا بھی تھا تو جو کی روٹی یا کھجوریں۔ بایں ہمہ چہروں کے نور کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ کو بھی کہنا پڑا:

سِيمَاهُمْ فِي وُجُوهِهِم مِّنْ أَثَرِ السُّجُودِ ط (الفتح: ۲۹)

ترجمہ: ''سجدوں کی وجہ سے ان کے چہروں پہ ایک خاص قسم کی چمک پائی جاتی ہے''۔

تَعْرِفُهُم بِسِيمَاهُمْ

ترجمہ: ''تم ان کو ان کے چہروں سے پہچان لو گے''۔

اور بدکاروں کی ملامت بھی یہی بتائی گئی ہے۔

يُعْرَفُ الْمُجْرِمُونَ بِسِيمَاهُمْ (رحمن)

ترجمہ: ''سیہ کار اپنے چہروں سے پہچانے جائیں گے''۔

ماحصل

ماحصل یہ کہ عبادت سے دل روشن ہو جاتا ہے اور چہرہ منور۔

ستاروں کی بکھری ہوئی محفل اور پہاڑوں کی بلند و پست چوٹیوں میں ایک رشتۂ وحدت نظر آنے لگتا ہے۔ داخلی انسان میں توانائی آجاتی ہے۔ کائنات کی مخفی طاقتیں معاون بن جاتی ہیں اور اس طرح ہماری شخصیت کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

اگر ہو ذوق تو فرصت میں پڑھ زبورِ عجم
فغانِ نیم شبی بے نوائے راز نہیں

میری زندگی کا ایک عظیم واقعہ

(''چٹان'' ۴۔ جنوری ۱۹۶۰ء)

میری ولادت ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو ہوئی تھی۔ پیدائش سے ۱۹۴۴ء تک لاتعداد مصائب وموانع سے دوچار رہا۔ ۱۹۰۷ء سے ۱۹۱۹ء تک مساجد ومکاتیب میں گھومتا رہا۔ کئی کئی مہینے ایسے آتے تھے کہ جیب میں ایک پیسہ تک نہیں ہوتا تھا اور اگر کہیں سے کوئی آنہ دونی مل بھی جاتی تو اسے سنبھالنے کے لیے جیب نہیں ہوتی تھی۔ ۱۹۱۹ء میں منشی فاضل کرنے کے بعد ایک سکول میں ماسٹر لگ گیا۔ میٹرک۔ ایف اے اور بی اے (پرائیویٹ) پاس کرنے کے بعد اسلامیہ کالج لاہور میں ایم اے عربی کے لیے داخل ہو۔ ۱۹۳۱ء میں عربی اور ۱۹۳۴ء میں فارسی کا ایم اے کیا۔ اس کے بعد ۱۹۴۰ء میں ڈاکٹریٹ حاصل کی۔ ۱۹۳۳ء سے کالجوں میں کام کرنے لگا۔ ان تمام علمی فتوحات کے باوجود دنیوی معاملات میں یہ حالت تھی کہ امراض کا ہجوم، افسر سارے ناخوش، احباب بے تعلق سے اور اقارب کچھ بدظن اور کچھ ناراض۔ جہاں جاتا دروازہ بند، ہر کوشش ناکام، ڈاکٹریٹ حاصل کرنے کے باوجود تنخواہ صرف ۱۲۰/- روپے ماہانہ۔ کسی افسر سے ملنے جاتا تو وہ دورے پر ہوتا یا چھٹی پر۔ کیمبل پور کو واپس آتا تو عموماً اسٹیشن کے قریب آنکھ لگ جاتی اور کسی اگلے اسٹیشن پہ جا اترتا۔

پھر؟

۱۹۴۴ء تک حالات اسی نہج پر چلتے رہے اور میں اس صورت حال سے اس قدر گھبرا گیا کہ چارۂ کار کے نجومیوں اور جوتشیوں کی طرف رجوع کرنے لگا۔ جوتش کے ماہرین ہندوؤں میں ملتے تھے اور وہ لوگ کوئی ایسا مشرکانہ علاج تجویز کرتے تھے، مثلاً کہ کالے رنگ کے ماش فلاں دیوی کے چرنوں میں بھینٹ چڑھاؤ۔ اگنی جلا کر اس پر لوبان ڈالو، وغیرہ کہ طبیعت اس طرف مائل ہی نہیں ہوتی تھی۔

ایک دن۔۔۔۔

یہ غالباً ۱۹۴۴ء کے اوائل کا ذکر ہے کہ میرے ہاں ایک سفید ریش زاہد و عابد عالم تشریف لائے۔ مختلف مسائل پہ باتیں ہوتی رہیں۔ جب سعادت وشقاوت کا مسئلہ حل پڑا تو میں نے اپنی رام کہانی سنادی، وہ جھٹ کہنے لگے:

''کیا تمہاری ولادت سنیچر کے دن ہوئی تھی؟''

حساب لگایا تو معلوم ہوا کہ ۲۶۔ اکتوبر ۱۹۰۱ء کو واقعی سنیچر تھا۔

کہنے لگے کہ:

''کائنات کی ہر چیز سے خواہ وہ زمینی ہو یا آسمانی، غیر مرئی لہریں نکل کر ماحول پر اثر انداز ہو رہی ہیں اور یہ اثرات مختلف صورتیں اختیار کرتے ہیں کہیں غم، کہیں مسرت، کہیں مایوسی اور کہیں افسردگی کی۔ گرمیوں میں اودی اودی گھٹائیں کیف وانبساط پیدا کرتی ہیں، چاند کا جوبن دنیا کو سرور سکون کا پیغام دیتا ہے۔ بہار میں پھولوں کے قافلے جنون ومستی ہمراہ لاتے ہیں، چاندنی رات میں ہنسی کی لے اداس بنا دیتی ہے۔ سانپ کو دیکھ کر خوف اور کیچوے کو دیکھ کر کراہت پیدا ہوتی ہے۔ یہی حال سیاروں کا ہے کہ ان کی خارج کردہ لہروں سے کائنات میں مختلف اثرات مترتب ہو رہے ہیں۔ شقاوت وسعادت کا سلسلہ بھی کسی حد تک ان لہروں سے وابستہ ہے۔ بعض ایسے حضرات ہو گزرے ہیں جن کی ولادت پر شمس و مشتری کا اتصال ایک ہی برج (مقام۔ راہ) میں ہو گیا تھا۔ وہ صاحب القران (دو سعید سیاروں) کے اتصال (قران) والے کہلائے اور انہوں نے زندگی میں کارہائے نمایاں سرانجام دیئے۔ مغل شاہنشاہوں میں شاہجہان کو ''صاحب قران'' تسلیم کیا جاتا ہے۔ یہ امر لاکھوں افراد کے تجربے میں آچکا ہے کہ جب چاند گرہن کی حالت میں ہو تو اس کی لہریں

جنین (ماں کے رحم میں بچہ) کو متاثر کرتی ہیں۔ اگر اس حالت میں کوئی ماں نماز پڑھ رہی ہو اور التحیات کی حالت میں ہو تو جنین کا پاؤں ٹیڑھا ہو جاتا ہے۔ (اس موضوع پر ایک جرمن ڈاکٹر نے ایک کتاب بھی لکھی ہے) دنیا کے تمام جوتشیوں نے خواہ وہ ہندو تھے یا مسلم، یہودی تھے یا عیسائی، حضرت مسیحؑ سے تین ہزار سال پہلے مصر و بابل میں تھے یا دو ہزار سال بعد امریکہ وانگلینڈ میں، اس حقیقت کا بار بار اعادہ کیا ہے کہ ہفتہ سات دنوں کا ہوتا ہے اور ہر دن پر کسی خاص ستارے کی حکومت ہوتی ہے۔ ہفتے کو زحل، اتوار کو سورج اور سوموار کو چاند کا اثر غالب ہوتا ہے، وقس علیٰ ہذا۔ ان سیاروں میں سے زحل یا کیوان (جسے انگریزی میں سیٹرن کہتے ہیں) کو ہر دور کے جوتشی منحوس کہتے رہے ہیں۔ اگر کوئی بچہ سنیچر کے روز پیدا ہو تو بار بار بیماریوں اور حادثوں کا شکار ہوتا ہے اور زندگی میں قدم قدم پر اسے مختلف رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے"۔

علاج

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام روحانی علوم میں بھی ماہر تھے۔ آپ نے ایسے لوگوں کے لیے جنہیں فلکی اثرات نے بے دست و پا بنا رکھا ہو، ایک نہایت عمدہ نسخہ تجویز کیا ہے اور وہ یہ ہے:

نام کے اعداد بحساب ابجد نکالیے۔

پھر اللہ کے ننانوے ناموں میں سے ایسے ناموں کا انتخاب کیجیے، جن کی میزان اعداد آپ کے اپنے نام کے اعداد کے برابر ہو۔ مثلاً

"نور محمد" کے اعداد یہ ہیں

نور : ۲۵۶

محمد : ۹۲

میزان : ۳۴۸

دوسری طرف اللہ کا کوئی نام ایسا موجود نہیں جس کے اعداد کی میزان ۳۴۸ ہو، اس لیے دو یا زیادہ اسماء کو جمع کرنا پڑے گا۔

اور وہ یہ ہیں:

۱۔ بصیر : ۳۰۲

۲۔ ولی : ۴۶

میزان : ۳۴۸

نور محمد کو چاہیے کہ ہر نماز کے بعد ''یا بصیر یا ولی'' کا ورد کرے۔ اس سے رفتہ رفتہ تمام نحس اثرات زائل ہو جائیں گے۔ تمام دروازے کھل جائیں گے۔ مصائب کا سلسلہ رک جائے گا۔ کوئی غم، پریشانی، فکر اور فاقہ نہیں رہے گا اور دنیائے دل اطمینان سے بھر جائے گی۔

میرا تجربہ

میں نے اس نسخے کو خود آزمایا، لاتعداد احباب کو دیا اور ہر جگہ اس کے اثرات ایک جیسے مترتب ہوئے۔ یہ تمام لوگ خوش حال، مسرور اور مطمئن ہو گئے۔ بیماریاں، مصیبتیں اور پریشانیاں ان کا پیچھا چھوڑ گئیں، ان کے گھروں پر رحمتوں کا نزول ہونے لگا، ان کے سینے جو کبھی اضطراب و بے چینی کا جہنم بنے ہوئے تھے، فردوسی اطمینان سے معمور ہو گئے اور سب سے بڑی بات یہ کہ ان کی تمام جائز دُعائیں معمولی سرعت سے قبول ہونے لگیں۔ خود میری کیفیت یہ ہے کہ جب کسی جائز بات کے لیے، جس کا حصول میری مساعی کی حدود سے ورا ترہو، ہاتھ اٹھاتا ہوں تو اسباب وسائل کا سلسلہ اس سرعت سے فراہم ہوتا ہے کہ میں رب رحیم کی کرم فرمائیوں کو دیکھ کر حیرت میں کھو جاتا ہوں اور جی چاہتا ہے کہ جبین نیاز زمین پر رکھ کر ''سبحان ربی الاعلیٰ'' کا مسلسل ورد کرتا رہوں۔

حضور ﷺ اور یہ ورد

ایک روز نماز کے دوران خیال آیا کہ اگر یہ ورد اتنی بڑی چیز ہے تو حضور پرنور ﷺ بھی کرتے ہوں گے۔ بعد از نماز حساب لگانے بیٹھا تو چند لمحات میں یہ مسئلہ حل ہو گیا۔ حضور ﷺ

(اور ہم بھی) سجدے میں سبحان ربی الاعلیٰ کا ورد فرمایا کرتے تھے۔ اس ورد میں ''ربی'' کی ''ی'' زائد ہے کیونکہ اللہ کا نام ''رب'' ہے ''ربی'' نہیں۔

ان اسماء کے اعداد یہ ہیں:

سبحان : ۱۲۱

رب : ۲۰۲

اعلا : ۱۰۲

میزان : ۴۲۵

محمد : ۹۲، رسول: ۲۹۶

اللہ : ۳۷ (بعض کے ہاں ۶۶ یا ۶۷)، میزان ۴۲۵

اعمال کے اثرات

اچھے یا برے اثرات پیدا کرنے والی لہریں صرف ستاروں، بہاروں اور فضاؤں ہی سے نہیں نکلتیں، بلکہ ہر آدمی سے یہ لہریں نکل کر ماحول کو متاثر کرتی ہیں۔ بعض آدمیوں کو دیکھ کر آپ خوش ہوتے ہیں اور بعض کی صورت دیکھ کر چار دن تک روٹی ہضم نہیں ہوتی۔ اسی طرح اعمال کی بھی دو قسمیں ہیں:

اول وہ، جن کی پیدا کردہ لہریں سرور ولذت کی صورت اختیار کر لیتی ہیں۔ ہم ایک محتاج کو کچھ دے کر، کسی درماندہ کی مدد کر کے اور کسی یتیم کے آنسو پونچھ کر ایک قسم کے ماورائی سرور میں ڈوب جاتے ہیں اور دوسری طرف کسی کا سر توڑنے، چوری کرنے اور رشوت لینے کے بعد دنیائے دل واضطراب سے لبریز ہو جاتی ہے۔

یہ ضروری نہیں کہ زندگی میں آپ کی ناکامیاں، مصیبتیں اور پریشانیاں صرف ستاروں ہی کی وجہ سے ہوں۔ ممکن ہے کہ آپ کوئی گناہ کر رہے ہوں، چور بازاری، رشوت، عیاشی، ناونوش، دروغ گوئی، سنگدلی وغیرہ جیسے روحانی وقلبی امراض میں مبتلا ہوں اور آپ کے آلام گناہ کا نتیجہ ہوں۔ اس صورت میں آپ کو گناہ سے بچنا ہوگا۔

نہایت ضروری

یہ یاد رکھیے کہ یہ وظیفہ صرف اسی صورت میں کارگر ہوگا کہ آپ دو قدم اٹھائیں:

اول: اپنی زندگی سے گناہ کو دھکیل کر باہر نکال دیں۔

دوم: جب دل و نگاہ مسلمان ہو جائیں تو اللہ کے سامنے جھک جائیں تاکہ ظاہر و باطن میں کامل ہم آہنگی پیدا ہو جائے۔ دل جھک جائے اور جسم اکڑا رہے۔ یہ بات کچھ اچھی معلوم نہیں ہوتی۔ اسی طرح زبان پر ''لا اِلٰہ'' ۔۔۔۔ ہو اور دل میں شیطان کا بسیرا ہو تو بات پھر بھی نہیں بنے گی۔ ظاہر و باطن کی کامل ہم آہنگی کے بعد ہی یہ ورد کارآمد ہو سکتا ہے۔

خرد نے کہہ بھی دیا لا اِلٰہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

ایک اہم فائدہ

اس ورد کے دنیوی فوائد تو ظاہر ہیں کہ آپ کی مشکلات آسان ہوں گی۔ بیماریاں اور پریشانیاں دور ہو جائیں گی۔ اس ورد کا ایک اخروی فائدہ بھی ہے کہ آپ کی اگلی زندگی بھی سنور جائے گی۔ وہ زندگی ابدی ہے اور یہ زندگی محض ایک حقیر سا وقفہ۔ اس حقیر وقفے کی عارضی و الم انگیز لذتوں کے لیے اس زندگی کو تباہ کر لینا نادانی کی انتہا ہے۔ میں یہ نہیں کہہ رہا کہ اس زندگی سے منہ موڑ کر راہب بن جائیے، بلکہ یہ کہہ رہا ہوں کہ زندگی گزارنے کا وہ حکیمانہ منصوبہ بنائیے کہ دونوں زندگیاں سنور جائیں۔

بلا ریب، اللہ ہم سے زیادہ دانش مند، حکیم اور علیم ہے۔ اس کا پلان کبھی غلط نتائج پیدا نہیں کر سکتا۔

لیجیے اس منصوبے کا ایک حصہ:

۔۔۔۔ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۝ اَلَّذِيْنَ يُوْفُوْنَ بِعَهْدِ اللّٰهِ وَلَا يَنْقُضُوْنَ الْمِيْثَاقَ ۝ وَالَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ

يُّوْصَلَ وَ يَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَ يَخَافُوْنَ سُوْٓءَ الْحِسَابِ ۝ وَالَّذِيْنَ صَبَرُوا ابْتِغَآءَ وَجْهِ رَبِّهِمْ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰهُمْ سِرًّا وَّ عَلَانِيَةً وَّ يَدْرَءُوْنَ بِالْحَسَنَةِ السَّيِّئَةَ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ عُقْبَى الدَّارِ ۝ جَنّٰتُ عَدْنٍ يَّدْخُلُوْنَهَا وَ مَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَآئِهِمْ وَ اَزْوَاجِهِمْ وَ ذُرِّيّٰتِهِمْ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَدْخُلُوْنَ عَلَيْهِمْ مِّنْ كُلِّ بَابٍ ۝ (رعد:۱۸:۲۳)

ترجمہ: ”۔۔۔۔۔۔ ہماری ہدایات سے دانش مند ہی فائدہ اٹھاتے ہیں:

۱۔ جو اللہ کے عہد کو نبھاتے ہیں اور توڑتے نہیں۔

۲۔ جو ان رشتوں کو جوڑتے ہیں جن کے جوڑنے کا انہیں حکم ملا ہے۔

۳۔ جو اللہ سے ڈرتے ہیں اور گناہوں کے حساب سے لرزتے ہیں۔

۴۔ جو اللہ کی راہوں میں پیش آنے والی تکالیف کو برداشت کرتے ہیں۔

۵۔ جو نماز قائم کرتے ہیں۔

۶۔ جو عیاں ونہاں غریبوں کی مدد کرتے ہیں۔

۷۔ اور۔۔۔۔ جو بدی کا جواب نیکی سے دیتے ہیں۔

ان کا انجام نیک ہوگا۔ یہ لوگ اپنے نیک اسلاف، ازواج اور اولاد کے ہمراہ جنت میں رہیں گے اور ہر دروازے سے فرشتے ان کے پاس آئیں گے“۔

ترکِ گناہ

گناہ کو چھوڑنا آسان نہیں۔ ہر گناہ میں ایک لذت ہے جو فوراً حاصل ہوتی ہے نیکی کے نتائج کافی دیر بعد نکلتے ہیں، اور آغاز میں تکالیف کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ صرف ایک نیکی یعنی ”علم“ کو لیجیے اور اندازہ لگایئے کہ حصولِ علم کے لیے کس قدر طویل مدت تک محنت کرنا پڑتی ہے۔

گناہ کی لذت بہت جلد دکھ میں بدل جاتی ہے اور نیکی کی خاطر اٹھائے ہوئے دکھ

مسرت کی صورت اختیار کر لیتے ہیں۔ کم نظر لوگ ان فانی و عارضی لذتوں کے پیچھے بھاگتے ہیں اور اہل دانش ان تکالیف کو سہیڑتے ہیں جن کا نتیجہ ابدی مسرت ہو۔

گناہ کو چھوڑنے کا بہترین راستہ یہ ہے کہ ہر مہینے ایک ایک گناہ چھوڑتے جایئے اور اس عزم سے چھوڑیئے کہ پھر اس گناہ کا خیال تک دماغ میں باقی نہ رہے اور ابتداء ترک دروغ سے کیجیے کیونکہ جھوٹ تمام گناہوں کی جڑ ہے اور جب تک یہ بیماری باقی رہے گی روح و دل کے صحت مند ہونے کی کوئی صورت نہیں نکل سکے گی۔

حروف ابجد کے اعداد

ا	ب	ج	د	ہ	و	ز	ح	ط	ی
۱	۲	۳	۴	۵	۶	۷	۸	۹	۱۰

ک	ل	م	ن	س	ع	ف	ص	ق	ر	ش	ت
۲۰	۳۰	۴۰	۵۰	۶۰	۷۰	۸۰	۹۰	۱۰۰	۲۰۰	۳۰۰	۴۰۰

ث	خ	ذ	ض	ظ	غ
۵۰۰	۶۰۰	۷۰۰	۸۰۰	۹۰۰	۱۰۰۰

اسمائے حسنیٰ کے اعداد

اسمائے حسنیٰ کی دو قسمیں ہیں:

جلالی : مثلاً قہار، مذِل، مُمیت وغیرہ

اور

جمالی : مثلاً رحیم، کریم وغیرہ

بہتر یہی ہے کہ ہم اسمائے جمالی کا وِرد کریں۔ ان اسماء مبارکہ کی فہرست مع اعداد درج ذیل ہے:

۴۹۔ کَبِیْرٌ ۲۳۲ — ۶۴۔ مَتِیْنٌ ۵۰۰

۵۰۔ نُوْرٌ ۲۵۶ — ۶۵۔ رَشِیْدٌ ۵۱۴

۵۱۔ رَحِیْمٌ ۲۵۸ — ۶۶۔ شَکُوْرٌ ۵۲۶

۵۲۔ کَرِیْمٌ ۲۷۰ — ۶۷۔ وَارِثٌ ۷۰۷

۵۳۔ رَءُوْف ۲۸۷ — ۶۸۔ خَالِقٌ ۷۳۱

۵۴۔ صَبُوْرٌ ۲۹۸ — ۶۹۔ مُقْتَدِرٌ ۷۴۴

۵۵۔ بَصِیْرٌ ۳۰۲ — ۷۰۔ خَبِیْرٌ ۸۱۲

۵۶۔ قَادِرٌ ۳۰۵ — ۷۱۔ حَفِیْظٌ ۹۹۸

۵۷۔ رَازِقٌ ۳۰۸ — ۷۲۔ عَظِیْمٌ ۱۰۲۰

۵۸۔ رَقِیْبٌ ۳۱۲ — ۷۳۔ ذُوالْجَلَالِ وَالْاِکْرَامِ ۱۰۳۹

۵۹۔ شَهِیْدٌ ۳۱۹ — ۷۴۔ غَنِیٌّ ۱۰۶۰

۶۰۔ مُصَوِّرٌ ۳۳۶ — ۷۵۔ مُغْنِی ۱۱۰۰

۶۱۔ رَافِعٌ ۳۵۱ — ۷۶۔ ظَاهِرٌ ۱۱۰۶

۶۲۔ تَوَّابٌ ۴۰۹ — ۷۷۔ غَفَّارٌ ۱۲۸۱

۶۳۔ فَتَّاحٌ ۴۸۹ — ۷۸۔ غَفُوْرٌ ۱۲۸۶

باب نمبر۹

میرے گیت

(''چٹان'' کی مختلف اشاعتوں میں نکلے)

پہلی قسط

۱

اے ربّ! میں حریم دل میں ایمان کی جوت جلا کر اندھیروں کو باہر دھکیل رہا ہوں تاکہ تو اس میں بس سکے۔

۲

جب احساس ندامت سے میرا ایک آنسو ٹپکا تو کہیں سے آواز آئی، آنسو بہائے جا! کہ روح کی برکھا یہی ہے۔

۳

بہار کا ایک پرندہ میری کھڑکی پہ آیا، اور گیت گا کر اڑ گیا، پھر خزاں کے زرد پتے سرسراتے ہوئے آئے اور آگے چلے گئے، میں آج تک یہ فیصلہ نہ کر سکا کہ طائر بہار کا گیت زیادہ دلکش تھا یا برگِ خزاں کی سرسراہٹ۔

۴

سر جھکانے کے بعد میں سات آسمانوں سے اوپر نکل گیا، لیکن تیرے قدموں کو چھونے کی سعادت پھر بھی حاصل نہ ہو سکی۔ اے روحِ کائنات! پاؤں ذرا آگے بڑھا۔

۵

آرزو کے سنسان بیابان میں چلتے چلتے تھک گیا۔ آس ٹوٹنے کو تھی کہ وہ چاند کی ایک ملیح کرن پر سوار ہو کر میرے سامنے آ گیا۔ چاروں طرف اَن گنت چراغ جلنے لگے اور لاتعداد

پھول مہک اٹھے۔

۶

آسمان کا نیلا دامن اٹھا کر تو نے مجھے جھانکا، میں ایک تیز رفتار بادل پر سوار ہو کر تیری دہلیز پہ جا پہنچا اور ابھی تک باریابی کا منتظر ہوں۔

۷

چاندنی کی ساکن جھیل میں یہ نور میں لپٹی ہوئی کشتی کس کی ہے؟ اس میں کون ستار بجا رہا ہے؟ جسے سننے کے لیے ساری کائنات نے سانس روک رکھی ہے۔

۸

بالآخر رات ختم ہو جائے گی اور تیرے سریلے گیت سورج کی کرنوں میں حل ہو کر تمام فضا میں پھیل جائیں گے۔

۹

تم چاندنی کی طرح دبے پاؤں شہر کی اجاڑ راہوں پر ٹہل رہے تھے، میں نے گھر کا دروازہ کھول دیا کہ شاید تم اندر آ جاؤ، لیکن صبح تک یہ دروازہ چشمِ انتظار کی طرح کھلا ہی رہا۔

۱۰

رات کو جب اس کی سانس میرے جسم سے ٹکرائی، تو میرے خواب حسین گیتوں سے گونج اٹھے۔

۱۱

کالے بادلوں کو جب چاندنی مس کرتی ہے تو وہ مسکراتے ہوئے پھول بن جاتے ہیں۔

۱۲

میرا خیال تھا کہ میری راہیں شب کے دُھندلکوں میں گم ہو چکی ہیں، عین اس عالم میں اُفق سے ایک ستارہ ٹوٹا جو میری راہوں کو جگمگاتا ہوا میری روح میں ڈوب گیا۔

۱۳

میرے گیت، جو الفاظ کی قید سے آزاد ہیں، سمندر کی لہروں اور فضا کی بدلیوں کی طرح آزاد، ماورائی وسعتوں میں یوں گم ہو رہے ہیں، جس طرح کونجوں کا کوئی قافلہ دور افق میں نظر سے اوجھل ہو رہا ہو۔

۱۴

میری حیات کے اڑتے ہوئے عارضی لمحات کو تو نے اپنے مس سے جاودانی بنا ڈالا۔

۱۵

وہ مقام، جہاں سائے روشنیوں کا تعاقب کرتے ہیں، جہاں بہاریں دبے پاؤں داخل ہوتی ہیں، جہاں گھٹائیں گرجتی ہوئی آتی ہیں، وہاں میں تیری رتھ کی گڑگڑاہٹ سن رہا ہوں۔

۱۶

چاند اور سورج کے جلوؤں کا حجاب اٹھ گیا اور تو من کے آنگن میں یوں ہولے ہولے داخل ہوا:

''جیسے ویرانے میں چپکے سے بہار آ جائے''

۱۷

میں نے پوچھا: ''مہاراج! زہرہ و مشتری کے درخشندہ محلات سے اتر کر مجھ بھکاری کے جھونپڑے میں کیسے چلے آئے؟''

کہا: ''تیرے سریلے گیت کھینچ لائے''۔

کلی نے یہ بات سنی اور چٹک کر پھول بن گئی۔

۱۸

وہی گیت باقی رہیں گے، جو دل کی بھٹی میں جلیں اور آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپکیں، محبت انہیں سدا گاتی رہے گی۔

۱۹

تو سڑک پر ٹہلنے کے لیے نکلا تو شاہراہ رباب بن کر بجنے لگی۔

۲۰

تو نے ایک سنسان ویرانے میں سانس لی اور وہ جنت بن کر مسکرانے لگا۔

۲۱

میری پیشانی عرقِ انفعال سے بھیگی ہوئی تھی کہ کسی نامعلوم سمت سے ہوا کا ایک ٹھنڈا جھونکا آیا۔۔۔۔ جھونکا گزر گیا اور اس کی ٹھنڈک جذب ہو کر روح میں تحلیل ہو گئی۔

۲۲

آکاش کی نیلی فضاؤں میں کروڑوں چراغ جل رہے ہیں، صرف ایک دیا اٹھا کر میرے من کی کٹیا میں رکھ دو۔

۲۳

وہی موجِ حیات جو پھول میں خوشبو، وادی میں آب جو اور میری رگوں میں لہو بن کر دوڑ رہی تھی، جب دل کے ویرانے میں داخل ہوئی تو حدِ نظر تک چراغاں کا عالم نظر آنے لگا۔

۲۴

میں تیری تلاش میں نکلا اور صدیاں میری تلاش میں روانہ ہوئیں۔ تجھے پا لینے کے بعد زمانہ مجھے نہ ڈھونڈ سکا، کیونکہ قطرہ سمندر کے پردوں میں نہاں ہو چکا تھا۔

۲۵

میں اس نیلی فضا میں خزاں کے تنہا بادل کی طرح آوارہ تھا کہ تیری جبین سے ایک کرن پھوٹی، مجھ تک آئی اور میں نُور کی ندی بن کر بہنے لگا۔

۲۶

میں تیری تلاش میں کہکشاں کی چلمن تک جا پہنچا، ہر طرف دیکھا، تو نظر نہ آیا، مایوسی میں آنسو بہہ نکلے، پھر آنکھ اٹھائی تو تُو بہار کے پھول کی طرح پاس ہی مسکرا رہا تھا۔

۲۷

مسافر! تُو کہاں جا رہا ہے؟ اس دنیا کی طرف جہاں بھونرے گاتے اور پھول ناچتے ہیں؟ تجھے موت کی تاریک وادی سے گزرنا ہوگا۔ ایمان کا چراغ ساتھ لے جا کہ بھٹک نہ جائے۔

دوسری قسط

۱

میں نے ایک کیاری میں پھول لگائے۔ پھر دیکھا کہ پتیاں کانپ رہی ہیں، تتلیاں بے چین ہیں۔ کلیاں انگڑائیاں لے لے کر جاگ رہی ہیں اور مجھے یقین ہو گیا کہ ہر شے تکمیل کے لیے بے تاب ہے۔

۲

میں شبنم کے موتیوں کا ہار پرونے کے لیے پھول کی طرف لپکا اور شبنم کرنوں کے پر لگا کر اڑ گئی۔ میں نے پھول توڑنے کے لیے ہاتھ بڑھایا اور پتیاں جھڑ گئیں۔ میں اداس ہو گیا اور معاً ایک پتی بول اٹھی: ''کملے! آنسوؤں کے موتی رول اور ان بہاروں کو آواز دے جو تیری روح میں خوابیدہ ہیں''۔

۳

آسمان کی تیرہ فضاؤں کو جگمگانے کے لیے شاید اور ستاروں کی ضرورت پڑے، لیکن میرے من کی کٹیا کے لیے صرف ایک جگنو کی لو کافی ہے۔

۴

غروبِ آفتاب کے بعد جب جھینگروں کے گیت بند ہو گئے، کوہساروں کو چوٹیاں اداس اداس نظر آنے لگیں اور کائنات پہ اک مہیب سناٹا چھا گیا تو میں نے من کی جھیل سے کنول کا ایک پھول توڑ کر عروسِ شب کی زلفوں میں ٹانک دیا۔

۵

تیری محبت کے گیت میری روح کی وادی میں یوں گونج رہے ہیں جس طرح بن میں مور کی جھنکار یا دلوں میں پپیہے کی پکار۔

۶

نہ جانے شہد کی مکھی ان گیتوں کو کیسے سن لیتی ہے جو پھول کے ضمیر میں نہاں ہیں اور یہ ان گہرائیوں تک کیونکر پہنچ جاتی ہے جہاں شہد کے خزانے پوشیدہ ہیں۔

۷

چمن میں بہار آئی اور کہنے لگی:

''میں کل چلی جاؤں گی''۔

میں نے ایک پھول مانگا، تو میری سادگی پہ تمام کلیاں ہنس دیں۔ میں اس غم میں رات بھر نہ سویا۔

صبح دم جب پہلی کرن میرے کاشانے میں داخل ہوئی تو آنگن پھولوں سے لہک رہا تھا اور۔۔۔

بہار جا چکی تھی!

۸

رات کو گاؤں میں یہ خبر پھیل گئی کہ وہ چلا گیا ہے۔ میں نے کھڑکی سے باہر جھانکا تو وہ کہکشاں کے جھولے میں جھول رہا تھا، چاند کی کرنیں مسرت کے گیت گا رہی تھیں اور بھیگی ہوئی دھرتی سے اس کی مہک آ رہی تھی۔

۹

موجِ نسیم جگنو سے ایک شرر لے کر باغ میں آئی اور چاروں طرف آگ سی بھڑکا دی۔

۱۰

جب میرے گیت بہاروں نے دہرائے تو عنادل چہکنے لگیں، بھونرے ناچنے لگے اور

پھولوں کی ٹہنیاں رباب بن کر بجنے لگیں۔

۱۱

میں زندگی کی طویل رات میں اس سحر کو ڈھونڈ رہا ہوں جو مردِ مومن کے گریبان سے پھوٹتی ہے۔

۱۲

وہ نوجوان چرواہا جو جھیل کے شاداب کناروں پر بھیڑیں چراتا ہے، جو ندی میں پھول پھینک کر لہروں کے ساتھ ساتھ بھاگتا ہے۔ جس کے آزاد، سچے، بے باک اور رسیلے گیت وادی میں دور دور تک گونج پیدا کر دیتے ہیں۔ اے رب! مجھے اس چرواہے کا قلب و نظر عطا کر۔

۱۳

بہار نے میرے دروازے پر دستک دی اور کہا: ''میں آپ کے لیے بے شمار پھول لائی ہوں''۔

میں نے پروا نہ کی۔

اس نے پھر کہا: ''ساتھ کانٹے بھی ہیں!''

اور میں نے فوراً دروازہ کھول دیا۔

۱۴

میں گا رہا تھا اور تم سن رہے تھے۔ صرف ایک گیت باقی تھا کہ تم چل دیے۔ جب شام کے وقت تم ان پہاڑیوں کے دامن میں پہنچے، جہاں چکور بول رہے تھے تو تم نے وہی گیت گنگنانا شروع کر دیا جو باقی رہ گیا تھا۔

۱۵

کل رات بادل چھائے ہوئے تھے۔ گھٹا ٹوپ تاریکی تھی۔ آندھی نے تمام چراغ بجھا دیے تھے۔

رات بولی: ''آج افق سے افق تک نور کی کوئی کرن نظر نہیں آتی، آج کائنات پر میرا

علم لہرا رہا ہے!"

اس پر بادل کڑ کا اور نور کے لاکھوں تیر سینۂ شب کو چیر کر نکل گئے۔

۱۶

میں نے شباب کو آواز دی، تو بولا: "مسافر! گھبرا مت، میں زندگی کی اس فرسودہ رہگذر سے آگے، دریا کے اس پار، جہاں برفانی کوہساروں پہ شفق کھیلتی اور شاداب سبزہ زاروں میں شبنم موتی رولتی ہے، تیرا انتظار کر رہا ہوں"۔

۱۷

سورج کی پہلی کرن نے کہا: "آج وہ اس بستی میں دربار لگائیں گے"۔

میں بے تابانہ دوڑا، ہر گلی کوچے کو جھانکتا ہوا ہر جھیل پہ جا پہنچا۔ ہر طرف دیکھا۔ ابر رنگ چڑیوں سے پوچھا، بھونروں اور تتلیوں سے دریافت کیا، بن میں ڈھونڈا، لیکن بے سود، تھکا ہارا، کٹیا میں واپس آیا، کھاٹ پہ لیٹ گیا، آنکھ بند کی، تو تیرا سنہری سنگھاسن روح کے محل میں بچھا نظر آیا۔

۱۸

سنسان اور اجاڑ راہوں پہ چلتے چلتے جب موت گھبرا گئی تو زندگی کرنوں کا زینہ لگا کر اتری اور اس کی ہم سفر بن گئی۔

۱۹

میں برسوں سے ایک ہی ڈگر پہ چل رہا تھا۔ ہر صبح اپنا ریوڑ ایک ہی چراگاہ کی طرف لے کر نکلتا تھا۔ ایک دن جنگل میں بھٹک گیا اور ایک ایسے سبزہ زار میں جا پہنچا جہاں میرا بچپن بیتا تھا، جہاں سے شباب مجھے دنیائے رنگ و بو میں لے گیا تھا۔

اور یہ تھا میرا نیا جنم!

تیسری قسط

۱

جگنو نے پوچھا: ''تو اس تاریک رات میں کہاں جا رہا ہے؟''

میں نے کہا: ''اس کی تلاش میں''۔

کہا: ''یہ لے ایک شعلہ اور پہلے اپنے آپ کو تلاش کر''۔

۲

میں ایک چٹان پر ٹہل رہا تھا کہ پاؤں پھسلا اور سمندر میں جا گرا۔ ہاتھ پاؤں مارنے سے سطحِ سمندر پہ ایک اضطراب سا پھیل گیا، پھر ڈوب گیا۔ گہرائیوں میں وہی سکون خیمہ آرا تھا جو رات کو تاروں کی محفل اور دور مشرقی افق کی وسیع وادیوں میں ملتا ہے اور میں مطمئن ہو گیا۔

۳

سرحدِ ادراک اور اقلیمِ حقیقت کے درمیان وہ طویل و عریض مسافتیں حائل ہیں جنہیں راحلۂ عشق کے بغیر طے نہیں کیا جا سکتا۔

۴

مکتب میں نہ جا، کہ اہلِ علم کی فصیح و بلیغ تقریروں سے وہ بات سمجھ میں نہیں آئے گی جو لالۂ صحرا کی ایک پتی بہ یک جنبشِ لب سمجھا سکتی ہے۔

۵

میں نے کہا: ''خزاں آ گئی! اب کیا ہوگا!''

شاخِ بے برگ نے جواب دیا: ''گھبراؤ مت کہ خزاں کی آستین میں لاکھوں بہاریں دبکی ہوئی ہیں''۔

۶

دو آدمیوں کو تلاش کرنا مشکل ہے، ایک وہ جو اپنے آپ سے جدا ہو جائے اور دوسرا وہ جو اپنے آپ کو پا لے۔

۷

شاعر وادی میں چلتا گیا اور بہت دور نکل گیا، لوگوں نے اسے تلاش کیا اور نہ مل سکا۔ البتہ وہاں ایک چشمہ نظر آیا جو اس سمت سے آ رہا تھا جس طرف شاعر گیا تھا اور ہر موج کے لب پر وہی گیت تھے جنہیں شاعر گایا کرتا تھا۔

۸

میں نے قلم کی روشنائی میں ڈبو کر لکھا، تو آواز آئی: ''یہ ہذیانات ہیں''۔
پھر قلم کو آنسوؤں میں بھگو کر تحریر کیا تو ندا آئی: ''یہ جواہرات ہیں''۔
پھر خونِ جگر سے رقم کیا تو صدا آئی: ''یہ الہامات ہیں''۔

۹

کچھ گیت ایسے بھی ہیں جو شاعر گاتا ہے، کچھ ایسا جو زبانِ گل سے بلند ہوتے ہیں اور کچھ ایسے بھی جو زہرہ کی بلندیوں سے بصورتِ شبنم زمین پر ٹپک پڑتے ہیں۔

۱۰

افلاس خود ہمیشہ جھونپڑوں میں رہا لیکن اس کے طاقت ور ہاتھوں نے ثقافت و تمدن کے رفیع و عظیم محل تعمیر کیے ہیں۔

۱۱

کیا وہ گا سکتا ہے؟ بلبل سے پوچھیے
کیا وہ رو سکتا ہے؟ شبنم سے پوچھیے
کیا وہ مسکرا سکتا ہے؟ کلی سے پوچھیے

۱۲

زندگی ایک متاع گم گشتہ ہے جس کی تلاش میں ہم سرگرداں ہیں۔ جب یہ مل جاتی ہے تو ہم خود گم ہو جاتے ہیں۔

۱۳

پہلے میں نے اسے کرنوں کے زینے سے اترتے دیکھا، جب ایک بوڑھا کاشت کار کندھے پہ ہل اٹھائے سبز کھیتوں میں سے جا رہا تھا، تو میں نے اسے ایک گھنے درخت میں گنگناتے دیکھا جس کے سائے میں ایک تھکا ہارا چرواہا سو رہا تھا۔

۱۴

حرص و غضب دو متعفن لاشیں ہیں، دل کی مقدس زمین کو ان کا مدفن نہ بننے دو!

۱۵

وہ زندگی سے بھاگ کر پہاڑوں میں روپوش ہو گیا۔ دوسری صبح جاگا تو زندگی اس کے آنگن میں ناچ رہی تھی!

حرفِ آخر

من کی دنیا ایک غیر مرئی دنیا ہے جسے نہ آنکھ دیکھ سکتی ہے اور نہ انسانی عقل سمجھ سکتی ہے۔ اس کتاب میں جس قدر تفاصیل پیش کی گئی ہیں، ان میں سے بیشتر سماعی ہیں اور ممکن ہے کہ لیڈ بیٹر، کانن اور کرنگٹن کے بیان کردہ واقعات غلط ہوں۔ آغازِ آفرینش سے اس دنیا کی واردات و کیفیات کا جائزہ لیا جا رہا ہے اور جو کچھ اب تک معلوم ہو سکا ہے وہ اس قدر نا کافی ہے کہ یقینی و قطعی نتائج تک رہنمائی نہیں کر سکتا۔ روح اور دل کے متعلق کچھ تفاصیل وحی نے پیش کیں جن کی صحت تمام شکوک سے بالاتر ہے۔ بعض واقعات مسلم صوفیاء نے بتائے اور کچھ نتائج ایسے بھی ہیں جو یورپ کے اہل دل نے اخذ کیے ہیں چونکہ میرا مقصد اہل مغرب کی مساعی کا جائزہ لینا تھا تا کہ کل کا محقق مشرق و مغرب کی تحقیقات کو سامنے رکھ کر بات کو آگے چلا سکے۔ اس لیے میں نے اپنے اولیائے کرام کے واقعات و مشاہدات کا ذکر نہیں کیا۔

میرے لیے یہ راہ نئی تھی اور میں ٹھہرا ایک درماندہ راہی۔ بے زبان، بے بصارت اور بے بصیرت۔ لغزش کا امکان زیادہ تھا اور حقیقت بیانی کا کم۔ بھلا جن واقعات کو آنکھ دیکھ نہیں سکتی اور عقل سمجھ نہیں سکتی، انہیں زبان کیسے بیان کر سکتی ہے۔ اس لیے مجھ سے لغزشیں ہوئی ہوں گی اور میرے پیش کردہ نظریات پہ بیسیوں اعتراضات ہو سکتے ہیں۔ مثلاً:

۱۔ جب غیر مسلم اہل دل سے بھی کرامات سرزد ہو سکتی ہیں تو مسلم و غیر مسلم میں فرق کیا رہا؟

۲۔ اثیری لہروں کے وجود کا ثبوت کیا ہے؟

۳۔ کانن اور کرنگٹن کے مشاہدات کو کیوں صحیح سمجھا جائے؟

۴۔ آپ مسلمانوں کو وہم پرست بنا رہے ہیں۔

اس سلسلے میں صرف تین باتیں پیش نظر رکھیے:

اول: روحانی کرشمے دلیل صداقت نہیں۔ حدیث میں وارد ہے کہ دجال بڑے بڑے کرشمے دکھائے گا اور قرآن میں ساحرین فرعون کے سانپوں کا ذکر ملتا ہے۔ بات یوں ہے کہ ہپناٹزم، مسمریزم، سحر اور روحانی کرشمے بعض ریاضتوں کا نتیجہ ہیں جنہیں ہر شخص بقدرِ ظرف حاصل کر سکتا ہے۔ تلوار ایک خوفناک ہتھیار ہے جو ڈاکو کے پاس ہو تو لعنت بن جاتی ہے اور غازی کے ہاتھ میں رَحمت ثابت ہوتی ہے۔ اسی طرح مسلمان کی روحانی طاقت کائنات کے لیے ایک نعمت ہے اور کافر کی یہی قوت ایک عذاب، کافر الہامی ہدایات کا پابند نہیں ہوتا اور اس لیے وہ اس طاقت کا صحیح استعمال نہیں کر سکتا۔

دوم: کانن اور کرنگٹن کے انکشافات حتمی نہیں، البتہ ان سے بعض مسائل کے سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے، نیز دنیائے غیب کے متعلق اہل مغرب کی یہ تحقیقات تازہ ترین ہیں جن کا اس کتاب میں آنا مفید تھا۔

سوم: وہم پرستی کا مرض قدیم سے چلا آتا ہے اور جب تک نوعِ انسان باقی ہے، باقی رہے گا۔ کیا ہم دنیائے نامشہود کے حقائق کو محض اس خوف سے زیرِ بحث نہ لائیں کہ بعض افراد تو ہم پرست ہو جائیں گے؟ ذرا یہ بھی تو سوچیے کہ وہم پرستی ہے کیا چیز؟ کیا ہر وہ چیز دائرۂ وہم میں شامل ہے جو حیطۂ عقل سے ورا تر ہو؟ اس تعریف کی رو سے تو خدا، ملائکہ، روح، حشر و نشر، جن بلکہ انسانی عقل تک سب کے سب توہمات میں شمار ہوں گے۔ ہو سکتا ہے کہ زید جس چیز کو وہم سمجھتا ہے وہ ایک زبردست حقیقت ہو۔ میرے احباب میں سے ایک اللہ کے ذکر کو وہم پرستی قرار دیتے ہیں، ایک اور صاحب کا یہ خیال ہے کہ عبادت و تقویٰ کا سکونِ قلب اور آسودہ حالی سے کوئی رشتہ قائم کرنا محض توہم ہے، حالانکہ ان حقائق کی تائید میں سارا قرآن پیش کیا جا سکتا ہے۔

اس کتاب کا مقصد لاموں اور جوگیوں کی قصیدہ خوانی نہیں بلکہ اتنی ہی بات سمجھانا ہے کہ قوت کے مآخذ دو ہیں۔ کائنات اور دل۔ کائنات کی تسخیر علم سے ہوتی ہے اور دل کا جنریٹر

عبادت وتقویٰ سے چلتا ہے اور مسلمان وہ ہے جو ان دونوں طاقتوں کا مالک ہو۔ روح کی قوت قومی بقا کی ضامن ہے اگر یہ ختم ہو جائے تو پھر صرف مادی طاقت، خواہ وہ کتنی ہی مہیب کیوں نہ ہو، نہیں بچا سکتی۔ قیصر وکسریٰ کی عظیم مادی طاقت کو مٹھی بھر عربوں کی روحانی قوت نے پیس ڈالا تھا اور ہماری تاریخ ایسے واقعات سے لبریز ہے۔ جب خود مسلمان اس سرچشمہ قوت سے محروم ہو گئے تو ان کی عظیم امپائر اور مہیب عسکری قوت انہیں زوال سے نہ بچا سکی۔

یہاں یہ سوال ہو سکتا ہے کہ عصرِ حاضر میں روس اور امریکہ کی حشمت وسطوت کا راز کیا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ آج مسلم وغیر مسلم سب کے سب روحانی قوت سے خالی ہیں اور برتری کا واحد معیار مادّی اسباب ووسائل کی کثرت ہے۔ جس قوم کے پاس کائناتی قوت کی ذخائر زیادہ ہوں گے وہ زیادہ طاقت ور سمجھی جائے گی۔ اگر کل دنیا میں کوئی ایسی قوم پیدا ہو جائے جو عظیم کائناتی علم اور عرش گیر عشق سے مسلح ہو تو مجھے یقین ہے کہ روس اور امریکہ خوف سے کانپ اٹھیں گے اور عالم انسانی کی قیادت اس کے حوالے ہو جائے گی۔

انگلستان صرف پانچ کروڑ نفوس کی ایک چھوٹی سی قوم ہے۔ لیکن دو سو برس تک تمام دنیا کی لیڈر رہی۔ دوسری جنگ عظیم (۱۹۳۹ء۔۱۹۴۵ء) کے بعد مسندِ قیادت امریکہ کے سپرد ہو گئی۔ پاکستان انگلستان سے آبادی میں دوگنا اور رقبہ میں چار گنا بڑا ملک ہے۔ اگر انگلستان دو صدیوں تک دنیا کی قیادت کر سکتا ہے تو کل یہ اعزاز پاکستان کو بھی مل سکتا ہے، بشرطیکہ اہل پاکستان علم و عشق کی توانائیوں سے مسلح ہو جائیں۔

تری نگاہ میں ہے معجزات کی دنیا
مری نگاہ میں ہے حادثات کی دنیا
عجب نہیں کہ بدل دے اسے نگاہ تری
بلا رہی ہے تجھے ممکنات کی دنیا

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ

مآخذ

	کتاب	مصنف
1.	Research in the Phenomena of Spiritualism.	سر ولیم کرکس
2.	Thirty Years of Psychical Research.	Richet
3.	On the Threshold of the Unseen.	سر ولیم بیرٹ
4.	The Voices	Usborn Moor
5.	The Dead have never died.	ای۔ای رینڈل
6.	Human Personality and its Survival of Bodily Death.	الیف۔ڈبلیو۔ایچ۔میرز (Myers)
7.	Mystic Gleams.	ڈاکٹر الیف۔آر۔ویلر
8.	Exploring the Ultra Perceptive Faculty.	ڈاکٹر جے ہنگر
9.	Heaven lies within us.	ڈاکٹر تھیوس برنارڈ
10.	Invisible Influence.	ڈاکٹر الیگزینڈر کانن
11.	The Mystery of Death.	ڈاکٹر جے۔اولڈ فیلڈ
12.	Invisible Helpers.	سی۔ڈبلیو لیڈ بیٹر

13.	Variety or Religious Experience.	پروفیسر ولیم جیمز
14.	The Mind and its place in Nature.	ڈاکٹر سی۔ڈی بروڈ
15.	Science and Personlity.	ڈاکٹر ولیم براؤن
16.	The Masters and the Path.	لیڈبیٹر
17.	In Tune with the Infinite.	آر۔ڈبلیو۔ٹرائن
18.	What is Life.	مسز گاسل
19.	Invisible World.	ڈاکٹر ایچ کرنگٹن
20.	Your Psychic Powers.	"
21.	The Projection of the Astral Body.	"
22.	The Third Eye.	(نام یاد نہیں رہا، تبت کا کوئی لاما تھا)
23.	The Inner Reality.	ڈاکٹر پال برنٹن
24.	The Secret Path.	"
25.	On the Edge of the Etheric.	آرتھر فنڈلے
26.	Psychic Oddities.	ڈاکٹر کرنگٹن
27.	Astral Plane.	لیڈبیٹر
28.	The Etheric Double.	میجر آرتھر۔ای۔پاول
29.	Little Jouneys into the invisible.	گفرڈ شائن

www.urdukutabkhanapk.blogspot.com

مصنف کی دیگر کتب

من کی دنیا
دو قرآن
معجم القرآن
معجم البلدان
تاریخ حدیث
عظیم کائنات کا عظیم خدا
بھائی بھائی
رمز ایمان
دانش عرب و عجم

دانش رومی و سعدی
میری آخری کتاب
یورپ پر اسلام کے احسان
فرمانروایان اسلام
مضامین برق
حرف محرمانہ
سلاطین اسلام
مضامین برق

الفیصل
ناشران و تاجران کتب
غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور